اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے ——— (سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء)

وقار الفتاویٰ

مفتی اعظم پاکستان

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تخریج
مولانا محمد شعیب قادری رضوی

بزم وقار الدین
گلفشاں لائبریری، بلاک ۴، گلستان مصطفےٰ، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب .... وقار الفتاوی (جلد دوم)

مولف .... مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تخریج .... مولانا محمد شعیب قادری رضوی ۔ فاضل دار العلوم امجدیہ

کمپوزنگ .... سید محمد عارف بخاری ۔ محمد عادل

اشاعت اول .... شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ مطابق نومبر ۱۹۹۸ء

تعداد 1000

قیمت .... 190 روپے

ناشر .... بزم وقار الدین ، گلفشاں لائبریری ، بلاک ۴ ، گلستان مصطفی ، کراچی

انٹرنیٹ: http://members.xoom.com/nauman

فون اینڈ فیکس: 2425742 ای میل: mhlakhany @ cyber.net.pk

التماس

اس کتاب کو مرتب کرنے میں انتہائی محنت اور کوشش کی گئی ہے ،
لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی یا خامی رہ گئی ہو۔
لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی
نوٹ کریں تو ادارے کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی تصحیح کی جا
سکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ " وقار الفتاویٰ " کو مقبولِ عام بنائے اور
مؤلف کے لئے صدقہ جاریہ اور ترقی درجات کا ذریعہ ہو۔ آمین

بزم وقار الدین

وقار الفتاوی! حضرت علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم العالیہ کی نظر میں

بزم وقار الدین کراچی نے "وقار الفتاوی" کے نام سے مفتی اعظم پاکستان وقار العلماء حضرت علامہ مفتی وقار الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاوی کی پہلی اور دوسری جلد شائع کی ہے جبکہ تیسری جلد زیر ترتیب ہے۔

حضرت وقار العلماء کی نادرہ روزگار شخصیت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت بیدار مغز مفتی، نکتہ رس فقیہہ، راسخ العلم استاذ، معقولات و منقولات کے متجر عالم دین اور صاحب سلسلہ مرشد طریقت تھے۔ لیکن فقہ میں انکی شان بہت بلند تھی اور یہ حضرت صدر الشریعہ کے حلقہ درس اور فقہ میں ان کے رسوخ کا خصوصی فیضان تھا۔

ایک فقیہہ کے لئے مختلف علم و فن میں رسوخ و مہارت کے علاوہ ذہانت و فراست، مجتہدانہ بصیرت اور اپنے عہد کے رسوم و عادات سے گہری واقفیت ضروری ہے۔ باکمال فقیہہ اور صاحب نظر مفتی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سوالات کے بین السطور سے سائل کا ذہن پڑھ لے کہ استفتاء سے اس کا مقصد فتوے پر عمل کرنا ہے یا اسے کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ہے۔ کیونکہ سوال کرنے والے اکثر اسی مصلحت کے پیش نظر فرضی ناموں سے سوال کرتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے جو کسی کتاب میں پڑھایا نہیں جاتا بلکہ صرف فراست ایمانی کے الہام سے حاصل ہوتا ہے۔

وقار الفتاوی! کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم پوری بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت وقار العماء بجا طور پر مندرجہ بالا خصوصیات کے حامل تھے اور اس کا منبع ان کا وہ نور قلب تھا جو زہد و تقوی اور خشیت الہی کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت وقار العلماء نے جس طرح اپنے پیچھے مختلف علوم و فنون میں دستگاہ رکھنے والے تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی ہے جو اس وقت پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہر طرح کی دینی اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اسی طرح ان کے مریدوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے جن کے ظاہری احوال اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ اپنے پیر و مرشد کی روحانی اور علمی برکتوں کے صحیح وارث ہیں۔ ان کے مریدوں میں اپنے مرشد کے ساتھ جو والہانہ عقیدت کا رنگ میں دیکھتا ہوں وہ جذبہ ان کے شاگردوں میں نہیں پاتا۔

حضرت وقار العلماء کے زہد و تقوی اور اتباع شریعت کا چرچا یہاں کے عوام و خواص کی زبانوں پر اتنی کثرت سے ہے کہ مجھے ان کی بامراد زندگی پر رشک آتا ہے۔ چونکہ میں ان کی زندگی میں بھی کئی بار کراچی آچکا ہوں اس لئے واضح طور پر میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی حیات ظاہری میں کراچی کا کیا رنگ تھا اور آج ان کے بغیر کراچی کا کیا حال ہے یہاں تک بہار اور خزاں کا فرق ہر شخص پیکر محسوس میں دیکھ سکتا ہے

(ارشد القادری، نزیل کراچی یکم ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ)

پیش لفظ

الحمد للہ علی احسانہ کہ وقار الفتاوی جلد اول کے بعد ، اس ذات وحدہ لاشریک نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ وقار الفتاوی جلد دوم پیش کر سکیں ۔ یہ جلد عبادات پر مشتمل ہے ۔ اس میں تخریج کے معیار کو پہلی جلد سے بہتر بنایا گیا ہے ۔ عربی عبارات کا حوالہ ہر اعتبار سے مکمل دیا گیا تاکہ اگر قارئین کرام ان کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیں ، جن کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں تو آسانی سے مطلوبہ عبارات تک پہنچ سکیں ۔ اس کے ساتھ کتب تفاسیر ، شروح احادیث اور کتب فقہ کے مصنفین کی تاریخ وفات بھی دے دی گئی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وقار الفتاوی میں جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ہر دو مکتب فکر کے نزدیک مستند ہیں ۔ تو اس طرح انشاء اللہ العزیز قارئین وقار الفتاوی کو زیادہ تسلی اور اطمینان حاصل ہوگا ۔

اس جلد میں مزید خوبی یہ ہے کہ تقریباً تمام مشکل الفاظ کا بریکٹ میں ترجمہ کردیا گیا ہے تاکہ خاص و عام کے لئے یکساں مفید ہو ۔ دوسری جلد پہلی جلد سے ضخیم (بڑی) ہے اور کتاب کی اہمیت کا اندازہ آپ فہرست ہی سے لگالیں گے ۔

امید ہے کہ وقار الفتاوی جلد دوم علمائے کرام ، مدرسین ، طلباء ، محققین ، مصنفین ، ججز ، وکلاء اور ہر خاص و عام کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی ۔ اب انشاء اللہ وقار الفتاوی جلد سوم جو معاملات پر مشتمل ہے ، اس پر کام ہوگا اور وہ بھی جلد ہی آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی ۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے جلد دوم کو پہلی جلد کی طرح قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مؤلف کتاب ھذا مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ بنائے ۔ آمین

مرتب وقار الفتاوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست وقار الفتاوی

جلد دوم

۱ طہارت کا بیان

کتاب الصلوٰة

۲ اوقات نماز کا بیان

۳ اذان کا بیان

۴ اقامت کا بیان

۵ مسائل نماز

ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org
وقار الفتاویٰ
حضرت علامہ مفتی
محمد وقار الدین
قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ
ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

۶ استقبال قبلہ کا بیان

۷ قراءت کا بیان

۸ تلاوت قرآن کا بیان

۹ سجدے کا بیان

۱۰ سجدہ تلاوت کا بیان

۱۴ قضاء نمازوں کا بیان

۱۵ نمازِ مسافر کا بیان

۱۶ نماز جمعہ اور عیدین کا بیان

۱۷ خطبہ کا بیان

۱۸ امامت کا بیان

۱۹ اقتداء کا بیان

۲۰ جماعت کا بیان

۲۱ سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

۲۲ نماز تراویح کا بیان

۲۳ نفل کی جماعت کا حکم

۲۴ لقمہ دینے کا بیان

۲۵ لباس کا بیان

۲۶ عمامہ کا بیان

کتاب المساجد

۲۷ مسجد اور مسائل مسجد

۲۸ مسجد کے چندے کا بیان

۲۹ تعمیر مسجد کا بیان

۳۰ مسائل وقف

۲۱ متعلقات مسجد

کتاب الجنائز

۳۲ غسل میت کا بیان

۳۳ نماز جنازہ کا بیان

۳۴ قبر کا بیان

۳۵ تدفین کا بیان

کتاب الزکوٰۃ

۳۶ زکوٰۃ اور مسائل زکوٰۃ

کتاب الصوم

۲۷ رویت ہلال کا بیان

۳۸ اعتکاف کا بیان

کتاب المناسک

۳۹ حج و عمرہ کی فرضیت کا بیان

۴۰ مسائل حج و عمرہ کا بیان

۴۱ طواف کا بیان

۴۲ رمی کا بیان

۴۳ احکام دم

۴۴ حج بدل کا بیان

کتاب الاضحیۃ

۴۵ قربانی اور مسائل قربانی کا بیان

۴۶ چرم قربانی کا بیان

کتاب الحظر و الاباحة

۴۷ ممنوعات و مباحات کا بیان

۴۸ متفرق

طہارت کا بیان

مسواک کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب !
السلام علیکم
دارالعلوم امجدیہ ، کراچی
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ وضو میں مسواک کرنا آیا سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ ؟ اگر سنت موکدہ ہے تو براہ کرم قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں حوالہ جات سے ، اس کی وضاحت فرمائیں ۔ عنایت ہوگی ۔
سائل : محمد الطاف بولانی

الجواب:-

اس بارے میں ہمارے فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ مسواک کرنا سنت ہے یا مستحب ؟ عام طور پر فقہی متون میں سنت ہونے پر تصریح ہے ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

والسواک سنة موکدة کمافی الجوهرة

یعنی مسواک کرنا سنت موکدہ ہے جیسا کہ جوہرۂ نیرۃ میں ہے ۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے علامہ ابراہیم علوی کا قول نقل کیا :

قد عده القدوری و الاکثرون من السنن و هو الاصح

(شامی جلد (۱) کتاب الطہارت، مطلب فی دلالۃ المفہوم، صفحہ: ۸۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی صاحب قدوری اور اکثر فقہاء نے (مسواک) کو سنت ہی شمار کیا ہے اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ اور اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں۔

وعلیہ المتون۔

یعنی فقہی متون اسی پر دال ہیں۔

اکثر لوگ مسواک کو سنت قرار دیتے ہیں اور یہی اصح قول ہے۔

صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے مسواک کرنا مستحب لکھا اور صاحب فتح القدیر نے اسی کو اختیار فرمایا۔

لیکن اصولی طور پر قاعدہ یہ ہے کہ جب تصحیح میں اختلاف ہو تو متون پر عمل کیا جائے گا۔ لہذا متون مسواک کے سنت ہونے پر متفق ہیں تو مختار یہی ہے کہ مسواک کرنا سنت موکدہ ہے۔

افشاں کے ذرات جسم پر لگے ہوں تو وضو اور غسل کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب! دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلے کا جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں کہ:

زید کپڑے میں ٹانکنے والے بٹنوں کا کام کر رہا ہے جن پر چمک (افشاں) لگی ہوتی ہے جو اڑ کر چہرے اور بدن پر پڑتی ہے اور وضو اور غسل کے بعد بھی جسم پر موجود رہتی ہے۔ کیا اس صورت میں وضو اور غسل ہو جاتا ہے؟

براہ کرم تفصیلاً جواب مرحمت فرمائیے۔

سائل: جاوید احمد، کھارادر، کراچی

الجواب:-

جو شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے ناخنوں کے اندر یا جسم کے باہر کوئی چیز اس طرح لگی رہ جائے جس کے چھڑانے میں تکلیف ہو۔ تو ضرورتاً اس کا وضو اور غسل ہو جائے گا۔ لہذا صورت مسئولہ میں

افشاں کے ذرات جسم پر لگے رہنے کے باوجود وضو اور غسل جائز ہے ۔ شیخ ابراھیم الحلبی الحنفی متوفی ۹۵۶ھ نے غنیۃ المستملی میں لکھا :

وقال فی الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء بان خلطتہ اواختضبت بہ وبقی من جرمہ علی بدنھا والطین والدرن اذا بقیا علی البدن یجزی وضوئھم للضرورۃ و علیہ الفتوی

(شرائط الصلوۃ، فرائض الغسل، صفحہ: ۴۹، سہیل اکیڈمی، لاہور)

یعنی مہندی کے بارے میں ذخیرہ میں ارشاد ہے کہ مہندی مخلوط ہو گئی یا مہندی میں خضاب مل گیا اور عورت کے بدن پر اس کا کچھ جرم باقی رہ گیا اور مٹی اور میل کا کچھ حصہ بدن پر باقی رہ جائے تو ان کا وضو ضرورتاً ہو جاتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ۔

مصنوعی دانتوں میں وضو اور غسل کا حکم

الاستفتاء:-

میرے دوست کے چند دانت نکل گئے ہیں ان کی جگہ وہ ایسے مصنوعی دانت لگوانا چاہتے ہیں جو لگ جانے کے بعد اتر یا نکل نہیں سکتے ۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسے مصنوعی دانتوں کے ساتھ وضو یا غسل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ نیز یہ کہ مذکورہ شخص کے انتقال کی صورت میں بھی یہ مصنوعی دانت اسکے منہ میں ہی رہ جائیں گے ۔ لہذا براہ کرم ذرا وضاحت کے ساتھ اس امر کی وضاحت فرما دیں کہ اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں ؟

جواب دیکر ممنون فرمائیں ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء ۔

سائل : قاضی غلام محمد ، آئی ۔ آئی ۔ چندریگر روڈ ، کراچی

الجواب:-

ضرورتاً مصنوعی دانت لگوانے میں کوئی شرعی رکاوٹ یا حرج نہیں ہے ۔ ان دانتوں کے لگوانے کی صورت میں بھی وضو اور غسل ہو جائیں گے ۔ اور انتقال ہو جانے کے بعد ان کو نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ۔

معذور کے وضو کا حکم

الاستفتاء:-

ایک شخص ہے ، جسے پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے ۔ کیا وہ اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ قطرے کے نکلنے کا کوئی ٹائم مقرر نہیں ۔ یہ نماز کے دوران بھی نکلتا ہے ایسی صورت میں اس کی نماز ہو

جائے گی یا نہیں ؟

الجواب:-

یہ شخص شرعاً معذور ہے ۔ شریعت میں معذور وہ کہلاتا ہے ، جس میں وضو توڑنے والی کوئی بات پائی جاتی ہو یعنی نماز کے پورے وقت میں وضو کر کے نماز نہیں پڑھ پاتا کہ اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ مثلاً بار بار پیشاب کے قطروں کا نکلنا ، ہر وقت ریح کا خارج ہونا ، بدن سے خون نکلتے رہنا یا پیپ بہتے رہنا ۔ ایک مرتبہ معذور بننے کے بعد پھر معذور کا حکم باقی رہنے کیلئے شرط یہ ہے کہ ہر نماز کے پورے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ وہ سبب پایا جائے ، جس کی وجہ سے یہ معذور بنا تھا ۔ ایسے شخص کے لیے یہ حکم ہے کہ جب کسی نماز کا وقت ہو جائے تو یہ وضو کر لے اور اس وضو سے جتنی چاہے نمازیں پڑھے اور یہ وضو اس وقت تک رہے گا جب تک اس نماز کا وقت رہے گا ، اس سبب سے وضو نہیں ٹوٹے گا جس کی وجہ سے معذور ہے ۔ ہاں اور کوئی ناقض وضو پایا گیا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا نیز نماز کا وقت ختم ہو جانے کی صورت میں بھی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا ۔

روزانہ غسل کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب ! مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ کی رہنمائی قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلوب ہے ۔
کیا بچوں کو روزانہ نہانا چاہیے یا ہفتہ میں ایک مرتبہ صرف جمعہ کے روز نہا لیں ؟

الجواب:-

اسلام میں صفائی ستھرائی کی بہت تاکید آئی ہے اس لیے بچے اگر روزانہ غسل کریں تو کوئی حرج نہیں مگر جمعہ کا غسل تو سنت ہے ، وہ ضرور کرنا چاہیے اور بچوں کو اسکی تاکید کرنا چاہیے ۔

میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ : ایک صاحب فرماتے ہیں کہ " میاں بیوی ایک ساتھ برہنہ ہو کر غسل کر سکتے ہیں اور میں اس کے جواز کے بارے میں دلائل بھی پیش کر سکتا ہوں " وہ یہاں تک

کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اب آپ تحریر فرمائیں کہ ایسا فعل ازروئے شریعت کیسا ہے؟

سائل: ولی محمد، شہدادپور، سندھ

الجواب:-

تنہائی میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کے سامنے ستر کھولنا جائز تو ہے مگر شریعت میں بہت ناپسندیدہ ہے۔ شریعت میں بوقت جماع بھی بالکل برہنہ ہونا ممنوع ہے۔ کوئی نہ کوئی کپڑا اوڑھ لیا جائے۔ اس کو سنت قرار دینا بالکل غلط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے ساتھ ایک برتن میں ایک وقت میں پانی لے کر غسل کیا تو ہے، مگر برہنہ ہو کر نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

انجکشن اور ڈرپ سے وضو ٹوٹنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ:

میں بہت دنوں سے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہوں۔ اس ہسپتال کا طریق علاج یہ ہے کہ ہر قسم کی بیماری کی دوا اس طرح جسم میں چڑھاتے ہیں جیسے خون چڑھایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ عمل گھنٹوں جاری رہتا ہے۔ لہٰذا چند مسائل درپیش ہیں۔ کیا انجکشن لگنے یا جسم میں خون یا کسی بھی قسم کی دوا جو رگ کے ذریعہ جسم میں پہنچے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ واضح رہے کہ یہ دوا بھی خون ہی سے تیار کی جاتی ہے۔ اگر خون یا دوائی بذریعہ ڈرپ جسم میں چڑھ رہی ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو تو کیا نماز پڑھے یا قضا کرے؟ اگر بے وضو ہے تو اس صورت میں وضو ناممکن اور تیمم مشکل ہے۔ کیا اس صورت میں جیسے تیسے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

سائل: محمد صابر قادری

الجواب:-

انجکشن لگانے یا منہ سے دوا پینے سے وضو تو نہیں ٹوٹتا مگر انجکشن اور ڈرپ لگوانے سے کبھی کبھی کچھ خون نکلتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسی مجبوری کہ اٹھ نہیں سکتے اور وضو کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر بعد میں دھرا لی جائے۔

ناپاک کپڑوں کو پاک کرنے کا طریقہ

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

ناپاک کپڑوں کو پاک کرنے کا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو طریقہ لکھا ہے وہ بڑا مشکل ہے۔ برائے مہربانی اس کا کوئی آسان طریقہ تفصیل سے تحریر فرمائیں تاکہ شک و شبہات کا خاتمہ ہو سکے۔ جزاک اللہ خیراً۔

الجواب:-

نجاست دو طرح کی ہوتی ہے ان میں سے ایک جسم دار مثلاً پاخانہ اور گوبر وغیرہ ، ان کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح دھویا جائے کہ ان کا وجود چیز پر باقی نہ رہے اس کے لیے کتنی بار دھویا جائے یہ کوئی شرط نہیں ہے ، نجاست کا وجود زائل ہونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا اگرچہ نجاست کا رنگ باقی رہے۔ نجاست کی دوسری قسم غیر جسم دار جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ ، ان کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کو ایک مرتبہ دھو کر اتنی طاقت سے نچوڑا جائے کہ دوبارہ نچوڑنے سے پانی نہ نکلے ، پھر ہاتھ و برتن دھو کر کپڑے کو دھو کر اتنی ہی طاقت سے نچوڑا جائے پھر تیسری مرتبہ ہاتھ دھو کر کپڑا دھویا جائے اور اتنی ہی طاقت سے نچوڑا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اور اگر کپڑا اتنا نازک ہے کہ طاقت سے نچوڑنے سے پھٹ جائے گا یا اتنا بڑا ہے کہ اسے نچوڑنا ممکن نہیں ہے مثلاً لحاف وغیرہ تو اسے دھو کر دیوار وغیرہ پر لٹکا دیا جائے ، جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو پھر دوبارہ دھو کر لٹکا دیا جائے پھر جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو تیسری مرتبہ پھر دھو کر لٹکا دیا جائے جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو یہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔

جنبی کے جسم سے لگنے والی چیز کی پاکی وناپاکی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مسجد میں جو اکثر کھجور یا کپڑے کی ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں۔ کیا ان کو پہن کر نماز ہو جاتی ہے ؟ زید کہتا ہے کہ مسجدوں میں جو ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ ان میں کافی خرابیاں ہیں۔ جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

اگر کسی جنبی شخص کے سر پر تیل لگا ہوا ہو اور وہ تیل ٹوپی سے لگ جائے تو وہ ٹوپی بھی ناپاک ہو گئی۔ اور وہ ٹوپی اور ٹوپیوں میں مل گئی اب معلوم نہیں کہ کونسی ٹوپی ناپاک ہے؟ زید کہتا ہے اپنی ٹوپی ہونی چاہے مگر بکر کہتا ہے کہ نہیں یہ ٹوپیاں صحیح ہیں ان سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تو اس سلسلہ میں کافی بحث و مباحثہ ہوا ہے۔ براہ کرم فوراً اس مسئلہ کی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

سائل: عبدالرحمن، اللہ ڈھی، کراچی

الجواب:-

جس پر غسل فرض ہوتا ہے اسکا جسم ایسا ناپاک نہیں ہوتا ہے کہ اسے کوئی پاک چیز لگ جائے تو وہ بھی ناپاک ہو جائے، اس لیے کہ آدمی کا پسینہ پاک ہے، جھوٹا پاک ہے اور سر پر جو تیل لگا ہوتا ہے، وہ بھی پاک ہے۔ اس وجہ سے ٹوپی ناپاک نہیں ہوتی ہے۔

ماء مستعمل کی تعریف

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب!

مندرجہ سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

پانی مستعمل کیوں ہوتا ہے؟ یعنی کیا وجہ ہے کہ بے وضو شخص کا ہاتھ وغیرہ پانی میں پڑجانے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔

سائل: محمد ایوب، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں پانی کو پاک کرنے والا فرمایا۔ بدن انسانی میں جب نجاستِ حقیقی یا حکمی ہوگی اور اس پر پانی پڑے گا تو اس پانی میں بھی نجاست شامل ہو جائے گی۔ بے وضو آدمی کے وہ اعضاء جن کا دھونا وضو میں فرض ہے اور بے غسل آدمی کا تمام بدن اور منہ اور ناک کے اندر کا وہ حصہ جس میں پانی پہنچانا فرض ہے، ان اعضاء پر نجاست حکمی ہوتی ہے جب ان سے پانی چھوئے اور پانی بہنے والا نہ ہو اور بہنے والے کے حکم میں بھی نہ ہو، تو اس پانی میں نجاست آجاتی ہے اس لیے یہ پانی مستعمل (استعمال شدہ) ہو جاتا ہے اور وہ وضو و غسل کے قابل نہیں رہتا۔

ماءِ مستعمل کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب! دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کسی بزرگ یا عالم (جو باعمل ہوں) کے ہاتھ اور منہ کا "دھوون" یا وضو کا پانی کوئی پیئے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد جاوید قادری

الجواب:-

استعمال شدہ پانی کے متعلق امام اعظم سے مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت میں نجاست غلیظہ ہے، ایک میں نجاست خفیفہ ہے، جبکہ ایک روایت میں پاک لکھا ہے۔ فتویٰ آخری قول پر ہے۔ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کر نہیں سکتا یعنی دوسری نجاست حکمیہ کو پاک نہیں کرے گا۔ پہلے اقوال کا احتمال تو ہے۔ لہٰذا کھانے پینے میں احتیاط اسی میں ہے کہ مستعمل پانی کو استعمال نہ کیا جائے اس کو پینا، آٹا گوندھ کر روٹی پکانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

وھو طاھر ولو من جنب وھو الظاھر لکن یکرہ شربہ والعجن بہ تنزیھا للاستقذار وعلی روایۃ نجاستہ تحریماً

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الطہارت، باب المیاہ، مبحث الماء المستعمل، صفحہ: ۱۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ماء مستعمل پاک ہے اگرچہ وہ جنبی کا استعمال کیا ہوا ہو اور یہی ظاہر روایت (مفتیٰ بہ) قول ہے لیکن اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تنزیہی ہے اور ایک روایت کے مطابق مکروہ تحریمی ہے۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا:

واقرہ النھر بحمل الکراھۃ علی التحریمیۃ لان المطلق منھا ینصرف الیھا

(شامی، جلد اول، صفحہ: ۱۴۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

صاحبِ نہر نے اس کو کراہت تحریمی پر حمل کرتے ہوئے باقی رکھا کیونکہ مطلق کراہت، کراہت تحریمی کی طرف لوٹتی ہے۔

طہارت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس کے پینے میں حرج نہیں ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ طہارت و نجاست کا علیحدہ حکم ہے اور کھانے پینے میں حلت و حرمت کا علیحدہ حکم ہے۔ کسی چیز کے پاک ہونے سے اس کا کھانا حلال ہو جائے گا یہ خیال باطل ہے۔ کبوتر وغیرہ حلال پرندے ان کی بیٹ پاک ہے مگر کھانا

حرام ہے اسی طرح مٹی پتھر وغیرہ زمین کی چیزیں پاک ہیں مگر کھانا حرام ہیں اور جو لوگ جہالت سے اپنے پیروں کے " ماء مستعمل " کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماء مستعمل کے مثل بنا کر اس کا حکم دیتے ہیں وہ انتہائی نادان ہیں حضور صلی اللہ علیہ کے بول وبراز امت کے حق میں پاک ہیں، آئندہ شاید اپنے پیروں کے لیے بھی یہی حکم لگا دیں۔

انسان، حلال جانور اور گھوڑے کے جھوٹے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیان دین متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) بنی نوع انسان کا جوٹھا پاک ہے یا نہیں ؟

(۲) حلال جانور کا جوٹھا پاک ہے یا کہ نہیں ؟

(۳) گھوڑے کا جوٹھا پاک ہے یا کہ نہیں ؟

تفصیلی جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

سائل : عبدالعزیز

الجواب:-

(۱) مسلمان کا جوٹھا پاک ہے۔ مگر کافر کا جھوٹا کھانا مسلمان کے لیے کسی طرح پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ اسلئے کافر کے جھوٹے سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۲) حلال جانور کا جوٹھا پاک ہے۔

(۳) گھوڑے کا جوٹھا پاک ہونے کا مقصد یہ ہے کہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو نماز جائز ہے، جس طرح کبوتر اور فضا میں اڑنے والے حلال پرندے کی بیٹ تو پاک ہے مگر اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔

موزوں پر مسح کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کپڑے کے یا اون کے موزوں پر مسح جائز ہے یا نہیں ؟ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کے مطابق وضاحت فرمائیں۔

سائل : غلام مصطفی

الجواب:-

سوال میں جن موزوں کا ذکر کیا گیا ہے ، ان پر مسح کرنا جائز نہیں ۔ جن شرائط کے تحت موزوں پر مسح کرنا جائز ہے ، ان میں یہ ہے کہ وہ چمڑا کے ہوں یا اس کا تلا چمڑا کا ہو یا پھر کسی ایسی دبیز چیز کا ہو کہ ان پر مسح کرتے وقت پانی کی نمی بھی ، قدم کی جلد تک نہ پہنچے ۔ صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

ولا یجوز المسح علی الجوربین عند ابی حنیفۃ الاان یکونا مجلدین او منعلین

(اولین ، کتاب الطہارات ، باب المسح علی الخفین ، صفحہ : ۶۱ ، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جوربین (پائے تابہ) پر مسح کرنا جائز نہیں ہاں اگر چمڑے کے ہوں یا جن کا تلا چمڑا کا ہو تو ان پر مسح جائز ہے ۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ بغیر باندھے ہوئے پنڈلی کے ساتھ رہے اور نیچے نہ آئے ۔

کنواں پاک کرنے کا طریقہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

ایک کنویں میں خنزیر گر کر مر گیا ، جس کو پھٹنے سے پہلے نکال لیا گیا جبکہ پھولا ہوا تھا ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کنواں کو پاک کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے ؟ نیز اگر اس کنواں کے قریب سے نہر یا نہر کے پانی کا کھال گزر رہا ہو اور اس کو کنواں مذکور میں چھوڑا جائے اور کنواں بھر کر کئی روز باہر ابلتا اور چلتا رہے تو کیا اس طریقہ سے بھی کنواں پاک ہو جائے گا ؟ بینوا و توجروا

سائل : محمد عمر حیات ، بارہ کا چوبارہ ، ضلع لیہ

الجواب:-

جب خنزیر کو نکال لیا گیا تو کنویں کو پاک کرنے کے دو طریقے ہیں ۔ ایک یہ کہ اس کا جتنا پانی تھا تمام پانی نکال دیا جائے اور اگر اس کا پانی نہ ٹوٹتا ہو تو نجاست کے نکالنے کے وقت جتنا پانی تھا اتنا نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا اور اس کی اینٹیں مٹی وغیرہ سب پاک ہو جائیں گی ۔ علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے بدائع الصنائع میں لکھا :

اذا طہرت البیر یطہر الدلو والرشاء کما یطہر طین البیر و حماتہ لان نجاستہما بنجاسۃ البیر و طہارتہما یکون بطہارۃ البیر

جب کنواں پاک ہو جاتا ہے تو ڈول اور رسی بھی پاک ہو جاتی ہے جس طرح کنویں کی مٹی اور اس کے کنارے (دیواریں) پاک ہو جاتی ہیں کیونکہ مٹی اور کنارے کا نجس ہونا کنویں کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے اور ان کی پاکی کنویں کے پاک ہونے سے ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس میں پاک پانی داخل کیا جائے اور بھر کر اوپر سے پانی ابل کر باہر بہنے لگے تو یہ کنواں پاک ہو جائے گا۔ بدائع الصنائع ہی میں ہے:

قال الفقیہ ابو الجعفر الھندوانی اذا دخل فیہ الماء الطاہر و خرج بعضہ یحکم بطہارتہ بعد ان لا تستبین فیہ النجاسۃ لانہ صار ماءً جاریاً ولم یستیقن ببقاء النجس فیہ و بہ اخذ الفقیہ ابو اللیث

(جلد (۱) فصل فی بیان ما یقعبہ التطہیر، صفحہ: ۸۶، ۸۷، مطبوعہ شرکت المطبوعات العلمیۃ، مصر)

یعنی فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے فرمایا کہ کنویں یا حوض میں جب پاک پانی داخل ہوا کہ پانی کا کچھ حصہ نکل جائے تو اس کی پاکی کا حکم دے دیا جاتا ہے بعد اس کے کہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو کیونکہ وہ جاری پانی ہو جاتا ہے اور اس میں نجاست کے باقی رہنے کا کوئی یقین نہیں رہا اور اسی کو فقیہ ابو اللیث نے بھی اختیار کیا ہے۔

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، کراچی

ہمارے محلے کی مسجد میں کنویں میں بلی گر کر مر گئی۔ مری ہوئی بلی کو نکال دیا گیا۔ اب پانی کے نکالنے کا مسئلہ ہے کنویں سے سارا پانی نکالنا تو مشکل تھا کیونکہ کنواں پانی سے بھرا ہوا تھا دو موٹریں لگا کر تقریباً آدھے سے زیادہ پانی نکال دیا چونکہ ایک ساتھ سارا پانی نہیں نکالا جا سکا کنواں پھر بھر گیا ہے اور اب پانی میں بدبو وغیرہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں کنویں کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہو تو پاک کرنے کے لیے آسان ترین طریقہ کیا ہوگا؟

سائل: حفیظ الرحمٰن

الجواب:-

بلی کے کنویں میں گرنے کی صورت میں اس وقت کنویں میں جتنا پانی تھا اتنی مقدار میں پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ کنویں کا پانی نکالنا ممکن نہ ہو کہ جتنا نکالیں اتنا ہی بڑھ جاتا ہے، اس کے لیے طریقہ یہ ہے کہ پانی میں کوئی لکڑی یا بانس ڈال کر پیمائش کر لی جائے۔ فرض کریں کہ

دس فٹ پانی تھا پانچ منٹ موٹر چلا کر پھر پیمائش کریں اگر پانچ منٹ میں ایک فٹ کم ہوگیا تو پچاس منٹ موٹر چلانے سے دس فٹ پانی نکل جائے گا اس طرح کنواں پاک ہو جائے گا۔ یہ دس فٹ پانی ایک ساتھ نکالنا ضروری نہیں ہے اگر روزانہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا جائے تو جب وہ مقدار پوری ہو جائے گی تو جب بھی کنواں پاک ہو جائے گا۔

معذور شرعی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صورت میں کہ:

میں تقریباً آٹھ دس سال سے فالج کا مریض ہوں۔ الحمد للہ! اگرچہ پہلی جیسی صورت تو نہیں ہے لیکن اس کے کچھ نہ کچھ اثرات اب بھی باقی ہیں ایک نئی بیماری میں مبتلا ہوں وہ یہ کہ پائجامہ میں پیشاب نکل جاتا ہے۔ پہلے سے اسکے متعلق کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، کسی وقت بھی نکل سکتا ہے۔ میں نے پیشاب کی بیماری کا بہت علاج کرایا، گولیاں کھائیں، لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ پیشاب کا احساس ہونے کے ایک منٹ بعد ہی پیشاب نکل جاتا ہے۔ نماز کے دوران کم وبیش سات آٹھ مرتبہ پیشاب نکل آتا ہے۔ ایسی صورت میں شرع مطہرہ کی روشنی میں میرے لئے وضو اور نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا میں معذور شرعی کے حکم میں آتا ہوں؟

سائل: سراج احمد

الجواب:-

کسی ایسے مرض میں مبتلا ہونے والے شخص کو، جس میں وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے اسے "معذور" کہتے ہیں۔ اس کے دو مرحلے ہیں معذور بننا اور معذور باقی رہنا۔ معذور شرعی بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی نماز کا پورا وقت اسی طرح گزر جائے کہ اسے اتنا موقع نہ مل سکے کہ یہ وضو کر کے نماز پڑھ لے جب اتنی کثرت سے کوئی ناقض وضو پایا جائے گا تو یہ شخص شرعی معذور ہو جائے گا۔ اس کے بعد نماز کے پورے وقت میں اس ناقض وضو کا پایا جانا کم از کم ایک مرتبہ ضروری ہے جب تک ایسا ہوتا رہے گا یہ معذور رہے گا۔ اگر کسی دن کسی نماز کا پورا وقت گزر گیا کہ اس میں ایک بار بھی یہ ناقض وضو نہ پایا گیا تو یہ معذور باقی نہیں رہے گا پھر جس وقت پہلی والی صورت پائی جائے گی تو پھر معذور ہو جائے گا۔

معذور کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ ایک مرتبہ وضو کرے تو پورے وقت میں اس ناقض وضو کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا جس کی وجہ سے یہ معذور بنا تھا۔ اس پورے وقت میں اس کا وضو باقی رہے گا

اور ہر عبادت کرتا رہے گا وقت ختم ہوتے ہی اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کرنا ہوگا اور اگر مذکورہ بالا صورت نہ ہو تو یہ معذور شرعی نہیں ہوگا اس کو جب پیشاب کا قطرہ آئے گا وضو کرنا ہوگا کپڑوں اور مسجد کی صفوں وغیرہ کو نجاست سے بچانے کے لیے لنگوٹ باندھنا چاہیے اور پیشاب کی جگہ پر کپڑے کی موٹی تہ رکھنا چاہیے اور ان کو پاک ہونا چاہیے اگر پیشاب کا قطرہ نکل جائے تو دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے وہ کپڑا بدل دے۔

ریاح کے مریض کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں کہ:

زید کو پیٹ میں گیس کی ایک عرصہ سے شکایت ہے۔ جسکی وجہ سے ہر وقت ریح خارج ہوتی رہتی ہے۔ نماز کے دوران بھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ دو رکعت نماز پوری نہیں ہوتی کہ وضو ٹوٹ ہو جاتا ہے اس طرح زید کی نمازیں قضا پر قضا ہوتی رہتی ہیں۔ برائے مہربانی آگاہ فرمائیں کہ شرعی مسئلہ کیا ہے؟ ایسی حالت میں زید کو کیا کرنا چاہیے؟

سائل: عبد الحمید

الجواب:-

ریاح بار بار آتی ہے یا پیشاب کا قطرہ بار بار نکلتا ہے یا زخم سے ہر وقت خون بہتا ہے وغیرہ وغیرہ تو جب معذور بن گیا تو اس کے باقی رہنے کی جب تک شرط پائی جائے گی اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے پورے وقت کے لیے اس کا ایک مرتبہ وضو کر لینا کافی ہے۔ پورے وقت میں اس وجہ سے جس کے سبب سے وہ معذور بنا تھا اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ دوسرے اسباب سے ٹوٹ جائے گا اس وقت میں جتنی نمازیں چاہے ادا، قضا، نفل، فرض پڑھتا رہے گا وقت ختم ہوتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ دوبارہ وقت شروع ہونے سے پھر نیا وضو کرے گا اسی طرح ہر وقت کا یہی حکم ہے۔

پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو کیا حکم ہے؟

الاستفتاء:-

اگر کسی شخص کو رفع حاجت کے بعد بھی پیشاب کے ایک دو قطرے آتے ہوں اور ایسے بھی چلتے پھرتے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پیشاب کا ایک آدھ قطرہ نکل رہا ہے تو ایسی صورت میں پاک رہنے کا کیا

طریقہ اختیار کیا جائے؟ اور نماز کس طرح ادا کی جائے؟ اگر انڈر ویئر میں اس جگہ پر ایک کپڑا لگا دیا جائے جس سے کہ پیشاب کے قطرے اسی کپڑے میں جذب ہو جائیں اور انڈر ویئر کی تہ سے باہر نہ آئے تو ایسا کرنا درست ہے اور یہ کہ انڈر ویئر ہر نماز سے پہلے تبدیل کرنا ہوگا یا یہ کہ پورے دن ایک ہی انڈر ویئر سے گزارا ہو سکتا ہے اور اگر نماز کے دوران ایسا محسوس ہو کہ پیشاب کا ایک اور قطرہ خارج ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر وہ شخص رات کو انڈر ویئر اتار کر دوسرے کپڑے پہن کر سوتا ہے تو صبح فجر کی نماز سے پہلے نہانا ہوگا یا یہ کہ صرف کپڑے تبدیل کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب:-

وہم و شک میں تو مبتلا نہ ہوں۔ اگر غالب گمان ہو کہ پیشاب کرنے کے بعد کھڑے ہونے سے ایک آدھ قطرہ نکل جاتا ہے تو پیشاب کے بعد مٹی کا ڈھیلا یا کپڑا یا ٹائلٹ پیپر استعمال کر لیا جائے اور اس کے بعد پانی سے استنجاء کرے انڈر ویئر میں اگر پیشاب کا قطرہ جذب ہو جائے اور ایک درھم جگہ میں پھیل جائے تو انڈر ویئر کو اتار کر نماز پڑھیں اور اگر تھوڑی سی جگہ میں جذب ہو جائے تو اس انڈر ویئر کو پہنے ہوئے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں سونے میں اگر پیشاب کا قطرہ نکل جاتا ہے تو فجر کی نماز کپڑے بدل کر پڑھیں اور بدن کے جس حصہ میں قطرے لگنے کا شبہ ہو اس کو دھولیں، غسل کی ضرورت نہیں۔

کتاب الصلوٰۃ

اوقات نماز کا بیان

نیت میں نماز کے وقت کا تعین

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز کی نیت میں جب تک آج کی فجر کے فرض یا آج کی عصر کے فرض وغیرہ نہ کہا جائے، نماز نہیں ہوتی۔ یعنی آج کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ جب کہ شرائط نماز میں اس قسم کی کوئی قید نہیں ملتی۔

سائل: محمد فاروق، منگھو پیر روڈ، کراچی

الجواب:-

ادا نماز پڑھنے کی صورت میں آج کا لفظ کہنے کی ضرورت نہیں، وقت گزرنے کے بعد اسی دن کی قضا پڑھے گا تو آج کا لفظ بولے گا اور اگر دوسرے دن قضا پڑھے گا تو معین کرنے کے لیے گزشتہ کل کی نیت کرنا ہوگی۔

سفر میں اوقات نماز کا مسئلہ

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، کراچی

فدوی کچھ عرصہ کے لیے سویڈن (یورپ) جا رہا ہے وہاں سورج بہت کم نکلتا ہے اور کوئی باقاعدہ مسجد بھی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ نمازوں کے اوقات کس طرح معلوم کئے جائیں؟

الجواب:-

آجکل امریکہ، انگلینڈ اور کینیڈا وغیرہ ممالک میں اسلامی سینٹرز قائم ہیں۔ اور نمازوں کے اوقات اور سحری و افطاری کے نقشہ جات چھاپتے ہیں۔ سویڈن میں بھی غالباً ایسا انتظام ہوگا اس لیے کہ وہاں بھی مسلمان کافی تعداد میں رہتے ہیں۔

نصف النہار اور زوال کا فرق

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

شرعی نصف النہار اور زوال میں کیا فرق ہے؟ نصف النہار شرعی سے پہلے اور بعد نفل نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس میں کتنا وقفہ ہونا چاہیے۔ زوال کا وقت جس میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، کب سے کب تک ہے؟

سائل: مظفر لطیف، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

ہر دن سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک جتنا وقت ہوتا ہے، اس کو برابر برابر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو دو حصوں کے درمیانی وقت کو "نصف النہار شرعی" کہتے ہیں۔ اور ہر دن جو زوال کا وقت ہوتا ہے یعنی جس وقت سورج ڈھلتا ہے اس زوال کے وقت اور نصف النہار شرعی کے وقت کے درمیان کو "ضحوہ کبریٰ" کہتے ہیں اس وقت میں ہر سجدہ والی نماز اور سجدہ تلاوت ناجائز ہیں اور تلاوت قرآن خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ نماز

جنازہ تیار ہو تو اوقات مکروہہ میں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں لیکن اگر وقت کامل میں نماز جنازہ تیار ہو تو بلاوجہ ادائیگی میں اتنی تاخیر کرنا کہ مکروہ وقت داخل ہو جائے، یہ مکروہ ہے۔ زوال کا وقت ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے، گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

زوال کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہمارے محلہ کی جامع مسجد فرقانیہ، بلاک نمبر: ۴ لیاقت آباد، کراچی میں نماز عصر، چند روز قبل ٹھیک ۵ بجے ادا کی جاتی تھی۔ لیکن اب چند روز سے نماز عصر مسجد ھذا میں ۵ بجکر ۵ منٹ پر ادا کی جا رہی ہے۔ باوجود اسکے کہ دن چھوٹے ہو جانے کے باعث ہمارے علاقہ کی دوسری مسجدوں میں آج کل نماز عصر ۴ بجکر ۴۵ منٹ پر باجماعت ادا کی جا رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ چند افراد کے دیر سے مسجد میں آنے کی وجہ سے مزید ۵ منٹ کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ دیر سے آنے والے افراد جماعت میں شریک ہو سکیں۔ کیا مسجد ھذا کی انتظامیہ کا یا انتظامیہ کے ایک رکن کا یہ عمل شرع کے مطابق ہے کہ چند افراد کی وجہ سے نماز کے وقت کو جب چاہیں اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر لیں۔ نقشہ جات برائے اوقات نماز علمائے کرام کے مرتب شدہ ہوتے ہیں اور مسجدوں میں نمایاں طور پر آویزاں ہوتے ہیں۔ مسجد ھذا کی موجودہ صورت حال کے مطابق علماء کرام کے مرتب کیے ہوئے اوقات نماز کے نقشہ جات کی پھر کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

ازراہ کرم اس مسئلہ پر قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کی عین نوازش ہو گی۔

سائلین: مصلیان، جامع مسجد فرقانیہ، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

نقشے میں جو اوقات نماز چھپے ہیں اس میں ابتداءِ وقت اور انتہائے وقت لکھ کر پورا وقت نماز بتایا گیا ہے، اس پورے وقت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ جماعت کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ جماعت کے لیے وقت مقرر کرنے میں ہر مسجد والے نمازیوں کی سہولت اور مقتدیوں کی کثرت کو ملحوظ رکھ کر وقت مقرر کریں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر نمازیوں کی سہولت کے لیے اور ان کی تعداد بڑھانے کے لیے یہ وقت مقرر کیا گیا ہے تو جائز ہے۔ لیکن کسی شخص کی ذاتی شخصیت یا اپنے تعلقات کی وجہ سے جماعت کے وقت میں تاخیر کرنا سخت مکروہ ہے، خاص طور پر جب دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اور زیادہ برا ہے۔

کیا طلوع و غروب اور زوال آفتاب کا وقت پورے سال یکساں رہتا ہے ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
اوقات مکروہہ یعنی طلوع ، زوال اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ، تلاوت کرنا یا سجدہ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز کیا طلوع و غروب اور زوال آفتاب کا وقت تمام سال یکساں رہتا ہے ؟ اور اوقات مکروہہ کا دورانیہ کتنا ہے ؟
تفصیل سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں ۔

سائل : محمد انور ، صدیق آباد ، کراچی

الجواب :-

طلوع اور غروب کا وقت ہر روز بدلتا رہتا ہے ہمارے اس ملک میں فجر کا وقت صبح صادق کے بعد سے سورج نکلنے تک کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ۔ اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوتا ۔ ۲۱ مارچ کو ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ ۲۲ جون کو ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ۲۲ دسمبر کو ایک گھنٹہ ۲۱ منٹ ہوتا ہے پھر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ۲۱ مارچ کو ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ ہو جاتا ہے ۔
اسی طرح مغرب کا وقت بھی کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے اور ہر دن فجر اور مغرب کا وقت برابر ہوتا ہے ۔
اسی طرح عصر کا وقت ہمارے علاقہ میں کم از کم ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۲ گھنٹہ ۳ منٹ ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۴ اکتوبر سے آخر ماہ تک ایک گھنٹہ ۳۳ منٹ پھر یکم نومبر سے اٹھارہ فروری تک تقریباً ایک گھنٹہ ۳۲ منٹ ۔ یہ سال میں عصر کا سب سے چھوٹا وقت ہے پھر ۱۹ فروری سے ایک گھنٹہ ۳۳ منٹ آخر تک ۔ پھر مارچ کے پہلے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ دوسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ پھر تیسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۳۶ منٹ ۔ پھر ۲۱ مارچ سے آخر ماہ تک ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ پھر اپریل کے پہلے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۴۳ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ پھر ۲۱ اپریل سے آخر ماہ تک ایک گھنٹہ ۴۷ منٹ ۔ پھر مئی کے پہلے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۵۰ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۵۳ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۵۶ منٹ ۔ پھر آخری ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۵۸ منٹ ۔ پھر ۲۱ مئی سے ۸ جون تک ۲

گھنٹے ۔ پھر جون کے دوسرے ہفتہ میں ۲ گھنٹہ ۱ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ۲ گھنٹہ ۲ منٹ ۔ ۲۲ جون سے آخر ماہ تک ۲ گھنٹہ ۳ منٹ ۔ جولائی کے پہلے ہفتہ میں ۲ گھنٹے ۲ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ۲ گھنٹے ۱ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۵۹ منٹ ۔ پھر ۲۲ جولائی سے آخر ماہ تک ۱ گھنٹہ ۵۷ منٹ ۔ پھر اگست کے پہلے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۵۵ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۵۲ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ایک گھنٹہ ۵۰ منٹ ۔ پھر ۲۲ اگست کو ۱ گھنٹہ ۴۷ منٹ ۔ پھر آخر ماہ تک ۱ گھنٹہ ۴۶ منٹ ۔ پھر ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۴۱ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۳۹ منٹ ۔ پھر ۲۲ ستمبر کو ۱ گھنٹہ ۳۸ منٹ ۔ پھر آخر ماہ تک ۱ گھنٹہ ۳۶ منٹ ۔ پھر اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۳۶ منٹ ۔ دوسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۳۵ منٹ ۔ تیسرے ہفتہ میں ۱ گھنٹہ ۳۴ منٹ ۔

اور زوال کا وقت کم زیادہ ہوتا رہتا ہے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح صادق ہونے سے سورج غروب ہونے تک کے وقت کے برابر برابر دو حصے کر لئے جائیں ۔ اس وقت سے نصف النہار حقیقی تک یعنی سورج ڈھلنے تک جو وقت ہوتا ہے یہ مکروہ وقت ہے ۔

سورج نکلنے کے بعد ۲۰ منٹ تک اور سورج ڈوبنے سے بیس منٹ پہلے سے سورج ڈوبنے تک اور دوپہر میں نصف النہار شرعی سے سورج ڈھلنے تک ان تین وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں ہے ۔ نہ فرض نہ واجب نہ نفل نہ ادا نماز اور نہ قضا ۔ اور سجدہ تلاوت بھی جائز نہیں ہے ۔ صرف عصر کی نماز کا یہ حکم ہے کہ اسی دن کی نماز عصر نہیں پڑھی تو سورج ڈوبنے سے پہلے ان بیس منٹ میں عصر کی نماز پڑھ لے ۔ عصر کی نماز ہو جائے گی ۔ مگر اتنی دیر کرنا حرام ہے ۔ حدیث شریف میں اس کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے ۔ ان اوقات میں تلاوت قرآن پاک کرنا بھی مکروہ ہے ۔ یہ اوقات بہار شریعت (مصنفہ مولانا حکیم امجد علی خان) سے لئے گئے ہیں ۔

نماز جمعہ کا وقت کیا ہے ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

موسم گرما و سرما میں ایک بجے نماز ظہر و نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟ مع حوالہ کتب بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔

سائل : سید حافظ محمد یاسین

الجواب :-

ظہر اور جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو جاتا ہے ۔ ظہر اور جمعہ کی نماز کا وقت ایک ہی ہے یعنی جو

وقت نماز ظہر کا ہے وہی نماز جمعہ کا بھی ہے۔ اس کے لیے نماز کا دائمی نقشہ دیکھ لیا جائے، جس میں پورے سال کے اوقات نماز درج ہیں۔

زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا

الاستفتاء:-

یہاں امریکہ میں ایک مسجد ہے، جس میں جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھتے ہیں۔ کسی مسلک کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ پڑھ سکتے ہیں۔ آپ سے معلوم کرنا ہے کیا زوال سے پہلے نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو مفتی اعظم پاکستان سے درخواست ہے کہ عربی میں اس فتوی کا جواب روانہ کریں۔ مہربانی ہوگی۔

سائل: سید پادما عبیداللہ، امریکہ

الجواب:-

الصلوة عبادة التی تقرر لها الاوقات۔ و فی القرآن الكريم۔ ان الصلوة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً (سورة (۴) النساء، آیت: ۱۰۳) و بعد فرضها نزل جبرائیل فجاة فی محضر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلی له یومین فی الیوم الاول صلی کل صلاة فی اول الوقت وفی الیوم الثانی فی آخر وقتها وبعده قال والوقت فیما بین هذين الوقتين و هذا الحديث موجود فی الصحاح و وقت الجمعة انما وقت الظهر اعنی بعد الزوال كما وضع الامام البخاری بابا الذی موضوعه "باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس"

وكذالك يذكر عن عمر و علی و النعمان ابن بشير و عمرو بن حريث وكتب العلامة العينی على هذا العنوان للبخاری ان اجمع العلماء على ان وقت الجمعة بعد زوال الشمس

(عمدة القاری، جلد (٦) صفحہ: ۲۰۱، دار احياء التراث العربی، بيروت)

ولا يجوز الاذان للصلوة قبل الوقت ولهذا لايجوز اذان الجمعة قبل الزوال و ظاهر المذهب لائمة الاربعة هو هذا۔ و فی مذهب الامام احمد بن حنبل رواية واحدة ان وقت الجمعة فی یوم العيد قبل الزوال قيد هذا بيوم العيد۔

یعنی نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ قرآن کریم میں ہے "بے شک نماز مسلمان پر وقت باندھا ہوا فرض ہے"۔ نماز کی فرضیت کے بعد جبرائیل امین دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو دن نماز پڑھی۔ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں پڑھی اور دوسرے دن آخری وقت میں۔ اسکے بعد عرض کی کہ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔ اور یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔

اور جمعہ کا وقت وہ ہے جو ظہر کا وقت ہے یعنی زوال کے بعد۔ جیسا کہ امام بخاری نے اس نام سے ایک

باب بھی باندھا ہے " باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس " اور اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، نعمان بن بشیر اور عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے بیان کیا گیا ہے اور علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ نے بخاری کے اس باب کے تحت لکھا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک جمعہ کا وقت زوالِ شمس کے بعد ہے۔

اور وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں پس اس اصول کے تحت جمعہ کی اذان بھی زوال سے پہلے (یا عین زوال کے وقت میں) دینا جائز نہیں اور چاروں ائمہ اکرام کے مذاہب سے یہی ظاہر ہے۔ امام احمد بن حنبل کے مسلک میں ایک روایت یہ ہے کہ جمعہ کا وقت عید کے دن زوال سے پہلے ہے۔ لیکن اسکو بھی انھوں نے عید کے دن سے مقید کیا۔ یعنی جب جمعہ اور عید ایک دن ہوں۔

کیا جمعہ کے دن زوال کا وقت نہیں ہوتا؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہمارے محلے کی مسجد میں جمعہ کی اذان ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دی جاتی ہے جبکہ وقتِ زوال ۲۷ فروری جمعہ کو بارہ بجکر چار منٹ پر ہے، زوال کا آخری وقت بارہ بجکر چوالیس منٹ ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کا وقت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:-

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے ہر دن جو وقت ظہر کے شروع ہونے کا ہے وہی جمعہ کے وقت کا ہے وقت سے پہلے جو اذان دی جائے گی وہ اذان نہ دینے کی طرح ہے اس کو وقت شروع ہونے کے بعد دوبارہ دیا جائے گا۔ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا ہے، یہ غلط ہے۔

نماز کے اوقات میں مسجد کو تالا لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

اوقاتِ نماز میں مسجد کو تالا لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :-

مسجد کو تالا لگانا مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مال و متاع کی حفاظت کی خاطر اوقات نماز کے علاوہ مسجد کو تالا لگانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے ۔ لہٰذا نماز کے اوقات میں مسجد میں تالا لگانا تو مقاصدِ مسجد کے خلاف ہے ۔ اور تالا لگانے والا اس وعید میں داخل ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہے :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

(سورۃ البقرۃ (۲) آیت: ۱۱۴)

یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو مساجد میں ذکر الٰہی کو روکے اور اس کی ویرانی کی کوشش کرے ۔

تاہم چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو تو مساجد کے اثاثوں کی حفاظت کی خاطر اوقات نماز کے علاوہ دروازے بند رکھنے یا تالا لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عرفات اور مزدلفہ ! کے علاوہ نمازوں کو جمع کرنا

الاستفتاء :-

عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ حالت سفر یا کسی اور صورت میں جمع بین الصلاتین کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :-

نماز ایسی عبادت ہے ، جس کے لیے اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے :

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۱۰۳)

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے ۔

بخاری و مسلم اور صحاح کی دیگر کتب میں ہے کہ جبریل امین نے ایک دن ابتدائی اوقات میں پانچوں نمازیں پڑھائیں اور دوسرے دن انتہائی اوقات میں نمازیں پڑھا کر عرض کیا :

ھذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت مابین ھٰذین

(ابو داؤد، حصہ اول، کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت، صفحہ: ٦٢، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی یہ آپ سے پہلے انبیائے کرام کے اوقات نماز ہیں اور ہر نماز کا وقت ان دونوں حدوں کے درمیان ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت میں پڑھنا ضروری ہے اور جان بوجھ کر ایک نماز کو دوسرے وقت میں پڑھنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ کچھ احادیث ایسی ہیں، جن سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے۔ لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان احادیث کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے، جس سے قرآن مجید اور دوسری احادیث کے درمیان مخالفت نہ رہے۔

ان حدیثوں کا صحیح مطلب یہ ہے کہ سفر یا بارش وغیرہ کی مجبوری کے باعث ظہر کی نماز اس کے آخری وقت میں پڑھ لی جائے اور کچھ دیر کے بعد عصر کی نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں میں بھی کیا جائے۔ ان حدیثوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ظہر اور مغرب کا وقت ختم ہونے کے بعد ان نمازوں کو پڑھا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قرآن مجید کی درج بالا آیت مبارکہ اور حضرت جبرائیل امین کی اوقات مقرر کرنے والی حدیث پاک کی مخالفت ہوگی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اولین مومنین میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر قرب رکھتے تھے کہ باہر سے آنے والے وفود کہتے ہیں کہ ہم نے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ میں سے سمجھا تھا۔

عن ابی موسی قال قدمت انا و اخی من الیمن فکنا حیناً و ما نری ابن مسعود و امہ الا من اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثرۃ دخولہم و لزومہم لہ۔

(صحیح مسلم، جلد (۲) کتاب الفضائل، باب من فضائل عبد اللہ بن مسعود، صفحہ: ۲۹۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے تھے۔ ہم ایک زمانہ تک عبد اللہ بن مسعود اور انکی والدہ کو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرد سمجھتے رہے، حضور سے آپکی گہری وابستگی اور کثرت آمد و رفت کے باعث۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوۃ الا لوقتہا الا بجمع فانہ جمع بین المغرب و العشاء بجمع و صلی صلوۃ الصبح من الغد قبل وقتہا

(سنن ابی داؤد، حصہ اول، کتاب المناسک، باب الصلوۃ بجمع، صفحہ: ۲۶۳، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی نماز اسکے مقررہ وقت سے ہٹ کر ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے "جمع بین الصلوٰتین" کے کہ آپ نے مغرب اور عشاء (مزدلفہ کے مقام پر) ایک ساتھ ادا فرمائیں اور صبح کی نماز جو معمول کے وقت سے پہلے ادا فرمائی تھی۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نماز کو اس کے وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھیں۔

اذان کا بیان

وقت سے پہلے اذان دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اگر اذان وقت سے پہلے دے دی گئی تو اس سے نماز کی ادائیگی میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

یہ مسئلہ تو فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ وقت سے پہلے جو اذان دی جائے گی، وقت ہونے کے بعد دوبارہ دینا لازم ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی: ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا

ولا یؤذن لصلوۃ قبل دخول وقتھا ویعاد فی الوقت

(ھدایہ اولین، باب الاذان، صفحہ ۹۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی نماز کا وقت ہوئے بغیر اذان نہیں ہوتی اگر دے دی تھی تو وقت ہونے کے بعد دوبارہ دی جائیگی۔ لہٰذا وقت سے پہلے جو اذان دی گئی اور اس کا اعادہ نہیں کیا گیا یہ ناجائز کام کیا گیا، اس سے توبہ کی جائے۔ مگر جو نمازیں پڑھ لیں، ان کا اعادہ نہیں۔ اس لیے کہ اذان افعالِ نماز سے نہیں، خارجِ نماز ہے اس لیے نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہوئی۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ :

(۱) اگر عشاء کا وقت شروع ہونے سے قبل اذان دی گئی اور لوگوں نے نماز پڑھ لی تو کیا ان کی نماز صحیح ہو گئی ؟

(۲) جو نمازیں عشاء کا وقت ہونے سے قبل اذان ہونے پر پڑھی گئیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔
لاؤڈ اسپیکر پر تراویح کی نماز پڑھانا ، جبکہ اس کی آواز مسجد سے باہر بھی جاتی ہے ، کیسا ہے ؟

برائے مہربانی جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں ۔

سائل : انور سعید ، کورنگی ، کراچی

الجواب:-

نقشہ نماز میں جو وقت دیا گیا ہے وہ صحیح وقت ہے ۔ وقت سے پہلے کوئی اذان جائز نہیں اور اگر وقت سے پہلے کوئی اذان دے دی گئی تو وقت ہونے کے بعد دوبارہ اذان دینا ضروری ہے نماز اگر وقت کے بعد پڑھی گئی ہے تو ہو جائے گی ۔ مگر بغیر اذان دیئے نماز پڑھنا مکروہ ہے ، اس طرح یہ نماز مکروہ ہوئی ۔ اس کا اعادہ ضروری نہیں ، مگر پڑھنے والے گناہ گار ہوں گے ۔ جس طرح ہر نماز لاؤڈ اسپیکر سے ناجائز ہے اسی طرح تراویح کی نماز بھی لاؤڈ اسپیکر سے ناجائز ہے ۔

بے وضو اذان دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں :

بے وضو شخص اذان دے سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : عبدالغفار اویسی ، نیو کراچی ، کراچی

الجواب:-

بے وضو اذان دینے کے مسئلے میں کراہت اور عدم کراہت میں اختلاف ہے ۔ لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ بے وضو اذان دینا مکروہ ہے ۔ شیخ حسن بن علی شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ نے نورالایضاح میں لکھا :

و یکرہ التلحین و اقامۃ المحدث و اذانہ

(باب الاذان، صفحہ: ۵۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی گا کر اذان دینا اور بے وضو کی اذان و اقامت مکروہ ہیں۔

علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس پر حدیث نقل کی:

لا یوذن الا متوضئی

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الاذان، صفحہ: ۱۰۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اذان نہ دے مگر وضو والا۔

لہٰذا جو اذان بغیر وضو کے دی گئی اس اذان کا بھی اعادہ کیا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قبضہ (مٹھی) سے کم داڑھی والے کی اذان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

داڑھی منڈا یا مٹھی سے کم داڑھی والا اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالغفار اویسی، نیو کراچی

الجواب:-

داڑھی منڈانے والا یا کاٹ کر حد شرع سے کم رکھنے والا فاسق ہے۔ اور فاسق کی اذان مکروہ ہے، اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی: ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

و یکرہ اذان فاسق ولو عالما

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الاذان، مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب فی اذانہ، صفحہ: ۲۸۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی فاسق کی اذان مکروہ ہے، اگرچہ وہ عالم ہو۔

لہٰذا اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نابالغ کی اذان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

بچے کی اذان جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

قریب البلوغ سمجھدار بچے کی اذان بلا کراہت جائز ہے۔ اتنا چھوٹا نابالغ بچہ جس میں کلمات اذان صحیح ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس کی اذان ناجائز ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی: ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویجوز بلاکراهة اذان صبی مراهق

(بر حاشیہ شامی، جلد اول، صفحہ: ۲۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی عقل مند بچے کی اذان بلا کراہت جائز ہے۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا:

المراد به العاقل وان لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره

(حوالہ بالا)

یعنی اس بچے سے مراد عقلمند بچہ ہے۔ اور اگر وہ عقلمند نہیں ہے تو وہ اذان نہیں دے سکتا جیسا کہ بحر وغیرہ سے بھی ظاہر ہے۔

جمعہ کی اذانِ اول مسجد میں دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دینا چاہیے یا باہر؟ فقہ حنفی کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

سائلین: سید خورشید علی، محمد مشتاق، مسجد خلیل، نارتھ ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

حدیث و فقہ کی روشنی میں کوئی بھی اذان مسجد میں دینا خلاف سنت ہے۔ جمعہ کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف خطبہ کے وقت ہوا کرتی تھی اور وہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اذان بڑھائی گئی جو ہمارے یہاں وقت شروع ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے:

اخبرنی السائب بن یزید ان الاذان کان اولہ حین یجلس الامام علی المنبر یوم الجمعۃ فی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلما کان خلافۃ عثمان و کثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ باالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک

(حصہ اول، کتاب الصلوٰۃ، ابواب الجمعۃ، باب النداء یوم الجمعۃ، صفحہ: ۱۶۲، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ پہلے اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے جمعہ کے دن تیسری اذان کا حکم دیا تو وہ زوراء میں دی گئی (یہ مدینہ شریف کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے) پھر اسی پر عمل ہونے لگا۔

(نوٹ) حدیث میں جو تیسری اذان کا ذکر ہے یہ اقامت کے اعتبار سے ہے کیونکہ اقامت بھی اذان ہی کی طرح ہے، یعنی دو اذانیں اور ایک اقامت۔

عن السائب ابن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر ثم ساق نحو حدیث یونس

(حوالہ بالا)

دوسری حدیث میں وہی سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے تو مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اسی طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوتا رہا۔

علامہ کمال الدین بن ھمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر شرح ھدایہ میں لکھا:

لکراھۃ الاذان فی داخلہ

(جلد دوم، باب صلاۃ الجمعۃ، صفحہ: ۲۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔

ان حدیثوں اور فقہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اذان دینا گناہ ہے۔ مسجد کے باہر امام کے سامنے اذان دینا ہی سنت کے مطابق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

جمعہ کو اذانِ ثانی کا جواب دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
اذانِ خطبہ کا جواب دینا اور انگوٹھے چومنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد جسیم الدین، اورنگی، کراچی

الجواب:-

امامِ اعظم کا قول یہ ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے اٹھ کر منبر کی طرف خطبہ پڑھنے کے لیے چلے تو اسی وقت سے کلام اور نماز دونوں ممنوع ہو جاتے ہیں اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ جب امام خطبہ شروع کر دے گا اس وقت سے یہ منع ہو گا شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی: ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

اذا خرج الامام یوم الجمعۃ ترک الناس الصلوۃ والکلام حتّٰی یفرغ من خطبۃ قال و ھذا عند ابی حنیفۃ و قالا لا باس بالکلام اذا خرج الامام قبل ان یخطب

(ہدایہ اولین، باب صلوۃ الجمعۃ، صفحہ: ۱۷۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

لہٰذا مصلی (نمازی) دونوں صورتیں اختیار کر سکتے ہیں چاہیں تو اذان کا جواب بھی دیں اور دعائے اذان اور تقبیل ابہامین بھی کریں اور اگر چاہیں تو یہ کام نہ کریں البتہ دونوں کے نزدیک دنیاوی بات کرنی اس وقت ناجائز ہے۔ جواب مذکور میں امام اعظم کے مسلک پر عمل کرنا بہتر ہے۔

جمعہ میں اذانِ ثانی کے بعد دعا مانگنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
جمعۃ المبارک کے دن اذان ثانی کے بعد دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: رفیق عباسی

الجواب:-

جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دعا پڑھنا امام اعظم کے قول پر ناجائز ہے اور صاحبین کے قول پر جائز ہے۔ فتوی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کی بابت کہ:

ایک مسجد کے پیش امام کا یہ کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں صرف ایک بار قحط کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، اس کے علاوہ آپ نے کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگی۔ گویا اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ضروری نہیں۔ مذکورہ بیان جو پیش امام مکہ جامع مسجد نے دیا ہے، آپ اس کی قرآن و حدیث کی رو سے وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

سائل: نیاز احمد خاں، نیو کراچی، کراچی

الجواب:-

مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن الجزری نے حصن حصین میں آدابِ دعا کے بیان میں لکھا کہ:

دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنا، سائل کی طرح دونوں ہاتھ اوپر اٹھانا، دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھانا نیز دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھ کر دعا مانگنا مستحب ہے۔

(مترجم: صفحہ ۲۸، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

اس کی تفصیل حدیث کی مختلف کتابوں میں ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ

(حصہ (۲) ابواب الدعوات، باب ما جاء فی رفع الایدی عند الدعاء، صفحہ: ۱۷۳، مکتبہ فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم جب ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھاتے، تو چہرہ مبارک پر پھیرنے سے پہلے نیچے نہیں گراتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

اسئلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسالوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم

(ابوداؤد، حصہ اول، ابواب الوتر، باب الدعاء، صفحہ: ۲۱۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی سوال (دعا) کرو تم اللہ سے اپنی ہتھیلیوں کے پیٹوں سے اور نہ سوال کرو تم اللہ سے ہتھیلیوں کی پشت سے اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرلو۔

ابوداؤد ہی کی ایک اور حدیث حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سئلتم اللہ فسلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا

(حوالہ بالا)

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے پیٹوں سے کرو اور نہ دعا کرو تم ہتھیلیوں کی پشت سے۔

یہ چند احادیث ہم نے نقل کی ہیں جن میں قولی و فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں اور یہ قانون کلی بھی ہے جب اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرنا ہو تو ہاتھوں کی ہتھیلی کے پیٹوں کی جانب سامنے کر کے دعا کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود امام کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار قحط کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی انتہائی نادانی ہے اور اس کا یہ کہنا بھی کہ آپ نے کبھی اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگی، غلط ہے۔ اس بارے میں مشکوٰۃ شریف میں مسلم کی حدیث مروی ہے:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشراً ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ الی آخرہ

(کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، الفصل الاول)

یعنی جب تم مؤذن کو اذان دیتے سنو تو جو کلمات اذان مؤذن کہے وہی کلمات تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو پس جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر ایک درود شریف کے بدلے دس بار رحمت نازل فرمائے گا پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔

ایک حدیث جو اوپر مذکور ہوئی جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اذا سئلتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم

(ابوداؤد، حصہ اول، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء)

دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ اذان کے بعد دعا میں بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے اور ہاتھ اٹھا کر سوال کرنے کا حکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے اسی لیے ہمیں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کرنا ہی ثابت نہیں ہے تو ہاتھ اٹھانا یا نہ اٹھانا کیسے معلوم ہوا۔

اذان میں اسم محمد پر انگوٹھے چومنا

الاستفتاء :-

بزرگوار مفتی صاحب !

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں ۔

جب اذان ہوتی ہے تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں ۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب :-

اذان میں " اشھد ان محمد رسول اللہ " سن کر دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگانا مستحب ہے ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ ، وعند الثانیۃ منھا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ

(جلد (۱) کتاب الصلاۃ ، باب الاذان ، مطلب فی کراھۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد ، صفحہ : ۲۹۳ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی مستحب ہے کہ پہلے کلمۂ شہادت کے سننے کے وقت " صلی اللہ علیہ یا رسول اللہ " کہے ، اور اس کے بعد دوسرے کلمہ شہادت کے سننے کے وقت " قرۃ عینی بک یا رسول اللہ " اور اس کے بعد پھر " اللھم متعنی با السمع و البصر " کہے ۔ اور اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر لگائے ۔ جو ایسا کرے گا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت کی طرف اس کا قائد ہوں گا ۔

الاستفتاء :-

محترم و مکرم جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں مہربانی فرما کر جو کچھ تحریر فرمائیں مدلل ہو اور کافی و شافی ہو اس لیے کہ لوگوں میں اس کے متعلق بہت سخت اختلاف ہے ۔

جب اذان میں یا اس کے علاوہ " اشہدان محمداً رسول اللہ " یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہیں تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چومتے ہیں اوران کو آنکھوں سے لگاتے ہیں ۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ والسلام مع الاکرام

سائل : سراج احمد ، کراچی یونیورسٹی ، کراچی

الجواب:-

اذان و اقامت میں جب " اشہدان محمداً رسول اللہ " سُنے تو مستحب ہے کہ دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے ۔ حنفیہ کے مشہور فتاویٰ شامی میں مختلف کتابوں سے حدیثیں نقل کی ہیں ، جنکا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے گا قیامت کے دن میں جنت کی طرف جانے کے لیے اس کا قائد ہوں گا یعنی میری قیادت میں وہ جنت میں جائے گا ۔

(شامی، جلداول، صفحہ: ۲۹۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ایک اور حدیث میں ہے جو ایسا کرے گا اس کی آنکھیں نہیں دکھیں گی ۔ اذان و اقامت کے متعلق تو یہ حکم شامی میں ہے اور اس کو مستحب لکھا فضائل بیان کرنے والے علماء نے ہر وقت نام نامی سننے پر تقبیل ابہامین (انگوٹھے چومنے) کی فضیلت بیان فرمائی ہے ۔

اذان میں کلمہ شہادت پر انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کرنا

الاستفتاء:-

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں مہربانی فرما کر جو کچھ تحریر فرمائیں مدلل ہو اور کافی و شافی ہو اس لیے کہ لوگوں میں اس کے متعلق بہت سخت اختلاف ہے ۔

بعض لوگ اذان میں یا اس سے باہر جب بھی کلمہ شہادت سنتے ہیں تو آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھاتے ہیں جیسے " التحیات " میں کلمہ شہادت میں اٹھائی جاتی ہے ۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں ؟ والسلام مع الاکرام

سائل : سراج احمد ، کراچی یونیورسٹی ، کراچی

الجواب:-

انسانی زبان سے حروف ترتیب وار ادا ہوتے ہیں دو حروف ایک ساتھ ادا نہیں ہو سکتے اس لیے کلمہ شہادت میں جب " لا " شروع کر کے " الہ " پر پہنچتے ہیں تو اس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی معبود نہیں پھر جب " الا اللہ " کہتے ہیں تو یہ معنی ہوئے مگر اللہ ۔ اس لیے " لا " سے " الہ " تک انگلی اٹھائے اور " الا " پر گرا دے ۔ لہٰذا جو شخص یہ کلمہ زبان سے پڑھے اسے اشارہ کرنا چاہیے ، سننے والے کو اشارے کی کوئی ضرورت نہیں

افطارِ روزہ اور جوابِ اذان

الاستفتاء:-

افطار کا وقت ہو جانے پر " سائرن " بجتا ہے جس پر روزہ کھولتے ہیں ۔ تقریباً اس کے ایک دو منٹ بعد اذان ہوتی ہے ، جبکہ روزہ دار روزہ افطار کر رہے ہوتے ہیں ۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس وقت اذان کا جواب دیں یا روزہ افطار کرتے رہیں ۔ ایک صاحب کا یہ کہنا ہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ روزہ افطار کرلو اور بعد میں اذان کا جواب دے دینا ۔

الجواب:-

اذان سننے کے وقت کوئی ایسا عذر تھا ، جس کی وجہ سے جواب نہیں دے سکتا تو عذر دور ہونے کے بعد اذان کو اگر زیادہ دیر گزر چکی ہے تو جواب نہیں دے گا اور اگر تھوڑی دیر ہوئی ہے تو جواب دے دے ۔ علامہ ابن عابدین المعروف شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے الرد المحتار شرح الدر المختار میں لکھا :

هل يجيب بعد الفراغ من هذه المذكورات ام لا ينبغى انه ان لم يطل الفصل فنعم وان طال فلا

(جلد اول ، کتاب الصلاۃ ، باب الاذان ، مطلب فی کراھۃ تکرار الاذان فی المسجد ، صفحہ : ۲۹۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی (ایسی چیزیں کہ جن میں مشغولیت کی وجہ سے وہ جوابِ اذان دینے سے معذور تھا) جب وہ عذر ختم ہو جائیں تو کیا جواب دے گا یا نہیں ؟ تو فرماتے ہیں اگر اذان ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تو جواب دے گا اور اگر زیادہ

دیر ہو گئی ہے تو پھر جواب نہیں دے گا۔

اذان سے قبل درود شریف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان دین اس مسئلے میں کہ اذان سے پہلے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ　　　الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : محمد یوسف ، نیو کراچی ، کراچی

الجواب:-

درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اس میں نہ کوئی وقت کی قید ہے نہ کسی حالت کی ۔ لہٰذا جس وقت بھی مسلمان چاہے درود شریف پڑھے ، اگر کسی خاص وقت میں قرآن و حدیث میں درود شریف پڑھنے کی ممانعت ثابت ہو جائے تو اس خاص وقت میں ممنوع ہو گا ۔ لہٰذا جو شخص اذان سے پہلے درود شریف کو ناجائز کہتا ہے اسے قرآن و حدیث سے ثابت کرنا ہو گا کہ اس وقت درود شریف پڑھنا منع ہے اور ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے تو اذان سے پہلے درود شریف پڑھ سکتے ہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اذان سے پیشتر

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

پڑھنا ، پھر اذان دینا از روئے شریعت جواز کی حقیقت رکھتا ہے یا نہیں ؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ کرام ، تابعین ، تبعہ تابعین یا آئمہ حضرات سے ثابت ہے ؟ کیا اچھا ہوتا کہ ٹی وی پر اذان صلوٰۃ و سلام پڑھ کر دی جاتی ۔ اگر صلوٰۃ و سلام پڑھ کر اذان دینا جواز کی حیثیت رکھتا ہے تو آپ حضرات قوم کو فتنہ و فساد سے بچا لیتے اور ٹی

وی پر اس کو جاری کرا دیتے اور اگر ایسی شکل نہیں ہے تو پھر اس کو ترک کر دیا جائے۔

سائل : غلام جیلانی ، لطیف آباد ، حیدر آباد

الجواب:-

درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اس میں کوئی وقت کی قید ہے نہ کسی حالت کی۔ لہٰذا جس وقت بھی مسلمان چاہے درود شریف پڑھے۔ کسی خاص وقت میں قرآن و حدیث میں درود شریف پڑھنے کی ممانعت ثابت ہو جائے تو اس خاص وقت میں ممنوع ہو گا۔ جو اذان سے پہلے درود شریف کو ناجائز کہتا ہے اسے قرآن و حدیث سے ثابت کرنا ہو گا کہ اس وقت درود شریف پڑھنا منع ہے اور ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے تو اذان سے پہلے بھی درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔

کسی جائز کام میں شدت اس وقت پیدا ہو جاتی ہے ، جب لوگ جائز کاموں کو حرام کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اہل سنت کے اکثر معمولات جن میں دیوبندیوں کو اختلاف ہے ، دیوبندیوں نے بلا دلیل ان کاموں کو حرام کہنا شروع کر دیا جنکی حرمت کی اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ حنفیہ کا یہ اصول فتاویٰ میں لکھا ہے۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا :

الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۱) صفحہ : ۷۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی چیزوں میں اصل اباحت (جائز ہونا) ہے۔

حرمت ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ جائز بتانے والے کو کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ خود حدیث پاک میں یہ اصول مقرر فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف ، صفحہ : ۳۶۷ میں ابن ماجہ و ترمذی سے نقل کیا :

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ

(کتاب الاطعمۃ ، صفحہ : ۳٦۷ ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام بیان فرما دیا اور جن کاموں سے سکوت فرمایا یہ ان کاموں سے ہیں جن پر مواخذہ نہیں ہے یعنی مباح ہیں۔

لہٰذا جو لوگ صلوٰۃ و سلام کو ناجائز کہتے ہیں انہیں قرآن و حدیث اور فقہ سے دلیل لانا چاہیے ہم سے مطالبہ دلیل غلط ہے۔ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کو فرض و واجب اور ضروری کوئی نہیں کہتا ہے۔ اس لیے ٹی وی والوں سے مطالبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اذان کے بعد درود شریف

الاستفتاء:-

اذان سے پہلے یا بعد، مسجد میں موذن صاحب جو صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور کسی وقت کے ساتھ اسے مقید نہ کیا۔ لہٰذا بندے کو اختیار ہے کہ جس وقت چاہے صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ جو لوگ اذان و اقامت سے پہلے اس کو منع کرتے ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا حکم دکھائیں کہ فلاں فلاں وقت صلوٰۃ وسلام منع ہے اور جب کوئی ایسا کلمہ وہ لوگ دکھا نہیں سکتے ہیں تو قرآن کا اطلاق باقی ہے اور اذان سے پہلے اور بعد درود و سلام پڑھنا جائز ہے۔
در مختار میں موجود ہے:

و یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل

(درمختار علی حاشیۃ الشامی، جلد اول، صفحہ: ۲۸۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اذان و اقامت کے درمیان ہر نماز کیلئے تثویب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حجام کا موذنی اور امامت کے فرائض سر انجام دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
کیا ایسا شخص جو کہ حجام کا پیشہ کرتا ہو اسے موذن مقرر کیا جا سکتا ہے اور وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

یہاں کے حجام لوگوں کی داڑھی مونڈتے ہیں اور داڑھی مونڈنا منڈانا گناہ ہے۔ اور گناہ پر اجارہ بھی گناہ ہے۔ لہٰذا حجام کا پیشہ کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی اقامت اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔ ان کو موذن اور امام مقرر کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔ اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی، ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تثویب کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اذان کے بعد نمازیوں کو جماعت کے لیے بذریعہ "تثویب" توجہ دلانا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: حافظ محمد اسلم

الجواب:-

اذان کے بعد تھوڑا توقف کر کے نمازیوں کو بلانا اور دوبارہ اعلان کرنے کو شریعت میں "تثویب" کہتے ہیں اور تثویب فقہاء حنفیہ کے نزدیک مستحسن و مستحب ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

والمتاخرون استحسنوه فی الصلوات کلها لظهور التّوانی فی الامور الدینیة

(اولین، باب الاذان، صفحہ: ۸۹، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

متاخرین فقہاء نے لوگوں کے امور دینیہ میں سستی کی وجہ سے (تثویب) کو تمام نمازوں میں مستحسن (بہتر) قرار دیا۔ اور تثویب کے معنی صاحب ہدایہ نے یہ لکھے ہیں:

معناه العود الی الاعلام وهو علی حسب ماتعارفوه وهذا تثویب احدثه علماء الکوفة بعد عهدالصحابة لتغیر احوال الناس

(حوالہ بالا)

یعنی تثویب کا معنی دوبارہ اعلان کرنا ہے اور یہ حسب عرف ہے۔ اور اس کو علمائے کوفہ نے عہد صحابہ کے بعد لوگوں کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے شروع کیا۔ لہذا اذان کے بعد نمازیوں کو نماز کے لیے بلانا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اقامت کا بیان

تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت کا حکم

الاستفتاء :-

بخدمت مفتی صاحب ! دارالعلوم امجدیہ کراچی

گزارش یہ ہے کہ مجھے مندرجہ ذیل مسئلے کا مکمل حل قرآن و حدیث کی روشنی میں ارسال فرمائیں تاکہ میری الجھن دور ہو ۔ آپ کی عین نوازش ہو گی ۔

زید ! ایک ایسی جگہ موجود ہے جہاں اذان ہوئی مگر اس نے نماز باجماعت نہیں پڑھی ، بعد میں وہ مسجد میں گیا اور اس نے بغیر اقامت کے نماز پڑھی ، تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مسجد میں نہیں گیا بلکہ اپنی دوکان یا گھر پر اس نے نماز ادا کی تو اذان و اقامت کہہ کر نماز ادا کرے یا بغیر کہے ؟

سائل : محمد اسماعیل

الجواب :-

جماعت سے نماز نہ پڑھنا اچھا نہیں ، باجماعت نماز پڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ باجماعت نماز پڑھنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا :

صلٰوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع و عشرین درجۃ

(بخاری، جلد (۱) کتاب الاذان، باب فضل صلوۃ الجماعۃ، صفحہ: ۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جماعت سے نماز اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

ایسی جگہ جہاں قریب میں مسجد ہے اور اس میں اذان و اقامت ہوتی ہے تو وہاں مکان یا دوکان وغیرہ میں نماز پڑھنے والے کے لیے وہی اذان و اقامت کافی ہے۔

اقامت سے پہلے صلوٰۃ سلام پڑھنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ اذان واقامت کے اول و آخر میں باآواز بلند درود پڑھنا کیسا ہے؟

سائل: اسلم احمد قادری، F-5 نیو کراچی، کراچی

الجواب:-

درود و سلام کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلق حکم دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب چاہیں جس طرح چاہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھیں۔ لہٰذا اذان و اقامت میں اول و آخر باآواز بلند درود و سلام پڑھنا جائز ہے۔

نابالغ کی اذان و اقامت

الاستفتاء:-

ایک نوجوان کی عمر ۱۷ سال ہے۔ اس نے کبھی شیو نہیں بنایا۔ داڑھی کے تھوڑے سے بال نکلے ہیں۔ کیا یہ نوجوان پانچوں وقت کی اذان اور خاص طور پر اقامت کہہ سکتا ہے؟

الجواب:-

بالغ لڑکا یا جس لڑکے کی عمر پندرہ سال ہو جائے خواہ اس کی داڑھی نکلے یا نہ نکلے اذان و اقامت کہہ سکتا ہے البتہ اگر داڑھی کٹواتا یا منڈواتا ہے تو اسکی اذان و اقامت مکروہ ہے۔

اقامت میں کھڑے ہونے سے متعلق تقابلی فتاوی

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

اقامت میں امام و مقتدی کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے ؟ بعض لوگ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ " حیّ علی الصلوٰۃ " پر کھڑے ہونے کو مستحب سمجھتے ہیں اور پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں۔ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ ، نیو ٹاؤن ، کراچی والوں کا جواب

باسمہ تعالٰی

الجواب :-

صورت مسئولہ میں دراصل بعض حضرات کو " شرح وقایہ " کی یہ عبارت " و یقوم الامام و القوم عند حی علی الصلوٰۃ و یشرع عند قد قامت الصلوٰۃ " اور اس قسم کی بعض مشکل اور مبہم عبارت نے دھوکہ میں ڈال دیا جس بناء پر قبل از حی علی الصلوٰۃ او الفلاح کے قیام کو مکروہ کہہ دیا حالانکہ یہ بہت بڑی جسارت کی بات ہے۔ " شرح وقایہ " کی اس عبارت میں اس عمل کا درجہ نہیں بیان کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں تفصیل ہے ، قاعدہ ہے الروایات یفسر بعضہا بعضاً اس لئے مبہم کو تفسیر کی طرف رجوع کریں گے چنانچہ " در المختار " باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے :

ولها آداب تركه لا يوجب اساءة ولا عتاباً كترك سنة الزوائد لكنّ فعله افضل (الى قوله) والقيام لامام ومؤتم حين قيل حی علی الفلاح ثم قال وشروع الامام فی الصلوٰة مذ قيل قد قامت الصلوٰة ويؤخر حتى اتمها لا باس به اجماعاً وهو قول الثانی والثلاثة وهو (التاخير) اعدل المذاهب كما فی شرح المجمع لمصنفه وفی القهستانی معزيا للخلاصة انه الاصح وفی ردالمختار جلد (۱) صفحہ ۳۵۴ (مطبع ماجریہ کوئٹہ) قوله انه الاصح لان فيه محافظة على فضيلة متعابة المؤذن واعانة له على الشروع مع الامام۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :-

(۱) یہ عمل آداب میں سے ہے جسکا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں تو اسکے تارک پر نکیر کرنا متجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کا فرد ہے۔

(۲) منجملہ آداب کے قد قامت الصلوٰۃ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا ہے مگر باوجود اسکے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واسع کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر مؤذن کی اعانت ہے۔ ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض ہے کہ وہ عامۃ الناس کے اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہوگیا ہے۔ گنجائش ہے کہ اقامت سے پہلے کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت مؤکد ہے اسلئے کہ عامہ ناس کے عدم اہتمام وقلت مبالات کی وجہ سے مشاہدہ ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت پڑجاتی ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں تین طریقوں سے بحث واستدلال ہو سکتا ہے۔ حدیث، فقہ اور عقل۔ ان تین طریقوں سے یہی ثابت ہوگا کہ قیام ناس کا اقامت کے کسی لفظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اولا ذخیرہ حدیث کے تتبع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیام ناس کا اقامت صلوٰۃ کے کسی لفظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اقامت اور لوگوں کا کھڑا ہونا یہ دونوں امام کے تابع ہیں۔ چنانچہ اقامت جو امام کا تابع ہے۔ صحیح مسلم کی اس روایت میں ثابت ہے:

عن جابر بن سمرة قال كان بلال رضی الله عنه يؤذن اذا دحضت الشمس فلا يقيم حتى يخرج النبی صلی الله عليه وسلم فاذا خرج الامام اقام الصلوٰة حين يراه۔

اور قیام ناس جو امام کا تابع ہے وہ بخاری شریف کی حدیث میں ثابت ہے۔

عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابيه رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوٰة فلا تقوموا حتى ترونی۔

مؤذن کا اللہ اکبر کہنا اعلام ہے اس بات کی کہ امام اقامت صلوٰۃ کا امر کرچکا ہے۔ "حلیہ" میں علامہ سیوطی نے ابو نعیم سے روایت کیا ہے۔

اذا سمعتم النداء فقوموا فانها عزمة من الله

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی رقمطراز ہیں:

ای اسعوا الی الصلوة او المراد بالنداء الاقامة۔

ثانیاً۔ چونکہ حدیث میں قیام ناس کو قیام امام کے تابع قرار دیا گیا ہے اسلیے فقہ میں بھی اسی کو معمول بہ فرمایا گیا۔ چنانچہ عالمگیریہ جلد (۱) صفحہ ۵۷ (مطبع ماجدیہ کوئٹہ) میں ہے۔

فاما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذالك الصف واليه مال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی وشيخ الاسلام خواهر زاده وان كان الامام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما راو الامام۔

یہی مضمون "رد المحتار" "بدائع الصنائع" اور "تبیین الحقائق" میں بھی ہے۔

ثالثاً ۔ شرعاً ، عرفاً اور وضاہر حیثیت سے امام امیر ہے ۔ نماز قائم کرنا اسی کے اختیار میں ہے ۔ لہٰذا اقامت اور قیام ناس دونوں امام کے تابع ہیں اس لئے قیام ناس کو اقامت کے کسی لفظ سے کوئی تعلق نہیں البتہ اقامت میں امام کے حکم باقامۃ الصلوۃ کا اعلام ہے اس لئے مؤذن کے اللہ اکبر کہتے ہی مقتدی حضرات سمجھ جائیں گے کہ امام اقامت صلوۃ کا حکم کرچکا ہے لہذا امام کے امر کی تعمیل کے لئے فوراً کھڑا ہو جانا چاہئے ۔

باقی ایک بات یہاں اور رہ جاتی ہے کہ امام اگر مسجد میں موجود ہو تو وہ اقامت کے کس لفظ پر کھڑا ہو تاکہ اس کی متابعت میں مقتدی بھی یہ لفظ سن کر قیام کریں سو اس کے بارے میں چونکہ حدیث میں کوئی حد بندی نہ تھی اس لئے امام مالک اور جمہور علماء نے کوئی حد معین نہیں کی البتہ اقامت کی پہلی تکبیر کو اعلام خیال کرتے ہوئے انہوں نے ابتدائے اقامت سے قیام کرنے کو مستحب قرار دیا۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ " عمدۃ القاری " میں فرماتے ہیں :-

فذھب مالک وجمھور العلماء الی انہ لیس لقیامھم حد ولکن استحب عامتھم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ جلد (۲) صفحہ ٦٤٦ (مطبع مصر) ۔

سعید بن مسیب اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے یہ خیال فرمایا کہ تکبیر اعلام بقیام الامام ہے نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا تعامل بھی اسی پر ہے کہ لفظ اللہ اکبر سنتے ہی قیام کرتے تھے لہذا انہوں نے مؤذن کے اللہ اکبر کہتے ہی وجوب قیام کا قول کیا۔

وعن سعید بن المسیب و عمر بن عبد العزیز رحمھما اللہ تعالیٰ اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القیام اذا قال حی علی الصلوۃ اعتدلت الصفوف اذا قال لا الہ الا اللہ کبر الامام

عمدۃ القاری حوالہ مذکورہ اور " مراقی الفلاح مع الطحطاوی " میں امام ابو یوسف کا قول واضح ہے کہ اقامت ختم ہونے کے بعد امام نماز شروع کرے ۔

وقال ابو یوسف یشرع اذا فرغ من الاقامۃ ای بدون فصل وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ وھو اعدل المذاھب شرح المجمع وھو الاصح قھستانی عن الخلاصۃ وھو الحق ۔

فلواخر حتی یفرغ من الاقامۃ لا باس بہ فی قولھم جمیعاً حی علی الفلاح او الصلٰوۃ سے پہلے قیام کی کراھت کا قول نہ امام ابو حنیفہ سے کہیں منقول ہے اور نہ مشائخ حنفیہ میں سے کسی سے منقول ہے ۔ در المختار جلد (۱) صفحہ ٦٥ کا یہ جزئیہ

دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاہ

اسکے ماتحت شامی میں مضمرات سے بواسطہ عالمگیری یہ قول نقل کیا ہے ۔

ویکرہ لہ الانتظار قائماً الخ

ایسے ہی " طحطاوی علی مراقی الفلاح " میں بھی مضمرات کا یہ جزئیہ مذکور ہے ۔ یاد رہے کہ یہ سب جزئیات اسی صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ امام کھڑا نہ ہوا ہو یا مسجد سے خارج ہو اور اس پر مختلف دلائل و

قرائن بھی موجود ہیں ۔ اگر حی علی الفلاح سے پہلے قیام کرنا مطلقاً مکروہ ہوتا تو امام کے خارج مسجد سے آنے کی صورت میں امام کو دیکھتے ہی قیام کرنا (اگر چہ مؤذن حی علی الفلاح تک نہ پہنچا ہو) مندوب نہ ہوتا ۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ کراہت کا جزئیہ مخصوص ہی عدم قیام امام کے ساتھ اور پھر یہ کراہت بھی تنزیہی ہے ۔ در المختار کے مذکورہ جزئیہ میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں :۔

قولہ قعد لم یبین حکمہ و الظاہر انہ مندوب ۔

پھر کراہت تنزیہہ میں بھی طحطاوی نے اعتراض کیا ہے ۔

و فیہ ان قیامہ تھیؤ للعبادۃ فلا مانع منہ ۔

(طحطاوی علی الدر المختار جلد (۱) صفحہ : ۱۸۹ ، مطبع دار الطباعۃ العام بولاق ۔ مصر)

مذکورہ بالا توضیحات سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ حی علی الفلاح تک کھڑا ہو جانا مندوب ہے ، اس سے تاخیر خلاف ادب ہے ، لیکن تقدیم خلاف ادب نہیں ۔ تسویہ صفوف کی غرض سے دو آداب (حی علی الفلاح کے وقت قیام کرنا اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت امام کا تکبیر کہنا) میں سے ایک ادب کو چھوڑنا پڑے گا ۔ پس پہلے کو لینے اور دوسرے کو چھوڑنے میں وجہ ترجیح کیا ہے ؟ اسکے بعد کتب فقہ کی عبارات میں جن میں تصریح ہے کہ حی علی الفلاح پر قیام کرنا چاہیے مگر ان میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ اس وقت قیام مسنون ہے اور اس سے پہلے مکروہ ہے یا گناہ ہے بلکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسے بایں معنی آداب میں شمار کرتے ہیں کہ اس سے تاخیر نہ کرے جس کی توضیح ہم اوپر تحریر کرچکے ہیں ۔ لہذا مقتدی حضرات کا حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہو جانا بلا کراہت جائز ہے بلکہ مطلوب یہی ہے ۔ مزید وضاحت کے لئے مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ " رفع الملامۃ عن القیام عند اول الاقامۃ " اور مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب کا رسالہ " ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوھام " کیطرف رجوع کیجئے ۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ
بشیر احمد کملائی
دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۵
یکم جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح
المفتی ولی حسن
رئیس دار الافتاء
علامہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی ۵

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ

الجواب صحیح
رضاء الحق عفا اللہ عنہ

جواب الجواب، دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

الاستفتاء :-

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

اقامت میں امام و مقتدی کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟ بعض لوگ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ "حیّ علی الصلوٰۃ" پر کھڑے ہونے کو مستحب سمجھتے ہیں اور پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں۔

حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔ ممنون و مشکور ہوں گا۔ فقط والسلام

باسمہ تعالیٰ

الجواب :-

اس سوال کے ساتھ نیو ٹاؤن کے مدرسے کا جواب بھی منسلک ہے جس پر مفتی ولی حسن، رضاء الحق اور بشیر احمد وغیرھم کے دستخط ہیں۔ اس جواب میں ان مفتی صاحبان نے حنفی فتاوی جات سے جواب کے متعلق کوئی عبارت نقل نہیں کی، صرف ایک عبارت عینی شرح بخاری کی نقل کی اور اس میں بھی بد دیانتی کی۔ ان کے فتوی کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہم بعد میں کریں گے۔ اصل جواب سے پہلے چند باتیں تمہیداً بیان کرنا ضروری ہیں ۔

کسی ایسے مفتی کو جو مقلد ہے فتوی دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عباراتِ فقہاء کو نقل کرے۔ موجودہ دور میں مفتی کا مطلب ہی یہ ہے۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

وان لم یکن من اھل الاجتہاد لایحل لہ ان یفتی الا بطریق الحکایۃ فیحکی ما یحفظ من اقوال الفقہاء

(جلد (۳) کتاب ادب القاضی، مطلب آداب المفتی، صفحہ : ۳۰۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مفتی اگر مجتہد نہ ہو تو اس کو فتوی دینا جائز نہیں مگر اس طرح کہ جو اقوال فقہاء اسے یاد ہیں ان کو نقل کرے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی نے حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں لکھا :

فعرف اما یکون فی زماننا من فتوی المجتہدین لیس بفتوی بل ھو نقل کلام المفتی لیاخذ بہ المستفتی و طریق نقلہ احد امرین اما ان یکون لہ سند فیہ او یاخذہ من کتاب معروف تداولتہ الایدی من

كتب الامام محمد بن الحسن ونحوها من التصانيف المشهورة

(جلد (۱) خطبة الكتاب ، صفحه : ۴۹ ، المكتبة العربيه ، كوئٹه)

پس معلوم ہوگیا کہ ہمارے زمانے میں جو مجتہدین کے فتوے ہوتے ہیں وہ فتوے نہیں ہیں بلکہ وہ مفتی کے کلام نقل کئے ہوتے ہیں تاکہ مستفتی اس کو لے لے اور اسکو نقل کرنے کیلئے دو طریقوں میں سے ایک تو یہ طریقہ ہے کہ یا تو مفتی کے پاس اس کی سند ہو یا وہ امام محمد علیہ الرحمۃ کی مشہور تصانیف میں سے نقل کرے جو متداولہ ہوں ۔ یا ان ہی کی مثل دیگر مشہور کتب سے ۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

وقد استقر راى الاصوليين على ان المفتى هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجه الحكاية فعرف ان ما يكون فى زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتى لياخذ به المستفتى و طريق نقله لذلك عن المجتهد احد امرين اما ان يكون له سند او ياخذه من كتاب معروف تداوله الايدى نحو كتب محمد بن الحسن و نحوها ۔

(جلد (۱) مقدمه ، مطلب رسم المفتى ، صفحه : ۵۱ ، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

یعنی اصولیین اس امر پر متفق ہیں کہ مفتی مجتہد ہوتا ہے اور غیر مجتہد ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جنہوں نے اقوال مجتہد کو یاد کرلیا ہو ، وہ مفتی نہیں ہے ۔ اس پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ مجتہد کا قول بیان کرے ، جیسے امام اعظم (وغیرہ کا) ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے لوگ جو فتویٰ دیتے ہیں وہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تاکہ مستفتی (فتویٰ لینے والا) اسے لے لے اور اس کے نقل کرنے کے لئے دو طریقوں میں سے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ یا تو اس کے پاس اس کی سند ہو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ امام محمد علیہ الرحمۃ کی مشہور کتابوں سے نقل کرے جو متداولہ ہیں ۔

اس تمہید کو سمجھنے کے بعد صورت مسئولہ کا تفصیلی جواب یہ ہے ۔

ہمارے فقہاء نے اقامت میں کھڑے ہونے کے بارے میں تین صورتیں بیان کی ہیں ۔ ان کا جاننا ضروری ہے تاکہ محل اختلاف متعین ہو جائے ۔

اول یہ کہ امام وقتِ اقامت جانب محراب سے مسجد میں آئے ۔

دوسرا یہ کہ امام پیچھے یا اطراف مسجد سے آئے ۔

تیسرا یہ کہ امام و مقتدی وقتِ اقامت مسجد میں موجود ہوں ۔

دیو بندیوں سے ہمارا اختلاف صرف تیسری صورت میں ہے ۔ پہلی دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب تک مقتدی امام کو نہ دیکھیں تو اس طرح کریں جیسا کہ :

(۱) علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے بدائع الصنائع میں لکھا :

فان کان خارج المسجد لا یقومون مالم یحضر

اسکے بعد فرماتے ہیں :

ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکلما راوہ قاموا لانہ کما دخل المسجد قام مقام الامامۃ وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفاً قام ذالک الصف ۔

(کتاب الصلاۃ ، فصل فی بیان حکم التکبیر ، صفحہ : ۲۰۰ ، مطبع شرکۃ المطبوعات العلمیۃ ، مصر)

یعنی اگر امام خارج مسجد ہو تو مقتدی کھڑے نہیں ہونگے جب تک کہ امام نہ آجائے ۔ پھر اگر امام صفوں کے سامنے سے داخل ہو تو جب مقتدی امام کو دیکھیں تو کھڑے ہوں اس لئے کہ جب امام مسجد میں داخل ہوگیا تو وہ امامت کی جگہ پہنچ گیا ۔ اگر امام صفوں کے پیچھے سے داخل ہو تو صحیح یہ ہے کہ جس صف کے پاس سے گذرے اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں ۔

(۲) " تبیین الحقائق " میں ہے :

وان لم یکن الامام حاضرا لایقومون حتی یصل الیھم ویقف مکانہ فی روایۃ وفی اخریٰ یقومون اذا اختلط بھم وقیل یقوم کل صف ینتھی الیہ الامام و ھو الاظھر و ان دخل من قدام وقفوا حین یقع بصرھم علیہ

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ ، باب صفۃ الصلوۃ ، صفحہ : ۱۰۸ ، مکتبہ امدادیہ ، ملتان)

یعنی اگر امام موجود نہ ہو تو مقتدی کھڑے نہیں ہونگے یہاں تک کہ امام ان تک پہنچ جائے اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور دوسری روایت میں ہے کہ قوم اس وقت کھڑی ہو جب امام ان سے مل جائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ امام جس صف سے گذرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور یہی ظاہر روایت ہے اور اگر امام سامنے کی جانب سے آئے تو اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں ۔

(۳) علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا :

و اذا لم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لایقومون حتی یروہ ۔

(جلد (۵) کتاب الاذان ، باب متی یقوم الناس اذا راو الامام عند الاقامۃ ، صفحہ : ۱۵۴ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

یعنی امام جب مسجد میں نہ ہو تو جمہور کا مسلک یہی ہے کہ لوگ نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ امام کو دیکھ لیں ۔

(۴) علامہ الشیخ زین الدین الشہیر بابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا :

و الا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام و ھو الاظھر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرھم علیہ

(بحر الرائق ، جلد (۱) باب صفۃ الصلوٰۃ ، صفحہ : ۳۰۴ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

(۵) اور صاحب در مختار نے بھی بحر الرائق والا قول نقل کیا ہے۔ دیکھئے:

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی بیان تالیف الصلاۃ، صفحہ: ۳۵۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اگر امام محراب کے قریب موجود نہ ہو تو ہر صف اس وقت کھڑی ہو جب امام اس تک پہنچے، اظہر روایت کی بناء پر اور اگر امام سامنے سے داخل ہو تو لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب ان کی نظر امام پر پڑے۔

(۶) علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی متوفی ۱۲۳۰ھ نے الدر المختار کی عبارت (قولہ و الا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظہر) پر لکھا:

ای و ان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع أخر من المسجد او کان خارج المسجد و دخل من خلف اہ

(کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، صفحہ: ۲۱۵، المکتبۃ العربیۃ، کوئٹہ)

صاحب در مختار کا یہ قول کہ ہر صف اس وقت کھڑی ہو گی جب امام اس تک پہنچے یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی اگر امام محراب کے قریب نہ ہو، مسجد میں ہی کسی دوسری جگہ ہو یا خارج مسجد ہو یا مسجد کے دروازہ سے داخل ہو۔

(۷) علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے بعینہ درج بالا حکم فتاویٰ شامی میں نقل کیا ہے۔ دیکھئے:

(جلد (۱)، صفحہ: ۳۵۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

(۸) "مراقی الفلاح" شرح نور الایضاح میں ہے:

و ان لم یکن حاضراً یقوم کل صف حین ینتھی الیہ الامام فی الاظہر۔

(باب الاذان، فصل من أدابھا، صفحہ: ۱۵۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(۹) اس پر علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیۃ الطحطاوی میں مراقی الفلاح کی عبارت "یقوم کل صف" پر لکھا:

و فی عبارۃ بعضھم فکلما جاوز صفاً قام ذالک الصف و ان دخل من قدامھم قاموا حین راوہ۔

(حوالہ بالا)

بعض فقہاء کی عبارت میں یہ ہے کہ جس صف سے امام گذرے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر امام سامنے سے آئے تو لوگ اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، نیو ٹاؤن والوں نے اپنے فتویٰ میں پہلی والی دونوں صورتوں کے متعلق عالمگیری کی

عبارت نقل کر کے یہ بتانے کی کوشش کی کہ مقتدیوں کا کھڑا ہونا امام کے کھڑے ہونے کے تابع ہے۔ ان کے اس عبارت کے نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ جب امام مسجد میں نہ ہو تو اس صورت میں ہمارے فقہاء یہی کہتے ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیا۔ اس میں کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔

تیسری صورت جس میں امام و مقتدی مسجد میں موجود ہوں تو اسکا حکم یہ ہے کہ "حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا امام اور مقتدیوں کے لئے مستحب ہے اور اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اس کے متعلق ہمارے فقہاء صراحتاً بیان کرتے ہیں۔

(۱) علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے بدائع الصنائع میں لکھا:

والجملة فيه ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان كان الامام معهم فی المسجد يستحب للقوم ان يقوموا فی الصف

(جلد (۱) كتاب الصلاة، فصل فی بيان كلم التكبير، صفحہ: ۲۰۰، شركة المطبوعات العلمية، مصر)

خلاصہ کلام یہ کہ امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔

(۲) "تنویر الابصار" میں ہے:

والقيام لامام ومؤتم حين قيل حی علی الفلاح ان كان الامام بقرب المحراب

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) كتاب الصلاة، آداب الصلاة، صفحہ: ۳۵۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی امام جب محراب کے قریب ہو تو امام اور قوم حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں گے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے شامی میں لکھا:

(۳) كذا فی الكنز (۴) و نور الايضاح (۵) و الاصلاح (۶) و الظهيرية والبدائع و غيرها والذی فی (۷) الدرر متنا و شرحا عند الحيعلة الاولى يعنی حين يقال حی علی الصلوة اه وعزاه الشيخ اسمٰعيل فيشرحه الى (۸) عيون المذاهب (۹) والفيض (۱۰) والوقاية (۱۱) والنقاية (۱۲) والحاوی (۱۳) والمختار اه قلت واعتمده فی متن (۱۴) الملتقى و حكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول و نص عبارته ق ال فی (۱۵)الذخيرة يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی

(حوالہ بالا)

یعنی ایسا ہی کنزالدقائق، نورالایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے اور "درر" کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلاۃ پر قیام کریں۔ الشیخ اسمٰعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی، اور مختار میں نقل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا۔ اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلثہ (یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک۔

علامہ شامی نے اس عبارت میں تیرہ مستند کتابوں کا حوالہ پیش کیا کہ حی علی الصلاۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے۔

(۱۶) تبیین الحقائق میں ہے:

والقیام حین قیل حی علی الفلاح لانہ امر بہ و یستحب المسارعۃ الیہ

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلاۃ، صفحہ: ۱۰۸، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

یعنی صاحب کنز کا یہ کہنا کہ قیام اس وقت کرنا چاہیے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مؤذن نے جب "حی علی الفلاح" کہا تو اس نے قیام کا حکم کیا۔ اس لئے اسکی طرف جلدی کرنا مستحب ہے۔

(۱۷) "درر شرح غرر" میں ہے۔

والقیام عند حیعلۃ الاولی یعنی حین یقال حی علی الصلاۃ لانہ امر بہ اذ معناہ ھلم واقبل فیستحب المسارعۃ الیہ

(کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، جلد (۱) صفحہ: ۸۰)

یعنی کھڑا ہونا حیعلۃ الاولیٰ کے وقت ہے یعنی جس وقت "حی علی الصلاۃ" کہا جائے اس لئے کہ یہاں قیام کا حکم کیا گیا ہے۔ اس (حی علی الصلاۃ) کے معنی ہیں "آؤ، متوجہ ہو جاؤ" تو اسکی طرف جلدی کرنا مستحب ہے۔

(۱۸) علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں لکھا:

قال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذ قال حی علی الصلاۃ

(حوالہ سابقہ)

یعنی امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ لوگ صف میں کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلاۃ کہے۔

(۱۹) علامہ یحییٰ بن شرف امام نووی متوفی ۶۷۶ھ نے شرح مسلم میں لکھا:

قال ابو حنیفۃ والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلاۃ

(مسلم شریف، جلد (۱) کتاب المساجد، باب متی یقوم الناس للصلوٰۃ، صفحہ: ۲۲۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

۔ امام اعظم اور کوفیوں نے فرمایا کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الصلاۃ کہے۔

(۲۰) حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے "فتح الباری شرح بخاری" میں لکھا:

و عن ابی حنیفة یقومون اذا قال حی علی الفلاح

(جلد (۲) کتاب الاذان ، باب متی یقوم الناس ، صفحہ : ۱۲۰ ، دار النشر الکتب الاسلامیة ، لاہور)

یعنی امام اعظم سے روایت ہے کہ سب لوگ اس وقت کھڑے ہوںگے جب مکبر حی علی الفلاح کہے ۔

(۲۱) " کرمانی شرح بخاری " میں ہے :

و قال ابو حنیفة یقومون فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الصلاة

(جلد (۵) کتاب الاذان ، باب متی یقوم الناس الخ ، صفحہ : ۳۲ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

یعنی امام اعظم نے فرمایا کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوںگے جب مؤذن حی علی الصلاة کہے ۔

(۲۲) علامہ احمد عسقلانی متوفی ۹۱۱ ھ نے " ارشادالساری شرح بخاری " میں لکھا :

و عن ابی حنیفة انه یقوم فی الصف عند حی علی الفلاح

(جلد (۲) صفحہ : ۲۱)

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں ۔

فقہ اور شروح حدیث کی اتنی عبارات ہم نے نقل کی ہیں جن میں صاف صاف یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب ہو تو حی علی الصلاۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے ۔ یہ حکم امام اور مقتدی دونوں کیلئے ہے جیساکہ بعض عبارات سابقہ میں بھی گزرا ۔

(۲۳) علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا :

قوله و القیام حین قیل حی علی الفلاح لانه امر به فیستحب المسارعة الیه

(حوالہ سابقہ)

یعنی صاحب کنز کا یہ قول کہ " حی علی الفلاح " پر قیام کیا جائے اس لئے ہے کہ مکبر نے قیام کا حکم کیا تو اس وقت قیام کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے ۔ اس کے بعد فرمایا :

اطلقه فیشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب

یعنی صاحب کنز نے قیام کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام اور مقتدی دونوں کے لئے ہے اگر امام محراب کے قریب ہو ۔

(۲۴) " درر شرح غرر " میں ہے :

والقیام عند الحیعلة الاولی اطلقه فیشمل الامام والماموم

(حوالہ سابقہ)

یعنی صاحب غرر کا یہ قول کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہوا جائے مصنف نے اسکو مطلق ذکر کیا ۔ لہذا یہ امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے ۔

(۲۵) "ملتقی الابحر" اور اسکی شرح (۲۶) مجمع الانھر میں ہے:

و اذا قال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلاة قام الامام و الجماعة عند علمائنا الثلثة

(باب الاذان ، جلد (۱) صفحہ : ۷۸)

یعنی جب مؤذن اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تو امام اور جماعت اس وقت کھڑی ہو۔ ہمارے تینوں ائمہ کرام یعنی امام اعظم ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہی مذہب ہے۔

(۲۷) محیط اور (۲۸) ھندیہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة هو الصحیح

(عالمگیری ، جلد (۱) کتاب الصلاۃ ، الباب الثانی ، الفصل الثانی ، صفحہ : ۵۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہونگے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

مذکورہ بالا اٹھائیس (۲۸) کتابوں میں صراحتاً یہ لکھا ہوا ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ " حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح " پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ امام اور مقتدی جب مسجد میں موجود ہوں تو " حی علی الصلاۃ " سے پہلے کھڑا ہونا شرعی اعتبار سے کیا حکم رکھتا ہے؟

چنانچہ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں ، جو فقہ حنفی میں مستند اور متفق علیہ فتاوی ہے ، لکھا:

و یکرہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات

(حوالہ بالا)

اور کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ لیکن بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو جب مؤذن اپنے قول حی علی الفلاح پر پہنچے۔

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی نے "حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح" میں لکھا:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنها غافلون

(کتاب الصلاۃ ، باب الاذان ، فصل من أدابها ، صفحہ : ۱۵۱ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

اور جب مؤذن نے اقامت شروع کی اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے ، کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی کی مضمرات میں ہے۔ اور اس سے پتا چلتا ہے کہ ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

اجلہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل سے بھی " حی علی الفلاح " تک بیٹھے رہنا ثابت ہے اور اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے ۔ " عمدۃ القاری شرح بخاری " میں ہے :

و کان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ

(جلد (۵) کتاب الاذان ، باب متی یقوم الناس ، صفحہ : ۱۵۳ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا ۔

عمدۃ القاری کے اسی صفحہ پر ہے :

و فی المصنف کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلاۃ

یعنی مصنف میں ہے کہ ھشام بن عروہ مکروہ سمجھتے تھے اقامت میں قد قامت الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور حضرت ھشام بن عروہ اجلہ تابعین میں سے ہیں ۔

مدرسہ دیوبند کے مفتی اعزاز علی دیوبندی نے " نور الایضاح " کے حاشیہ پر لکھا :

قولہ والقیام ای ومن الادب قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب وقت قول المقیم حی علی الفلاح لان المقیم فی ضمن قولہ ھذا امر بالقیام فیجاب و ان لم یکن حاضرا یقوم کل صف حین ینتھی الیہ الامام

(صفحہ : ۴۷ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی قوم اور امام اگر محراب کے قریب ہیں تو ادب میں سے یہ ہے کہ وہ اقامت کہنے والے کے قول حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں اس لئے کہ اقامت کہنے والے کے اس قول کے ضمن میں قیام کا حکم ہے پس اس کا جواب دو (اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو تو ہر صف اس وقت کھڑی ہو جب امام اس کے پاس سے گذرے)۔ "

حاشیہ کنز الدقائق " میں لکھا ہے :

قولہ والقیام لانہ امر بہ یستحب المسارعۃ الیہ اطلقہ فیشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام وھو الاظھر و ان دخل من قدام وقفوا حین یقع بصرھم علیہ

(باب صفۃ الصلاۃ ، فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلاۃ ، صفحہ : ۳۲ ، ایچ ، ایم سعید کمپنی ، کراچی)

یعنی حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے ہے کہ اقامت کہنے والے نے کھڑے ہونے کا حکم کیا ہے تو کھڑے ہونے کے لئے اس وقت جلدی کرنا مستحب ہے ۔ صاحب کنز الدقائق نے مطلقاً بیان کیا تو یہ حکم امام اور مقتدی دونوں کے لئے ہے اگر امام محراب کے قریب ہوں اور اگر قریب نہ ہوں تو ہر صف اس وقت کھڑی ہو جب امام اس کے پاس پہنچے ۔ یہی ظاہر ہے ۔ اور اگر امام سامنے سے ظاہر ہوا تو لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب ان کی نظر اس پر پڑے ۔

الحمد للہ ! ہم نے شروح حدیث اور فقہ حنفی کی مستند فتاویٰ سے عبارات نقل کی ہیں، جن سے یہ ثابت ہوا کہ صحابہ، تابعین اور فقہائے حنفیہ کا مسلک اور معمول یہی ہے کہ امام جب محراب کے قریب ہو تو امام اور مقتدیوں کو حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے اور اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیو ٹاؤن کے مفتیوں نے جو فتویٰ لکھا ہے اسکے متعلق چند باتیں لکھنا ضروری ہیں۔

ان مفتیوں نے دراصل ایک مفتی کی جو ذمہ داری ہوتی ہے وہ بھی محسوس نہ کی جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا کہ مفتی کا کام فقیہ کی عبارت نقل کرنا ہے مگر انہوں نے اس مسئلہ پر کسی فقیہ کا قول نقل نہ کیا۔ یا تو انہوں نے کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا یا جان بوجھ کر حق کو چھپایا اور جو عبارت نقل کی اس میں بھی انتہائی بد دیانتی کی۔ انہوں نے اپنے جواب کے شروع میں در مختار سے یہ عبارت نقل کی ہے:

والقیام لامام و مؤتم حین قیل حی علی الفلاح

اسکے بعد بیچ میں سے وہ عبارت جو ان کے خلاف تھی اور امام اور مقتدی سب کے لئے اس صورت میں جب امام محراب کے قریب ہو حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب لکھا تھا اسکو چھوڑ کر یہ لکھ دیا:

ثم قال و شروع الامام فی الصلاۃ مذ قیل قد قامت الصلاۃ

جبکہ در مختار کی پوری عبارت اس طرح ہے:

و القیام لامام و مؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافا لزفر فعندہ عند حی علی الصلاۃ ابن کمال ان کان الامام بقرب المحراب و الا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر و ان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرھم علیہ الا اذا اقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقف حتی یتم اقامتہ ظھیریہ وان خارجہ قام کل صف ینتھی الیہ۔ بحر و شروع الامام فی الصلاۃ مذ قیل قد قامت الصلاۃ الی آخرہ۔

خلافا لزفر سے ینتھی الیہ تک کی پوری عبارت کو انہوں نے اپنے فتویٰ میں نقل نہیں کیا اس سے پہلے اور بعد کی عبارت نقل کی، انکی چھوڑی ہوئی عبارت میں تفصیل سے ان تینوں صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جس کو ہم نے اپنے جواب میں لکھا اور اس میں یہ بات صاف صاف لکھی ہوئی ہے جب امام مسجد میں محراب کے قریب ہوگا تو امام و مقتدی سب کیلئے حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ یہ انکے فتویٰ کے خلاف تھا اس لئے درمیان سے اتنی عبارت حذف کردی یہ انتہائی علمی خیانت اور بد دیانتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے علامہ بدرالدین عینی کی شرح بخاری سے یہ عبارت نقل کی:

فذھب مالک و جمھور العلماء الی انہ لیس بقیامہ حد و لکن استحب عامتھم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ۔

یہ امام مالک کا مذہب انھیں نظر آگیا۔ اسی عبارت کے بعد حنفیہ کا مذہب لکھا ہوا ہے کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا امام اعظم اور امام محمد علیہما الرحمۃ کا مسلک ہے۔ اسی صفحہ پر لکھا ہوا تھا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہتا تھا۔ اسی صفحہ پر لکھا تھا کہ ہشام بن عروہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد قامت الصلوۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے تھے ۔ یہ عبارات انھیں نظر نہ آئیں ۔ یوں ایسا ہی تو نہیں ہو سکتا بلکہ جان بوجھ کر ان لوگوں نے مذہب حنفی کو چھپایا ہے اور صرف اپنے خیالات فاسدہ کی تائید کے لئے امام مالک کا قول نقل کیا ۔

اس کے علاوہ ان کی یہ کتنی بڑی جرات ہے کہ انہوں نے حی علی الفلاح سے پہلے کھڑے ہونے کے قول کو ، نقل کرنے والے کے متعلق لکھا کہ یہ بہت بڑی جسارت کی بات ہے ۔ انکا یہ حملہ حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی ہے اور ان فقہاء پر بھی جن کی ہم نے عبارات اپنے اس فتوی میں نقل کی ہیں ۔ پھر دروغ گو را حافظہ نباشد (یعنی جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا) کے مطابق ابتدا میں مکروہ کہنے کو بڑی جسارت کہا اور آگے جا کر خود ہی یہ لکھ دیا کہ کراہت کا جزئیہ مخصوص ہے ۔ عدم قیام امام کے ساتھ پھر یہ کراھت بھی تنزیہی ہے یعنی خود ہی تسلیم کرلیا کہ یہ مکروہ تو ہے ۔

ان مفتیوں نے اس مسئلہ کے جواب میں فقہاء کی کوئی عبارت تو نقل کی نہیں صرف انہوں نے یہ عذر بیان کیا کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہونے سے صفیں سیدھی نہیں ہو پاتی ہیں ۔ یہ عجیب دلیل ہے ۔ صحابہ ، تابعین اور ان تمام اجلہ فقہاء کو یہ وجہ سمجھ میں نہ آئی حالانکہ اس زمانہ میں مسجدوں میں نہ لائنیں بنی ہوئی تھیں اور نہ یہ دریاں اور چٹائیاں بچھی ہوتی تھیں ۔ آج کل ہر مسجد میں صفیں سیدھی رکھنے کے لئے یہ تمام انتظامات موجود ہیں ۔ صفیں سیدھی نہ ہونے کی وجہ سے حی علی الصلوۃ پر قیام نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ نمازی مسجد میں آکر اِدھر اُدھر بیٹھ جاتے ہیں ۔ اقامت شروع ہونے کے بعد آگے پیچھے ہونے میں پس و پیش کرتے ہیں اس برائی کو روکنے کی ضرورت ہے اس کے لئے مقتدیوں کو بتایا جائے کہ مسجد میں آکر صفوں میں ترتیب سے اور صف بصف بیٹھیں مگر دیوبندیوں نے اس برائی اور اس کوتاہی کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہ فقہائے احناف کے متفق علیہ امر مستحب کو روکنے کے لئے تحریرا ، تقریرا اور عملا کوشش کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اس امر مستحب کے ثواب سے محروم کرتے ہیں ۔ اور ناپسندیدہ عمل کی طرف رغبت دلاتے ہیں ۔

چیلنج

ہم آخر میں چیلنج کرتے ہیں کہ تمام دیوبندی مفتی ملکر کسی ایک حنفی فقیہ کا یہ قول دکھادیں ، جس میں یہ لکھا ہو کہ امام و مقتدی جب مسجد میں موجود ہوں تو "حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا مستحب نہیں ہے پہلے سے کھڑا ہونا چاہیے ۔ جب کسی حنفی فقیہ کا ایسا قول نہیں ہے تو اپنے آپ کو حنفی نہ کہلوائیں اور فقہائے احناف کے متفق علیہ قول کے خلاف فتوی دینے اور انکے خلاف عمل کی جرات نہ کریں اور اگر فقہائے احناف کی بات نہیں مانتے تو دیوبند کے مفتی اور اپنے پیشوا مفتی اعزاز علی ہی کا قول مان لیں جن کا ہم نے پہلے حوالہ دیا ہے ۔

محمد وقار الدین غفرلہ قادری رضوی مفتی دار العلوم امجدیہ ، کراچی

مسائل نماز

فرض اور واجب کا فرق

الاستفتاء:-

فرض اور واجب میں کیا فرق ہے؟

سائل: جسیم الدین

الجواب:-

فرض اور واجب میں اعتقاد کا فرق ہے۔ فرض کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور واجب کا انکار کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ عملاً دونوں کے ترک میں جہنم کا عذاب ہے۔ فرض کا ایک مرتبہ ترک کرنے والا فاسق ہو جائے گا اور واجب کا دو تین مرتبہ ترک کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔

فرض کفایہ کی تعریف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام اس مسئلے میں کہ:

فرض کفایہ سے کیا مراد ہے؟ کیا فرض نماز کے فوراً بعد نماز جنازہ ادا کی جائے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

فرض کفایہ وہ ہوتا ہے، جو کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے سب کی جانب سے ادا ہو جاتا ہے اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گناہ گار ہوتے ہیں اس کے لیے کسی وقت کا تعین نہیں ہے۔ جیسے نماز جنازہ، اس کا کوئی وقت معین نہیں ہے مگر حکم یہ ہے کہ دفن کرنے میں جلدی کی جائے اور جب غسل و کفن دے دیا جائے تو نماز پڑھ کر دفن کردیا جائے لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے بعد نماز پڑھنے میں زیادہ مسلمان شریک ہو جائیں یہ نا جائز ہے۔ مگر جب میت نماز کے لیے لائی جائے تو فرض اور سنت موکدہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ

یعنی مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ نماز جنازہ کو سنت سے موخر کیا جائے۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے رد المحتار میں لکھا:

ای سنۃ الجمعۃ کما صرح بہ هناک و قال فعلی هذا توخر عن سنۃ المغرب لانها اکد

(شامی، جلد (۱) باب العیدین، مطلب فیما یترجح تقدیمہ من صلوٰۃ عید، صفحہ: ۶۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی سنت جمعہ سے جیسا کے وہاں اس کی وضاحت ہے اسی بناء پر سنت مغرب سے بھی (نماز جنازہ) موخر کریں گے کیونکہ ان کی تاکید آئی ہے۔

مکروہ کی تعریف

الاستفتاء:-

ایک سوال کا جواب مطلوب ہے:

مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی میں کیا فرق ہے؟

سائل: عبد الرؤف قادری

الجواب:-

فقہاء کے نزدیک مکروہ جب مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے اور سزا کے اعتبار سے حرام کی طرح ہے، یعنی دونوں پر آخرت میں جہنم کی سزا ہے اور مکروہ تنزیہی حرام نہیں ہے، لیکن اس کو کرنا نہیں چاہیئے اور کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔

مستحب اور مباح چیز پر عمل اور عدم عمل

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کیا کوئی قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ اگر عوام کسی مستحب یا مباح چیز کو سنت، واجب یا فرض کا درجہ دیں تو اس وقت علماء اور خواص کا کیا فرض بنتا ہے؟ آیا وہ انھیں روکیں یا خود عوام کا دل خوش کریں از روئے شرع وضاحت فرمائیں۔ شکریہ

سائل: زاہد علی زیدی، زکریا کالونی

الجواب:-

یہ تہمت ہے کہ اہل سنت کے عوام مستحب کو واجب کا مرتبہ دیتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے عمل کا نتیجہ ہے، جنھوں نے مستحبات کا انکار کر کے اور اسے بدعت قرار دے کر لوگوں کو مستحبات سے روکنا چاہا جب انہوں نے ایسا کیا تو عوام نے اپنے عمل سے مستحب کو باقی رکھا اور مفت مستحبات کے ثواب کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ مثلاً فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" یا "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اس کے باوجود لوگ حنفیت کا دعوی بھی کرتے ہیں اور فقہ حنفی کو پس پشت ڈال کر ابتداء اقامت میں کھڑے ہونے پر شدت سے عمل کرتے ہیں اور پھر اہل سنت پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ مستحب کو واجب کا درجہ دیتے ہیں۔ کسی فعل پر ہمیشہ عمل کرنا اللہ کو پسند ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

احب الاعمال ادومہا الی اللہ وان قلّ

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب الرقاق، باب القصد و المداومۃ علی العمل)

یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل سب سے زیادہ پسند ہے، جس پر ہمیشہ عمل کیا جائے۔ معترضین کہتے ہیں کہ مستحبات پر ہمیشہ عمل کرنے سے وجوب معلوم ہوتا ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کا قول غلط ہے بلکہ اس سے انکار کرنے والے خود بھی بعض مستحبات پر ہمیشگی کے ساتھ عمل کرتے ہیں مثلاً گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔ کیا کوئی دیوبندی مولوی ایسا ہے جو ہمیشہ مسح نہ کرتا ہو؟ تو کیا وہ گردن کے مسح کو بھی واجب قرار دیں گے۔ انہیں پہلے اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نماز کتنی عمر میں فرض ہوتی ہے؟

الاستفتاء:-

محترمی قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ سے گزارش ہے درج ذیل سوال کا تسلی بخش اور تفصیلاً جواب تحریر کر کے مشکور فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں امور زیست ترتیب دے کر آخرت کی ابدی زندگی کے لیے تیاری کی جا سکے۔ ان سوالوں کا ماخذ یہ ہے کہ فرائض کا وبال ادا ہونے تک باقی رہتا ہے۔ نیز نماز اور روزے کی فرضیت (جس کے چھوڑنے کی صورت میں قضا لازم ہو) کس عمر یا مدت سے مستند ہے۔ سن بلوغ کی شرط کی بجائے عمر کی حد تحریر فرمائیں۔

سائل: اقبال احمد صابون والا

الجواب:-

بلوغ علامتوں سے ہوتا ہے مثلاً عورتوں کو حیض آنا اور مردوں کو احتلام ہونا یا اس کی صحبت سے عورت کا حاملہ ہو جانا اور اگر مذکورہ علامتوں میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر عورت اور مرد دونوں کے لیے پندرہ سال حد بلوغت ہے۔

بچوں پر نماز کب فرض ہوتی ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کتنے سال کے بچے پر نماز فرض عین ہوتی ہے؟ بچوں کی صف بندی کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ بچوں کو دھکیلا جاتا ہے اور ساتھ ہی ڈانٹا بھی جاتا ہے اس وجہ سے بچے مسجد میں آنا ترک کر دیتے ہیں۔

الجواب:-

نماز بالغ ہونے کے بعد فرض ہوتی ہے۔ نابالغ بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا، مگر ان کی صف بالغوں کے پیچھے رکھی جائے گی۔ ان کو ڈانٹا نہیں جائے بلکہ سمجھا دیا جائے کہ وہ اپنی صفیں پیچھے بنایا کریں۔

نماز پڑھوانے کی ذمہ داری

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب ! مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رہنمائی قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلوب ہے۔

(۱) کیا فجر کی اذان ہونے کے بعد گھر کے اندر تمام بالغ افراد کو نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھانا ضروری ہے ؟

(۲) کیا فجر کی اذان ہو جانے کے بعد گھر کے اندر تمام نا بالغ افراد کو تربیت نماز کی خاطر اٹھانا ضروری ہے ؟

جبکہ ان نا بالغ افراد کی عمریں تاریخ فتویٰ کے روز بالترتیب ۱۴ سال ، ۱۲ سال ، ۱۱ سال ، ۹ سال ، ۸ سال اور ۶ سال ہیں ؟

الجواب:-

حدیث شریف میں ارشاد ہے :

کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ

(بخاری، جلد (۱) کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القریٰ و المدن، صفحہ: ۱۲۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی تم میں سے ہر ایک کو ذمہ داری ملی ہے اور تم سے تمہاری رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔

لہٰذا گھر کے ہر بڑے اور ذمہ دار آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نیکی کی تعلیم دے اور برائی سے روکے۔ نماز کے وقت نماز پڑھنے کا حکم دے اور سونے والوں کو اٹھا کر نماز پڑھنے کی تاکید کرے۔ حدیث کا حکم یہ ہے کہ :

علّموا الصبی الصلاۃ ابن سبع سنین و اضربوہ علیھا ابن عشرۃ

(ترمذی، حصہ (۱) ابواب الصلوۃ، باب ما جاء متی یؤمر الصبی بالصلاۃ، صفحہ: ۵۴، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنا سکھاؤ۔ اور جب دس برس کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انہیں مار کر نماز پڑھوائی جائے۔

لہٰذا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ، دس سال تک کی عمر کے بچوں کو سوتے سے اٹھا کر نماز پڑھوائی جائے۔ اسی طرح باپ کی عدم موجودگی میں ماں بچوں پر نگاہ رکھے کہ انہوں نے نماز پڑھی یا نہیں اور انہیں برائی سے منع کرے۔

کیا بے نمازی کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے ؟

الاستفتاء:-

ایک پیر صاحب حضرت امام شافعی ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نمازی ہے اور اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی ہے تو وہ نکاح سے خارج ہے اس مسئلہ کی وضاحت چاروں ائمہ کے حوالہ سے علیحدہ علیحدہ تحریر کریں ۔

سائل : امام ، مسجد غوثیہ ، اورنگی ٹاؤن ، کراچی

الجواب:-

ان تینوں ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ قصداً نماز چھوڑنے والے کو خلیفہ وقت قتل کرا دے ۔ مگر بعض صحابہ کے نزدیک اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ نماز قصداً چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہے ، مگر کافر نہیں ہے ۔ ہم چونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں ، لہٰذا ہمارا عمل اپنے امام کے قول پر ہوگا ۔

بے نمازی کو منکر خدا و رسول اور منکر قرآن کہنا

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب !

دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ ، کراچی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ :

اگر کوئی شخص تارک صلوٰۃ کے بارے میں کہے کہ بے نمازی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے یا قرآن کا منکر ہے ، آیا وہ شخص صحیح کہہ رہا ہے یا غلط اور اس شخص کے متعلق کیا حکم ہوگا ؟ وہ شخص مسلم رہے گا یا نہیں ؟ برائے مہربانی مہر شدہ جواب عنایت فرمائیں ۔ بہت بہت نوازش ہوگی ۔

سائل : محمد عثمان قادری ، دار العلوم امجدیہ

الجواب:-

حدیث میں ہے :

من ترک الصلوٰۃ فقد کفر

جس نے قصداً نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔

ترمذی میں دس صحابہ کرام کا یہ قول نقل کیا کہ وہ تارک صلوٰۃ کو کافر کہتے تھے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ اس بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ ہمارے امام یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ تارک صلاۃ کافر نہیں ہے، مگر کفر کے قریب ہو جاتا ہے اور سخت گناہ گار ہوتا ہے۔ اگر فرضیت کا انکار کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے تارک نماز کو خدا، رسول یا قرآن کا منکر کہا، غلط کہا۔ مگر چونکہ حدیث کے لفظ سے بظاہر تارک نماز کا کافر ہونا سمجھ میں آتا ہے، اس لیے یہ کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ مگر اس نے بات غلط کہی۔ اس لیے اسے توبہ کرنی چاہیے۔

صلوٰۃ کمیٹیوں کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کے اعلان کے مطابق ملک بھر میں حلقہ وار " ناظم صلوٰۃ " مقرر ہوئے ہیں۔ حکومت قرآن کے اس حکم پر عمل کرانا چاہتی ہے کہ " مسلمانوں کو جب کسی خطہ زمین پر اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں "۔

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس حکم کو خلفاء کے دور میں کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا میری مراد خلیفہ اول سے لیکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے اختتام تک سے ہے۔ یعنی کس قسم کی مشنری اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے استعمال کی گئی۔ آیا یہ کام ترغیب کے ذریعہ ہوتا تھا یا اس میں تادیبی پہلو بھی شامل تھا۔ کوئی مسلمان تو نماز سے انکار نہیں کر سکتا البتہ تساہل سے ادا نہیں کرتا ہے، کچھ کے لیے عذر شرعی بھی ہو سکتا ہے۔ عذر شرعی کون کون سے ہو سکتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : محمد اشرف

الجواب:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو مسلمان ہوتا تھا وہ پورا مسلمان ہوتا تھا اس سے نماز چھوڑنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے بلانے کا کوئی اہتمام بھی نہیں تھا۔ ترمذی میں تو یہ بھی روایت

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دس صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تو کافر اور مومن میں یہی فرق ہے کہ مومن نماز پڑھتا ہے اور کافر نماز نہیں پڑھتا ہے۔

(حصہ دوم، ابواب الایمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی ترک الصلوٰۃ، صفحہ: ۸۶، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

اس کے بعد جب لوگوں میں عملی خرابی پیدا ہونے لگی تو جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حکومت دی ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر عمل کرے۔

"بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اسکی جو اس کے دین کی مدد کرے گا، بے شک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور اللہ ہی کے لیے سب کاموں کا انجام ہے"۔

(سورہ حج (۲۲) آیات: ۴۰، ۴۱)

مسلمان کے لیے صرف چند صورتیں ایسی ہیں، جن میں اس پر نماز فرض ہی نہیں ہوتی ہے۔ حیض و نفاس والی عورتوں پر، چھوٹے بچوں پر اور پاگل پر۔ اس کے علاوہ ہمارے فقہاء تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر بیمار ہے اور کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر اشارے سے پڑھے اور اگر سر سے اشارہ کرنے کی طاقت بھی نہ رہے تو اس سے نماز موخر ہو جائے گی یعنی نماز اس حالت میں پڑھنے کی تکلیف ختم ہو جائے گی پھر جس وقت اشارہ کرنے کے بھی لائق ہو جائے تو قضاء کرے گا یعنی نماز معاف اس حالت میں بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واللہ تعالیٰ اعلم

قیام میں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

حالت قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

سائل: ابو سعید محمد فاروق

الجواب:-

قیام کی حالت میں نمازی کے دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رفع یدین کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:
کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رفع یدین فرمایا کرتے تھے؟

الجواب:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں رفع یدین کیا، لیکن بعد میں چھوڑ دیا تھا۔ اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث صحیحہ روایت کی گئی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین فرماتے تھے اس کے بعد نہیں۔ امام ترمذی نے جامع الترمذی میں اور امام نسائی سنن النسائی میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کر کے اسکی تحسین کی اور ترمذی نے کہا کہ:

وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین۔

(حصہ اول، ابواب الصلاۃ، باب رفع الیدین عند الرکوع، صفحہ: ۳۵، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی یہی بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں رفع یدین کیا بعد میں نہیں کیا بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین میں سے علم والوں نے کہی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے حج کے بعد اعلان کیا کہ رفع یدین کرنا ایک ایسا فعل ہے، جس کو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا اس پر کسی نے انکار نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اسی زمانے میں یہ اتفاق ہو چکا تھا کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی متوفی: ۸۵۵ھ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا:

عن ابن عباس انہ قال العشرۃ الذین شھد لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجنۃ ما کانوا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ

(جلد (۵) کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء، صفحہ: ۲۷۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ "دس وہ ہستیاں (عشرہ مبشرہ) جن کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خبر دی وہ اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت۔

رفع یدین کرنے کا حکم کب منسوخ ہوا ؟

الاستفتاء :-

محترم جناب مفتی صاحب !

دارالعلوم امجدیہ

السلام علیکم

بعد سلام عرض ہے کہ مجھے مندرجہ ذیل سوال کا جواب احادیث صحیحہ کی روشنی میں دے کر مشکور فرمائیں :

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرتے تھے ؟ اگر یہ منسوخ ہے ، تو کب منسوخ ہوا ؟

سائل : محمد زاہد

الجواب :-

رفع یدین کے بارے میں احادیث مختلف ہیں ۔ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ حدیث ذہن میں رکھنی چاہیے جسے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

(ترمذی شریف، جلد اول، ابواب الصلوۃ، باب ما جاء لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھیٰ، صفحہ: ۳۱، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے جو عمر اور عقل کے اعتبار سے بڑے ہیں وہ میرے قریب رہیں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں ۔

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اکابر صحابہ کرام پہلی صف میں اقتداء کرتے تھے ان میں سے عبد اللہ بن مسعود اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) ان سب کا عمل یہ تھا کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کرتے اور کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ان ہی حضرات کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع

یدین تکبیر تحریمہ میں فرمایا اور کسی جگہ رفع یدین نہیں کیا۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے ترمذی شریف میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ قال و فی الباب عن البراء ابن عازب قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود حدیث حسن و بہ یقول غیر واحد مناھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التابعین و ھو قول سفیان و اھل الکوفۃ

(حصہ اول، ابواب الصلوۃ، باب رفع الیدین عند الرکوع، صفحہ: ۳۵، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز نہ پڑھوں پس نماز پڑھی اور رفع یدین نہ کیا سوائے پہلی بار کے۔ ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث، حدیث حسن ہے۔ اور یہی بات کہی ہے ایک سے زیادہ اہل علم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین نے۔ اور یہ قول سفیان اور اہل کوفہ کا ہے۔ اور رفع یدین کی روایت کرنے والے صحابہ کرام پیچھے کی صفوں میں کھڑے ہونے والے ہیں ان میں عبداللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی روایات ہیں ان میں وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین یکبر للصلوۃ و حین یرفع راسہ من الرکوع یرفع یدیہ حیال اذنیہ۔

یہ ابو داؤد اور نسائی کی روایت ہے اس کے جواب میں ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اولین مومنین میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس طرح آتے جاتے تھے کہ باہر سے آنے والے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے فرد ہیں اور وائل ابن حجر ۹ ھجری میں ایمان لائے ان دونوں کے ایمان لانے میں بائیس سال کا فرق ہے اسی لیے حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ "اگر وائل نے حضور کو ایک مرتبہ دیکھا ہے کہ حضور نے رفع یدین کیا تو عبد اللہ ابن مسعود نے پچاس مرتبہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رفع یدین نہ کیا"۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد (۵) کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ، صفحہ: ۲۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام بخاری نے رفع یدین کے بارے میں صرف عبد اللہ ابن عمر کی روایت نقل کی ہے ظاہر ہے کہ عبد اللہ ابن عمر ان صحابہ کرام سے نہیں ہیں جو صف اول میں مقتدی ہوتے تھے اور امام طحاوی نے عبد اللہ ابن عمر سے متعدد سندوں سے روایت کیا کہ انہوں نے بھی رفع یدین چھوڑ دیا تھا۔

(طحاوی، جلد اول، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود و الرفع آہ، صفحہ: ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں بھی جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ منسوخ ہے تو ترک کر دیا۔ امام مسلم نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ مالک ابن حویرث اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما سے بھی رفع یدین کی حدیثیں روایت کی ہیں مگر ان میں یہ لفظ تھے کہ:

اذا کبر رفع یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیہ

(مسلم شریف، جلد اول، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، صفحہ: ۱۶۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ایک اور روایت میں فرمایا:

حتی یحاذی بھما فروع اذنیہ

(حوالہ بالا)

ان حدیثوں میں رفع یدین کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ کانوں کے محاذات تک رفع یدین تھا ان سے رفع یدین کا استدلال کرنے والوں پر حیرت ہوتی ہے کہ اس حدیث میں اس ایک حصہ کو قابل استدلال جانتے ہیں اور ایک حصہ کو قابل عمل بھی نہیں مانتے یعنی مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا ہے تو اس سے فرمایا:

لا تفعل فان ھذا شیئ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد (۵) باب الاذان، صفحہ: ۲۷۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

یعنی فرمایا یہ نہ کرو کیونکہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ نے کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک کر دیا۔

غرض یہ کہ رفع یدین کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور ان کے ساتھیوں کی روایات زیادہ قابل قبول ہیں، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اور اگر ثبوت مل بھی جائے تو یہ عمل منسوخ ہے۔ جیسے کہ عبد اللہ ابن عمر کا اس پر عمل ترک کرنا اور عبد اللہ ابن زبیر کا صراحتاً منسوخ ہونے کا اعلان کرنا۔

رفع یدین نہ کرنے والی احادیث مبارکہ

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب ! دار العلوم امجدیہ

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلہ آپ سے دریافت کرنے کا خواہش مند ہوں ، امید ہے رہنمائی فرمائیں گے ۔

مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک محفل میں بیٹھا تھا نماز میں رفع یدین کرنے کا ذکر نکلا جس پر میں نے کہا کہ نماز میں رفع یدین بالکل منع ہے ، تو ایک شخص کہنے لگا کہ "کسی بھی حدیث سے رفع یدین منع ہے دکھا دو تو ہم کرنا چھوڑ دیں گے ، ورنہ تم کرنے لگنا" ۔ میں اسی دن سے کشمکش میں مبتلا ہوں ۔ لہٰذا اگر حدیث میں ہے تو حدیث کا نام ، جلد نمبر اور صفحہ وغیرہ لکھ کر جلدی بھیج دیں ۔

المستفتی : اسلم علی خان

الجواب:-

رفع یدین پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع سجود وغیرہ کی تکبیرات میں ناجائز ہے ۔ اس کی ممانعت کی حدیثیں کثرت سے ہیں طحاوی شریف جلد اول صفحہ ۱۶۲ اور ۱۶۳ (مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ، ملتان) پر یہ تمام حدیثیں موجود ہیں ۔

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب !

دار العلوم امجدیہ ، کراچی

گزارش یہ ہے کہ مجھے مندرجہ ذیل مسئلے کا مکمل حل قرآن و حدیث کی روشنی میں ارسال فرمائیں تاکہ میری الجھن دور ہو ۔ آپ کی عین نوازش ہوگی ۔

فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں یعنی اور کوئی سورت نہیں ملائی

جاتی۔ آیا سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے؟

سائل : محمد اسماعیل

الجواب:-

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ ضروری نہیں۔

چار سنت موکدہ، غیر موکدہ اور چار نوافل ایک نیت سے پڑھنے کا طریقہ

الاستفتاء:-

محترمی مفتی صاحب!

السلام علیکم

چار رکعت والی سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ اور چار نوافل جب ایک نیت سے پڑھے جائیں تو درمیانی " التحیات " کہاں تک پڑھنی چاہیے اور تیسری رکعت کہاں سے شروع کریں؟ برائے مہربانی حوالہ کے ساتھ جواب عنایت کریں۔

الجواب:-

سنت غیر موکدہ اور سنت موکدہ میں فرق یہ ہے کہ سنت غیر موکدہ میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ میں " التحیات " کے بعد درود شریف بھی پڑھیں، تیسری رکعت کے لیے جب کھڑے ہوں تو پہلے ثناء اور تعوذ و تسمیہ پڑھیں، پھر سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت بھی ملائیں۔ جبکہ سنت موکدہ میں دوسری رکعت کے قعدہ میں صرف التحیات پڑھیں اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی نہیں پڑھے جائیں گے۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا ولو صلی ناسیاً فعلیہ السھو

اور اس کے بعد فرمایا:

ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا لانھا لتأکدھا اشبھت الفریضۃ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ

(بر حاشیہ شامی، جلد اول، باب الوتر والنوافل، مطلب فی السنن والنوافل، صفحہ: ۵۰۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک نہیں پڑھا جائے گا اور اگر بھولے سے پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو

ہے ۔ اور جب تیسری کے لئے کھڑے ہونگے تو ثناء نہیں پڑھیں گے بسبب ان کے موکدہ ہونے کے ۔ اور ان کے علاوہ جتنی بھی چار رکعت والی نماز ہیں ان میں (قعدہ اولیٰ میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھیں گے (اور جب تیسری کے لئے کھڑے ہوں گے) تو ثناء اور تعوذ بھی پڑھیں گے ۔

نماز میں گھٹنوں یا پورے جسم کو حرکت دینا

الاستفتاء:-

عزت مآب جناب مفتی اعظم پاکستان ! دارالعلوم امجدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ مسئلہ ذیل کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں ۔

قیام کی حالت میں گھٹنوں کو آگے پیچھے جھٹکا دینا اور کندھوں یا سارے جسم کو حرکت دینا کیا حکم رکھتا ہے ؟

سائل : الحاج محمد اسرائیل ، پشاور

الجواب:-

اعضاء کو آگے پیچھے بلاوجہ جھٹکا دینا عبث کام ہے ۔ اور یہ مکروہ تحریمی ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نماز میں خیالات آنے کا حکم

الاستفتاء :-

نماز میں خیالات آئیں تو اس کا کیا کیا جائے ، بعض دفعہ بہت خیالات آتے ہیں ؟

الجواب :-

نماز میں غیر اختیاری طور پر جب خیالات آئیں تو آپ ان خیالات میں منہمک نہ ہوں اور نماز کی طرف توجہ دیا کریں ۔

نماز میں بھولنے سے کیسے بچا جائے ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص اکثر نماز کے دوران سجدہ و رکوع وغیرہ میں بھول جاتا ہے ۔ از راہ عنایت ایسی کوئی تدبیر بیان فرمائیں ، جس کی مدد سے نماز کے دوران دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں اور بھولنے سے بچا جا سکے ۔ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ ایسا شخص جو اکثر نماز میں بھول جاتا ہے ، نماز کس طرح ادا کرے ؟

الجواب:-

ایسا شخص جو نماز کے دوران وسوسوں کی زد میں رہتا ہو اور اکثر بھول جاتا ہو ۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے لباس کی پاکیزگی کا خاص خیال رکھے اور وضو اور غسل کرنے میں پوری احتیاط کرے ۔ طہارت میں رہ جانے والی کمی کی وجہ سے نماز میں بھول زیادہ ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ توجہ اور دھیان سے ہی نماز پڑھے ۔ پھر بھی بھول جائے تو غالب گمان پر عمل کرے اور وسوسوں پر زیادہ توجہ نہ دے ۔

نماز میں عملِ کثیر

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک آدمی کو نزلہ تھا ۔ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ قعدہ میں اس کی ناک سے پانی ٹپکنے لگا تو اس نے جیب سے رومال نکالا اور ناک صاف کر کے پھر رومال جیب میں رکھ لیا ۔ ساتھ ہی جو صاحب نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد انھوں نے کہا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی دوبارہ نماز پڑھو ۔ ان صاحب نے کہا کہ میں امام صاحب سے معلوم کرتا ہوں ۔ چنانچہ امام صاحب سے مسئلہ پوچھا تو امام صاحب بتایا کہ " نماز تو نہیں ہوئی لیکن آپ کو مسئلے کا علم نہیں تھا لہذا آئندہ کے لیے خیال کرنا " ۔ جبکہ ایک صاحب کا کہنا تھا کہ کسی مسئلہ کا علم نہ ہونا عذر نہیں بن سکتا ۔

اب آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی رو سے وضاحت فرمائیں کہ صحیح مسئلہ کیا ہے ؟

الجواب:-

عمل کثیر بالاتفاق مفسد صلوۃ ہے۔ عمل کثیر کسے کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ نمازی کا ایسا فعل عمل کثیر ہے، جس کو دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ فعل کرنے والا نماز نہیں پڑھ رہا۔ لہذا صورت مسئولہ میں جیب سے رومال نکالنا اور ناک صاف کر کے پھر جیب میں رکھنا ایسا فعل ہے کہ دور سے دیکھنے والا اسے نمازی کا فعل قرار نہیں دے گا۔ تو اس سے نماز فاسد ہو گئی۔

احکام شرعیہ میں نہ جانتے کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ عبادات کی صحت کا خیال رکھے، ان کے فقہی مسائل سیکھے اور عبادت درست طریقہ پر کرے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے پر وعید

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نمازی کے آگے سے گزرنا کیسا ہے نیز نمازی کے آگے کتنے فاصلہ سے گزرا جا سکتا ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: غلام نبی

الجواب:-

نمازی کے آگے سے گزرنا سخت ممنوع ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

ارشاد ہوا:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیر لہ من ان یمر بین یدیہ قال ابو النصر لا ادری قال اربعین یوما او شہرا او سنۃ

(ابو داؤد، حصہ (۱) کتاب الصلوۃ، باب ما ینہی عنہ من المرور بین یدی المصلی، صفحہ: ۱۰۸، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی نمازی کے آگے سے گذرنے والا جانتا کہ اس میں کیا (گناہ) ہے تو البتہ چالیس کھڑا رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گذرنا بہتر ہوتا۔ ابو نضر نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن، چالیس مہینے یا چالیس سال فرمایا۔

میدان اور بہت بڑی مسجد میں حکم یہ ہے کہ خاشعین کی طرح نماز پڑھنے کی حالت میں وقت قیام سجدہ

کی جگہ پر نظر رہنے سے جتنی دور آگے تک نظر آتا ہے اس کے اندر سے گزرنا منع ہے اور اس کے باہر سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چھوٹی مسجدوں میں اور گھروں میں نماز پڑھنے والوں کے آگے سے جب تک "سترہ" نہ ہو، قریب اور دور سے گزرنا جائز نہیں ہے۔

مسجد میں لگے ہوئے شیشے میں عکس کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے میں کہ:

اگر محراب کے اندر شیشے جڑے ہوں اور محراب کی دیوار پر نمازیوں کی تصویریں دکھائی دیتی ہوں۔ تو کیا ایسی صورت میں نماز ہوجاتی ہے یا کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

سائل: محمد احمد، غریب آباد، کراچی

الجواب:-

محراب یا قبلہ کی جانب دیوار میں شیشے اتنی اونچائی پر لگائے جاسکتے ہیں کہ خاشعین (عاجزی کرنے والے کی طرح نماز پڑھنے والے) کی نظر رکوع سے اٹھتے اور سجدے میں جاتے وقت، ان پر نہ پڑے اور اگر نیچے لگا دیئے ہیں تو یہ لگانا ناجائز ہے۔ اور اس وجہ سے نماز میں کراہت تنزیہی ہوتی ہے کہ ان پر نظر پڑنے کی وجہ سے خشوع میں فرق آئے گا۔ لیکن آئینہ میں آنے والے عکس کا حکم تصویر کا نہیں ہے۔

سامنے رکھی ہوئی تصویر کو چھپا کر نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے میں کہ:

ایک صاحب کچھ سامان کے ساتھ مسجد میں آئے اور سمت قبلہ والی دیوار کے ساتھ اپنا سامان رکھ دیا ان کے سامان میں ایک چیز پر کارٹون کی تصویر بنی ہوئی تھی توجہ دلانے پر تصویر کو چھپا دیا گیا۔ اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:-

زمین پر رکھی ہوئی تصویر کو جب چھپا دیا جائے تو نمازی کی نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔

نماز میں کھنکارنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک امام صاحب دورانِ نماز بار بار گلا صاف کرتے ہیں اور کھنکارتے ہیں، ان کا یہ کھنکارنا ضرورتاً ہوتا ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل ہوتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد صادق قادری، موسیٰ لین، کراچی

الجواب:-

نماز میں اس طرح کھنکارنا، جس سے حروف پیدا ہوں نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور اگر حروف پیدا نہ ہوں تو ضرورتاً کھنکار سکتا ہے۔ اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوگا۔

نمازِ وتر میں مخصوص سورتیں پڑھنا

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

کیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز میں پہلی رکعت میں "سورہ نصر" دوسری میں "سورۃ لھب" اور تیسری میں "سورۃ اخلاص" پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب:-

وتر کی رکعتوں میں سورتوں کے پڑھنے سے متعلق مختلف روایات آئی ہیں بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وتر کی پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلی" دوسری میں "قل یاایھا الکفرون" اور تیسری میں "قل ھواللہ احد" کی تلاوت فرماتے تھے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلی و قل یاایھا الکفرون و قل ھواللہ احد فی رکعۃ رکعۃ

(حصہ اول، ابواب الوتر، باب ما جاء ما یقرأ فی الوتر، صفحہ: ٦١، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یاایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

اور بعض روایتوں میں "سورہ اخلاص" اور "معوذتین" کا پڑھنا بھی آیا ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعات پڑھتے اور ان میں نو سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ اس حدیث کے حاشیے پر محشی نے سورہ نصر اور سورہ لھب کا پڑھنا ذکر کیا ہے۔

(ترمذی، حصہ اول، ابواب الوتر، باب ما جاء فی الوتر بسبع، صفحہ: ٦١، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

ان متعدد احادیث کے پیش نظر ان سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے، ضروری نہیں۔ لہٰذا گاہے بگاہے دوسری سورتوں کو بھی پڑھنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی خاص سورت کے پڑھنے کی تاکید نہیں فرمائی ہے۔

نماز میں سینہ کھلا رہنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب!

مندرجہ سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

گریبان کے بٹن کھلے ہوں اور سینے کی ہڈی نظر آرہی ہو تو کیا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور یہ کہ ہڈی نظر آنے سے نماز مکروہ تحریمی کیوں ہوتی ہے؟

الجواب:-

ہنسلی کی ہڈی سے نیچے سینہ ہے اور اوپر گلا ہے۔ گلے کے کھلے رہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن گلے سے نیچے کا حصہ اس طرح کھلا رہے کہ جو کپڑا پہنا ہے اس کے بٹن بالکل نہ لگائے گئے یا نیچے کے بٹن لگائے گئے اور اوپر کے بٹن اس طرح چھوڑ دیئے گئے، جن سے ہنسلی کی ہڈی اور اس کے نیچے کا حصہ کھلا رہے اور اس کرتہ کے اوپر دوسرا کپڑا پہن لیا۔ مثلاً شیروانی، واسکٹ وغیرہ تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور اگر دوسرا کپڑا اوپر پہن کر اس کے بٹن لگا دیئے گئے ہیں تو نماز مکروہ نہیں ہوتی، یا کرتہ، قمیض وغیرہ اس طرح بنائی گئی کہ گلا اتنا گہرا کاٹا گیا، جس کے بٹن لگانے کے بعد بھی ہنسلی کی ہڈی نظر آتی ہو تو اس میں بھی کراہت نہیں، کراہت کی وجہ مشابہت " سدل " (دونوں کاندھوں سے کپڑا نیچے لٹکانا) ہے اور " سدل " کا مکروہ تحریمی ہونا فقہ کی ہر کتاب میں لکھا ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، صفحہ: ۴۴۷ پر دیکھیں۔

قبر پر یا قبر کے سامنے نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

قبر پر یا قبر کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

قبر کے سامنے اور قبر پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

سواء کانت فوقہ او خلفہ او تحت ما ھو واقف علیہ

(کتاب الصلاۃ، فصل فی المکروھات، صفحہ: ۱۹۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس صورت میں نماز مکروہ نہیں ہے کہ قبر اور مصلی کے درمیان میں کوئی پردہ حائل ہو جائے یا قبر کے اوپر اس طرح چھت بنادی جائے کہ درمیان میں جگہ خالی رہے۔

مسبوق کے ثناء پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

مسبوق یعنی وہ نمازی جو کچھ رکعت ہو جانے کے بعد شریک جماعت ہوا وہ ثناء کب پڑھے ؟

الجواب:-

جو شخص جماعت میں کچھ رکعت کے بعد شریک ہوتا ہے ، وہ جب اپنی رکعتیں پڑھے تو پہلے ثناء پڑھے اس کے بعد تعوذ و تسمیہ پڑھ کر سورہ فاتحہ شروع کریں ۔

الٹی شلوار و قمیض میں نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کوئی شخص نماز پڑھنا شروع کر دے اور پھر نگاہ پڑ جائے کہ شلوار ، قمیض یا موزے الٹے ، پہنے ہوئے ہے تو اس حالت میں نماز ہو جائے گی یا نماز توڑ کر ان کو سیدھا کر کے پھر دوبارہ نماز پڑھنا شروع کرے ؟ اس کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں فرمائیں ۔

سائل : عبد الوہاب

الجواب:-

الٹے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ۔ صورت مسؤلہ میں نماز توڑنی نہیں بلکہ نماز پوری کرنے کے بعد ، اس نماز کا اعادہ کریں ۔

استقبال قبلہ کا بیان

قبلہ کس طرح معلوم کریں؟

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، کراچی

فدوی کچھ عرصہ یعنی چھ ماہ سے زیادہ کے لیے سویڈن (یورپ) جا رہا ہے وہاں سورج بہت کم نکلتا ہے اور کوئی باقاعدہ مسجد بھی نہیں ہے۔ سوال ہے کہ: قبلہ کس طرح معلوم کریں؟

الجواب:-

آج کل ایسا "قطب نما" بازار میں ملتا ہے، جس سے دنیا کے ہر ملک میں سمت قبلہ معلوم کی جا سکتی ہے۔

سمتِ قبلہ سے کتنے ڈگری انحراف جائز ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) نماز میں کتنے ڈگری قبلہ کے دائیں یا بائیں عمداً رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟

(۲) کیا اگر کسی مصلحت سے قبلہ کے دائیں یا بائیں عمداً رخ کر صفیں بچھائی جائیں تو امام بھی مقتدیوں

کی طرح اپنا رخ موڑے یا اپنا رخ صحیح قبلہ کی طرف رکھے ؟

(۳) کیا جماعت کی نماز ختم ہونے کے بعد سنتیں اور نوافل پڑھنے کے لیے بھی رخ عمداً قبلہ سے ہٹا ہوا رکھے تاکہ مسجد کی دائیں اور بائیں کی دیواروں کے متوازی ہو یا اب صحیح قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھے ؟

(۴) کراچی شہر میں بہت سی مساجد گنجان آبادی میں ایسی ہیں ، جن میں دیواروں کا رخ تو کچھ اور ہے لیکن صفیں دیواروں کے متوازی یا عمودی زاویہ پر نہیں ہیں بلکہ صحیح قبلہ کے لحاظ سے نمایاں لکیریں فرش پر صفوں کے لیے کھینچ دی گئیں ہیں ان مساجد کے متعلق کیا حکم ہے ؟

امید ہے کہ جناب تمام سوالات کا مفصل جواب دیں گے ۔

سائل : عبدالمعز، گلشن اقبال ، کراچی

الجواب :-

جو شخص ایسی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہے ، جہاں سے کعبہ نظر آتا ہے یا نظر آسکتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ عین قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے ۔ یعنی اس کی پیشانی سے جو خط مستقیم نکلے وہ کعبہ کے کسی نہ کسی حصہ پر پڑے ۔ لیکن دور سے نماز پڑھنے والے جہاں سے کعبہ شریف کو دیکھا نہیں جا سکتا ہے ، ان کے لیے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ ان کی پیشانی سے نکلا ہوا خط مستقیم کعبہ پر پڑے اس لیے کہ اگر وہ ذرا سا بھی دائیں یا بائیں مڑیں گے تو ان کی پیشانی سے نکلا ہوا خط مستقیم کعبہ کی عمارت چھوٹی ہونے کی وجہ سے عین کعبہ پر نہیں پڑے گا ۔ بلکہ اس کے دائیں یا بائیں پڑے گا ۔ اس لیے دور والوں پر اللہ تعالیٰ نے عین کعبہ کا استقبال فرض نہیں کیا بلکہ فرمایا :

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت : ۱۴۴)

یعنی اپنا منہ اسی (کعبہ) کی طرف کرو ۔

اس کا مقصد یہ ہوا کہ ہماری پیشانی کے کسی حصے سے نکلا ہوا خط مستقیم کعبہ پر پڑجائے ۔ چنانچہ معراج الدرایہ ، فتح القدیر ، حلیہ ، غنیہ ، بحرالرائق ، فتاویٰ رضویہ ، در مختار کے علاوہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

فعلم ان الانحراف اليسير لا يضر و هو الذي يبقى معه الوجه او شئ من جوانبه مسامتا لعين الكعبة او لهوائها بان يخرج الخط من الوجه او من بعض جوانبه و يمر على الكعبة او هوائها مستقيماً و لا يلزم ان يكون الخط

الخارج عن استقامۃ خارجا من جبھۃ المصلی بل منھا او من جوانبھا

(شامی، جلد اول، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلوۃ، مبحث فی استقبال القبلۃ، صفحہ: ۲۱۶،۳۱۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی پس یہ بات معلوم ہوئی کہ تھوڑا سا انحراف نقصان نہیں دیتا اور تھوڑے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ چہرے یا چہرے کے جانبین میں سے کوئی حصہ عین کعبہ یا فضائے کعبہ کی سمت میں رہے اس طرح کہ چہرے یا جوانب چہرے سے جو خط نکلے وہ کعبہ یا فضائے کعبہ پر مستقیماً پڑے۔ اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ خط مستقیم درمیان پیشانی سے نکلے بلکہ درمیان سے یا اس کے دونوں جانب سے کسی طرف سے بھی نکلے۔

اس کے لیے فقہاء نے اپنی مباحث میں یہ بیان فرمایا کہ پیشانی بھوؤں کے دائیں اور بائیں دونوں جانب سے کناروں کے درمیان کے حصے کو کہتے ہیں اور یہ اگر سر کا دائرہ مانا جائے تو اس کا تقریباً چوتھائی حصہ ہوتا ہے اور دائرہ کے چوتھائی حصے کو ۹۰ درجہ قرار دیا ہے اس کو "زاویہ قائمہ" کہتے ہیں تو پیشانی کے درمیان سے داہنی طرف کی بھوؤں اور درمیان سے بائیں طرف بھوؤں تک دائرے کا آٹھواں حصہ پڑے گا تو نمازی کی وسط پیشانی سے جو خط نکلے اور عین کعبہ پر پڑے تو یہ عین کعبہ کو استقبال ہے۔ اور داہنی بھوؤں کے کنارے تک یا بائیں بھوؤں کے کنارے تک سے نکلا ہوا خط مستقیم کعبہ پر پڑے یہ ۴۵ درجہ تک عین کعبہ کے دائیں یا بائیں انحراف میں ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ جب انحراف ہو جائے گا تو پیشانی کا کوئی حصہ کعبہ کی سمت میں نہ رہے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ حکم صحت نماز کا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ کعبہ سے دور کے رہنے والے نمازی نے اگر عین کعبہ سے ۴۵ درجہ داہنے یا بائیں جانب منحرف ہو کر نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ اب رہا معاملہ ایسی مساجد کا کہ جن کا رخ قبلہ سمت نہ ہو تو ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کی عمارت غلط بن گئی ہے اس میں صفوں کے نشانات صحیح قبلہ کی طرف بنا دیئے جائیں تاکہ نئی اور پرانی مسجد کے نمازی سب ایک طرف نماز پڑھتے نظر آئیں اور کسی اجنبی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ آگے والے غلط پڑھ رہے ہیں یا پیچھے والے غلط پڑھ رہے ہیں اور کعبہ کی جانب مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا حکم دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان کی عبادت میں یکسانیت دیکھی جائے جب تک صحیح سمت کعبہ کا علم نہ ہو تو نماز کا جائز ہونا اور بات ہے اور صحیح سمت کا علم ہو جانے کے بعد قصداً انحراف کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قراءت کا بیان

نماز میں مسائل قراءت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) قراءت کی نماز میں کیا اہمیت ہے؟

(۲) قراءت کے صحیح ہونے کی کتنی شرطیں ہیں؟

(۳) نماز میں اگر قراءت صحیح نہ ہو تو نماز میں کیا خرابی ہوگی؟ مثلاً حروف قلقلہ ادا نہ کیے جائیں، نون ساکن کے قواعد اخفاء، اقلاب اور ادغام میں غنہ نہ کیا جائے یا مد متصل اور مد منفصل کو جتنا کھینچنے کا حق ہے اتنا نہ کھینچا جائے، نیز میم مشدد کے قواعد میں اگر غنہ نہ کیا جائے یا قراءت مجہول طریقے سے کی جائے تو کیا حکم ہے؟

ان سوالوں کے جوابات فقہ حنفی کی روشنی میں دے کر شکریہ کا موقع دیں اور ہماری مشکل کو حل فرمائیں۔

سائل: محمد سلیم یوسف، گلستان مصطفیٰ، کریم آباد

الجواب:-

(۱) قراءت نماز میں فرض ہے۔

(۲) قرآن کو صحیح پڑھنا فرض ہے۔ قرّاء نے قراءت کے جو قواعد مقرر کیے ہیں ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ حکم نماز میں قرآن پڑھنے کا بھی ہے اور خارج نماز تلاوت کا بھی۔

(۴) سوال میں جن قواعد تجوید کا ذکر ہے، قراءت میں ان پر عمل نہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی مگر پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔ اگر کوئی لفظ اس طرح پڑھا کہ قراءت کے قوانین پر عمل نہ کرنے سے، معنی ایسے فاسد ہو جائیں کہ ان کی صحت کسی طرح نہ ہو سکے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ایسی صورت کو فقہاء تغیر فحش سے تعبیر کرتے ہیں۔

نماز کے لئے قراءت صحیحہ کا حکم

الاستفتاء:-

اگر کوئی شخص صحیح مخارج سے الفاظ قرآن ادا نہ کر سکے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:-

قرآن کی تلاوت صحیح مخارج سے ادا کرنا نماز کے لئے شرط ہے۔ کوشش کے باوجود مخارج صحیح نہ ہوں تو فرض جماعت سے پڑھے جائیں اور عمر بھر صحیح کرنے کی کوشش جاری رہے، اگر کوشش چھوڑ دی تو ہر نماز باطل ہوگی اور جب تک کوشش جاری رہے گی، نفل و سنت صحیح ہوتے رہیں گے۔

نماز میں مقدار قراءت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

سورہ جمعہ کے دوسرے رکوع جس میں صرف تین آیات ہیں۔ ان میں سے دو آیات پہلی رکعت میں اور ایک آیت دوسری رکعت میں پڑھنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:-

اس صورت میں نماز جائز ہو جائے گی۔ چھوٹی آیت کی مقدار فقہاء نے یہ لکھی علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

قدرها من حيث الكلمات عشر و من حيث الحروف ثلاثون

(شامی، جلد(۱) کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، صفحہ: ۳۹۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نماز میں قراءت کی مقدار کلمات کے اعتبار سے کم از کم دس کلمے ہوں اور حروف کے اعتبار سے

تیس حروف ہوں۔

قراءت میں فحش غلطی، پھر اسکی اصلاح کرلینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ:

علاقہ کی مسجد کے پیش امام نے نماز میں قراءت کرتے ہوئے سورۃ الحشر (۵۹) کی آیت: ۲۰ میں "ھم الفائزون" یعنی (وہی کامیاب ہوئے) کے بجائے "ھم الفاسقون" یعنی (وہی فاسق ہیں) پڑھ دیا۔ لیکن اسی وقت آیت کو دوبارہ لوٹا کر صحیح کرلیا۔ نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:-

نماز میں دوران قراءت غلط پڑھنے کے بعد پھر لوٹا کر صحیح طور پر اسے پڑھا تو یہ نماز ہو جائے گی۔ علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۰ھ نے حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں لکھا:

"وفی المضمرات قرءَ فی الصلوٰۃ بخطاء فاحش ثم اعاد وقرء صحیحاً فصلوتہ جائزۃ"

(جلد(۱) کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ، صفحہ: ۲۶۷، المکتبۃ العربیۃ، کوئٹہ)

یعنی مضمرات میں ہے کہ اگر کسی نے نماز میں فحش غلطی کی پھر دوبارہ پڑھ کر اس غلطی کو صحیح کرلیا تو پس اس کی نماز صحیح ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نماز درست ہو گئی۔

امامت اور قراءت

الاستفتاء:-

گزارش خدمت ہے کہ:

جامع مسجد صدیقی، محلہ اسلام نگر، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی نمبر ۳۱ میں مسجد کی کمیٹی نے ۸ ماہ قبل ایک پیش امام صاحب کو امامت کے لیے رکھا۔ ۲ ماہ قبل چند حضرات نے اعتراض کیا کہ امام صاحب نماز کے دوران قرآن غلط پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے اور دوبارہ ادا کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ یہ ہمارے مخالف لوگ ہیں آئے دن اعتراض کرتے رہتے ہیں، اس اعتراض کی پرواہ نہ کی۔ مگر ۲۰-15

روز قبل چند حضرات نے جو دین سے واقفیت رکھنے والے تھے، امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھی تو ہمیں بتایا کہ آپ کی مسجد کے پیش امام کی قراءت درست نہیں ہے یعنی دوران نماز قرآن غلط پڑھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی۔ یہ بات تمام نمازیوں کو معلوم ہوگئی جس کی وجہ سے ہمارے اہل سنت مسلک کے نمازی بھی مسجد چھوڑ گئے، اس طرح دین اور مسلک کا نقصان ہو رہا ہے۔ ہم نے امام صاحب کی تلاوت کی دورانِ نماز کیسٹ بھرلی ہے اور آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، اس کو سن کر شریعت کی رو سے فیصلہ عطا فرمائیں تاکہ امام صاحب کے بارے میں فیصلہ کر سکیں کہ وہ امامت کے لائق ہیں یا نہیں؟

الجواب:-

نماز صحیح ہونے کے لیے نماز کی شرائط و فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنا ضروری ہے۔ اور فرائض میں ایک فرض قراءت بھی ہے۔ قرآن کو قواعد تجوید و قراءت کے مطابق صحیح پڑھنا اور حروف کو ان کے مخارج سے صحیح ادا کرنا ضروری ہے۔ جامع مسجد صدیقی کے امام صاحب کی قراءت کی کیسٹ کچھ لوگ لائے اس کو سنا اگر واقعی یہ ان امام صاحب کی قراءت کی کیسٹ ہے تو اس کے سننے سے معلوم ہوا کہ امام کی قراءت غلط ہے۔ انہیں مقتدیوں کی اور خود اپنی نماز صحیح ادا کرنے کے لیے قراءت کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ جب تک قراءت صحیح نہ کریں انہیں امامت نہیں کرنا چاہیے۔

امام کا پہلی رکعت میں سورۃ کوثر اور دوسری میں اخلاص پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ:

ہمارے امام صاحب نے نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ کوثر اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ نماز ادا ہوئی کہ نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد عالمگیر، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں بلا کراہت نماز ہوگئی۔ قصداً دوسری رکعت میں بڑی سورت پڑھی جائے، تو کراہت ہوتی ہے اور اگر بلا قصد دوسری رکعت میں بڑی سورت شروع کر دی تو اسی کو پڑھے گا، اس سے کراہت نہیں ہوگی۔

نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا فرض ہے، واجب ہے یا سنت؟ اور ترتیب کے خلاف پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل پیدا ہوگا یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد ابوالقاسم

الجواب:-

نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے۔ یہ احکام قراءت کے ہیں، احکام صلوٰۃ کے نہیں۔ اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی اور اگر بھولے سے پڑھا تو مکروہ نہیں ہے۔ بھولے سے ایک لفظ بھی خلاف ترتیب زبان سے پڑھا، تو وہی پڑھے اس کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

نماز میں الٹا قرآن پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید! نے تراویح میں ختم قرآن کے دن سورۃ اللھب کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی پھر بھولے سے سورۃ لھب تلاوت کرلی۔ آیا زید کی نماز مکروہ ہوئی یا فاسد؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب:-

ایک نیت کے ساتھ شروع کی ہوئی نماز کی رکعتوں میں قرآن کی سورتوں کا ترتیب کے ساتھ پڑھنا واجب ہے یعنی پہلی رکعت میں جو سورت پڑھے گا دوسری رکعت میں، اس کے بعد کی کوئی سورت پڑھے گا۔ اور اگر غلطی سے پہلے والی سورت کا ایک حرف بھی زبان سے نکل گیا تو پھر اسی کو پڑھے گا چھوڑے گا نہیں۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

افادان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھواً فلا کما فی شرح

المنیة و اذا انتفت الکراھة فاعراضه عن التی شرع فیها لا ینبغی وفی الخلاصة افتتح سورة و قصده سورة اخری فلما قرء ایة او أیتین اراد ان یترک تلک السورة و یفتتح اللتی ارادها یکره اھ وفی الفتح ولو کان ای المقروء حرفاً واحداً

(جلد(۱) فصل فی القراءة، مطلب الاستماع للقرأن فرض کفایة، صفحہ: ۴۰۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی در مختار میں قرآن کو الٹا پڑھنے کو اور درمیان سے ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر پڑھنے کو، جو مکروہ لکھا ہے اس سے مقصد یہ ہے کہ ایسا قصداً کرنا مکروہ ہے۔ پس اگر بھول کر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح شرح منیہ میں ہے تو جب الٹا سہواً پڑھنے سے کراہت نہیں تو جس کو شروع کردیا ہے اسے چھوڑنا نہیں چاہیے اور خلاصہ میں ہے کسی شخص کا ارادہ دوسری سورت کا تھا مگر اس نے کوئی دوسری سورت شروع کردی اور ایک یا دو آیت پڑھنے کے بعد یہ چاہے کہ اسے چھوڑ دے اور وہی سورت پڑھے جس کا ارادہ تھا یہ مکروہ ہے اور فتح القدیر میں ہے اگرچہ ایک حرف ہی پڑھا ہو۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں "سورہ اخلاص" کے بعد سورہ اللھب پڑھنے سے نماز میں کراہت بھی نہ ہوئی اور نماز صحیح ہوگئی۔

سورۃ (۹) التوبۃ آیت: ۱۲۸ میں لفظ "حریص" پر وقف کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸ میں لفظ "حریص" آتا ہے اس لفظ پر وقف (رکنا) جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرماکر مشکور فرمائیں۔

سائل: سید صادق علی، شاہ فیصل کالونی، کراچی

الجواب:-

"حریص" پر رکنا جائز نہیں "علیکم" پر وقف کرنا چاہئیے "حریص علیکم" کے معنی ہیں وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں اور اگر حریص پر جب وقف کیا جائے گا تو اسکا معنی یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حریص یعنی لالچی ہیں یہ بات غلط ہے اور شان نبوت کے خلاف ہے۔

"ض" کے بجائے "ظ" پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

"ض" کو "ظاء" پڑھنا درست ہے یا غلط؟ جو قاری اس تلفظ سے قرآت کرے یا اس کو درست تصور کرے اور اسی کو صحیح سمجھے اور بتلائے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ شرعی حیثیت سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

سائل: محمد عبد الباری صدیقی، نیو کراچی

الجواب:-

قرآن کریم کے حروف ممیز (جدا) کر کے پڑھنا یعنی ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔ ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ "ض" اور "ظاء" دونوں حرف جدا جدا ہیں ان کے مخارج بھی جدا ہیں لہٰذا جو شخص "ض" کو "ظاء" پڑھتا ہے، اس سے نماز فاسد ہوگی اور قصداً اگر یہ جان کر پڑھتا ہے کہ قرآن میں اس جگہ یہ حرف اسی طرح ہے، جس طرح میں پڑھ رہا ہوں تو کافر ہے۔ امام ھمام ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا:

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرء الظاء المعجمۃ مکان الضاد المعجمۃ او یقرء اصحٰب الجنۃ مکان اصحٰب النار أو علی العکس فقال لا تجوز امامتہ ولو تعمد یکفر

(فصل من ذالک فیما یتعلق بالقرآن والصلاۃ، صفحہ:۱۵۳، مطبوعہ، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر)

یعنی محیط میں ہے کہ امام فضلی سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو "ض" کی جگہ ظ پڑھے یا اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار یا اس کا الٹ پڑھے تو جواب دیا کہ ایسے شخص کی امامت جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے تو اس نے کفر کیا۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں اس بارے میں لکھا:

وفی خزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ اولا یعرف التمیز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار

(جلد(۱) باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب مسائل زلۃ القاری، صفحہ:۳۶۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی خزانۃ الاکمل میں قاضی ابو عاصم نے کہا اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو نماز فاسد ہوجائیگی اور اگر اسکے منہ سے نکل گیا یا وہ پہچان نہیں رکھتا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صاحب حلیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور بزازیہ میں ہے کہ یہ ایک مناسب ترین قول ہے۔ اور یہی مذہب مختار ہے۔

بالکل یہی عبارت ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں نقل کی ہے۔

(جلد اول، کتاب الصلوٰۃ، الباب الرابع، الفصل الخامس فی زلة القاری، صفحہ: ۷۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اگر جان بوجھ کر (غلط پڑھا تو نماز) فاسد ہوجائے گی اور اگر اس کی زبان سے غلط نکل گیا صحیح پڑھنے کی صلاحیت نہیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہی صحیح ترین اور مختار قول ہے اور اس طرح کردری کی وجیز میں ہے۔

تنوین کی جگہ نون مکسورہ کو ظاہر کر کے پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد کے امام صاحب سورہ اخلاص کچھ اس طرح پڑھتے ہیں "قل ھو اللہ احد ن اللہ الصمد" اور فرماتے ہیں اس طرح پڑھنا ٹھیک ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں اس طرح پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:-

قل ھو اللہ احدنِ اللہ الصمد پڑھنا جائز ہے۔ عربی زبان میں نون تنوین اسے کہتے ہیں جس لفظ پر دو زبر، دو زیر یا دو پیش ہوں۔ اس کو بعد والے لفظ سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں "ن" ظاہر کیا جائے گا اور اس کے ساتھ حرکت زیر کی لگائی جائے گی۔ اور اگر تنوین والے لفظ پر وقف کر دیا تو تنوین ختم ہو گئی اب اس کو آگے ملانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور "ن" نکالنا بھی غلط ہے بلکہ بعد والے لفظ کو الف لام ظاہر کر کے پڑھا جائے گا۔ لہٰذا اس آیت میں احد پر وقف کرنے کے بعد اللہ الصمد پڑھا جائے گا۔

آمین بالجہر کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

امام کے پیچھے مقتدی حضرات کو "آمین" بلند آواز سے کہنا چاہیئے یا آہستہ؟ جو بھی صورت جائز ہو حوالہ جات کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: بندہ خدا

الجواب:-

آمین بالجہر احناف کے نزدیک خلاف سنت ہے۔ اصولی طور پر دلیل یہ ہے کہ آمین دعا ہے ۔ بخاری شریف میں ہے :

و قال عطآء آمین دعاء

(جلد(۱) کتاب الاذان، باب جهر الامام بالتامين، صفحه:۱۰۷، قديمی کتب خانه، کراچی)

یعنی حضرت عطاء نے کہا ہے کہ " امین " دعا ہے۔

دعا میں اصل اخفاء ہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ چار باتیں امام اور مقتدی آہستہ کہیں گے اور وہ ثناء ، تعوذ ، تسمیہ اور آمین ہیں ۔ اور امام بخاری نے باب باندھا ہے " باب جهر الامام بالتامين " مگر کوئی حدیث مرفوع آمین بالجہر کہنے کی نقل نہ کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری کو بھی آمین بالجہر کی کوئی حدیث مرفوع نہ ملی صرف اقوال صحابہ نقل کیے تو صحابہ میں عبد اللہ ابن مسعود کا قول اوپر ہم نے نقل کیا اور یہ مستند بات ہے کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں ، نماز کے مسائل میں ،ان کا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تلاوت قرآن کا بیان

قرآن مجید کس زبان میں نازل ہوا ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

قرآن مجید کون سی زبان میں نازل ہوا ہے ؟ ہم نے آج تک یہ سنا ہے کہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے مگر ہماری فیکٹری میں ایک شخص ہے وہ کہتا ہے کہ قرآن کریم عبرانی زبان میں نازل ہوا ہے مگر اس کا ترجمہ عربی میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

خود قرآن کریم کے نازل فرمانے والے کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۝

سورۃ ۱۲، یوسف، آیت: ۲

یعنی بیشک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

قرآن کس زبان میں نازل ہوا اور قرآن کی زبان کیا ہے ؟ فرمایا:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝

(سورۃ (۲۶) الشعراء آیت : ۱۹۵)

(یہ قرآن) روشن عربی زبان میں (نازل ہوا)۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ قرآن، جو اللہ کی آخری کتاب ہے اور اللہ کے آخری نبی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ عربی زبان میں ہے۔ لہٰذا عبرانی زبان میں نزول قران کا کہنا "افتراء" ہے اور یہ صریح جھوٹ ہے۔

یاایھا الناس اور یاایھا الذین اٰمنوا میں فرق

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

قرآنی خطاب "یاایھاالناس" اور "یاایھاالمومنون" کے درمیان کیا فرق ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ یاایھاالناس قبل الہجرت کا خطاب ہے اور یاایھاالمومنون ہجرت کے بعد کا"۔ آپ سے التماس ہے کہ اس مسئلے کی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

سورتوں کے مکی و مدنی ہونے کے بارے میں تین اصطلاحات ہیں۔ ایک اصطلاح یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جو قرآن نازل ہوا وہ مکی ہے اور ہجرت کے بعد جو نازل ہوا وہ مدنی ہے اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ کہاں نازل ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو مکہ میں نازل ہوا اگرچہ ہجرت کے بعد ہو وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں نازل ہوا وہ مدنی ہر اس صورت میں جو سفروں میں مکہ اور مدینہ سے باہر نازل ہوا وہ نہ مکی ہوا نہ مدنی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مکی وہ ہے جس میں اہل مکہ کو خطاب ہے اور مدنی وہ ہے جس میں اہل مدینہ کو خطاب ہے۔ تفصیل کے لئے امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی تفسیر اتقان دیکھئے:

(تفسیر الاتقان فی علوم القرآن (مترجم) صفحہ: ٦١، نور محمد کتب خانہ، کراچی)

جن صاحب نے یہ کہا جو سوال میں مذکور ہے، وہ غلط ہے اس لیے کہ قرآن کریم میں بہت جگہ "یا ایھاالناس" آیا اور وہ آیت مدنی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ہے "یاایھاالناس اعبدوا" (آیت : ۲۱) اسی طرح سورہ نساء میں ہے "یاایھاالناس اتقوا" (آیت : ۱) اور سورہ حج میں ہے "یاایھاالذین امنوا ارکعوا" (آیت : ۷۷) حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں۔

استغفر اللہ کو "استکفر اللہ" پڑھنا

الاستفتاء:-

بخدمت جناب محترم مفتی صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
ہمارے دفتر میں ایک وکیل صاحب فون پر کسی شخص سے بات کر رہے تھے۔ کسی بات پر وکیل صاحب نے تین بار "استکفر اللہ" کہا۔ جب فون بند کیا تو میں نے ان سے کہا "وکیل صاحب استکفر اللہ کہنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ شاید کافر کا معنی ہو۔ صحیح تلفظ استغفر اللہ ہے، جس کے معنی ہیں میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں" اس پر وکیل صاحب نے کہا کہ "تم ملا لوگ اکثر بد معاش ہوتے ہو پھر میں نے کہا "محترم غلط پڑھنے سے آپ کا نقصان ہے اور صحیح پڑھنے سے آپ کا فائدہ" اس پر وکیل صاحب خاموش ہو گئے۔ لہٰذا آپ وضاحت فرمائیں کہ موصوف کا غلط تلفظ بولنا اور پھر اصلاح کرنے پر غلط جواب دینا۔ شرعی نقطہ نظر سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

سائل: محمد نور حسین

الجواب:-

"استغفر اللہ" کے معنی ہیں کہ میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں مغفرت کے لفظی معنی مٹانا اور اصطلاح شرع میں گناہوں کو مٹانے اور معاف کر دینے کے ہیں جبکہ استکفر اللہ کے معنی ہوئے کہ میں اللہ سے کفر طلب کرتا ہوں کفر کے لغت میں معنی چھپانے کے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت میں اور مسلمانوں میں متعارف معنی ایمان کے مقابل کے ہیں۔ جس کا مرتکب (ارتکاب کرنے والا) کافر ہوتا ہے یہ الفاظ بولنے والا کفر کے لغوی معنی کو نہ جانتا ہوگا تو اس نے یہ لفظ قصداً بولا اور کفر کو طلب کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر "غ" اور "کاف" کے تلفظ میں فرق نہیں کر سکتا ہے اور استغفر اللہ کی جگہ استکفر اللہ بولتا ہے تو کفر کا حکم نہیں ہے۔ مگر اسے لازم ہے کہ تلفظ صحیح کرنا سیکھے یہ تو لفظ کے بولنے کا حکم تھا۔

مگر جب اس بتانے والے نے شرعی مسئلہ بتایا کہ اس طرح بولنے سے معنی بدل جاتے ہیں اس کے جواب میں اس قائل کا یہ کہنا کہ تم "ملا" لوگ اکثر بد معاش ہوتے ہو مسئلہ بتانے والے کی توہین ہے اور اس بناء پر ہے کہ اس نے صحیح شرعی بات بتائی تھی۔ لہٰذا یہ کفر ہے اس قائل کو توبہ کرنا چاہیے اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید ایمان کے بعد دوبارہ نکاح کرے اور اعلانیہ توبہ کرنی چاہیے۔

عورت کا ایام مخصوصہ میں قرآن کی تلاوت اور اسے چھونے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
عورت ایام ماہواری میں قرآن پڑھ اور چھو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر یا دستانے پہن کر چھوئے تو یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

سائل: محمد قاسم، نیو کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:
لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ٥

(سورۃ(٥٦)الواقعۃ،آیت:٧٩)

یعنی اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔
لہٰذا حالت حیض، نفاس اور جنب (جس پر غسل فرض ہو) میں قرآن پڑھنا اور اسے چھونا جائز نہیں ہے۔ ہاں ضرورتاً ہاتھ پر دستانے باندھ کر یا رومال لپیٹ کر چھوا جا سکتا ہے۔

خواتین کا ایام مخصوصہ میں "تسبیحات" پڑھنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کتاب وسنت کی روشنی میں فتویٰ درکار ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ "خواتین کو ایام حیض میں اوقاتِ نماز میں وضو کر کے مصلّی پر بیٹھ کر تسبیحات وغیرہ پڑھنا چاہیے"۔ یہ کہاں تک درست ہے اور صحابہ کا اس سلسلہ میں کیا عمل تھا؟
سائل: ابو عمیر، جہانگیر روڈ، (ویسٹ) کراچی

الجواب:-

خواتین ایام حیض میں کسی بھی وقت وضو کر کے دعا و ذکر کر سکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کے لیے اوقات نماز ہی ہونا ضروری نہیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ١٠٨٨ھ نے در مختار میں لکھا:

ولاباس لحائض وجنب بقرائۃ ادعیۃ ومسھا وحملھا وذکر اللہ تعالٰی وتسبیح

(بر حاشیہ شامی، جلد اول، کتب الطہارت، باب الحیض، مطلب لو افتی مفت بشیء

صفحہ: ۲۱۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی حائضہ اور جنبی کو دعائیں پڑھنے اور ان کے چھونے اور ان کو اٹھانے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی پاکی بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

زوال کے وقت قرآن کی تلاوت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زوال اور غروب آفتاب کے وقت نماز اور سجدہ تلاوت قطعاً ناجائز ہیں لیکن اگر کوئی شخص اوقات مکروہہ میں تلاوت قرآن پاک و دیگر ذکر و اذکار میں مشغول ہونا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟

برائے کرم جواب سے مشکور فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب:-

ان اوقات مکروہہ میں تلاوت قرآن پاک بہتر نہیں ہے۔ مگر درود شریف اور دوسرے ذکر و اذکار مکروہ نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

لان القراءۃ رکن الصلوٰۃ وھی مکروھۃ فالاولٰی ترک ماکان رکنا لھا

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، صفحہ: ۲۵۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی قراءت (قرآن) نماز کا رکن ہے اور نماز (اوقات مکروھہ) میں مکروہ تحریمی ہے پس بہتر ہے کہ نماز کے رکن کو (ان اوقات) میں ترک کیا جائے۔

مارکیٹ وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر سے تلاوت سنوانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری مارکیٹ میں بوقت صبح ساڑھے دس بجے اسپیکر پر قرآن شریف کی تلاوت سنائی جاتی ہے۔ عام طور

پر دیکھا گیا ہے کہ دوران تلاوت لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور تلاوت پر توجہ نہیں دیتے دوران تلاوت سجدہ تلاوت بھی آتے ہیں اور ایک سال کے دوران کئی سجدہ تلاوت آئے ۔ کیا وہ ہم سب دوکانداروں پر بھی واجب ہیں یا صدر مارکیٹ جو اپنی صواب دید پر تلاوت سنواتے ہیں صرف انہیں پر سجدے واجب ہوں گے ۔ اسپیکر کے قریب کے دوکاندار دوران تلاوت فون پر بات نہیں کر سکتے کیونکہ تلاوت بہت تیز آواز میں سنوائی جاتی ہے۔ اس طرح مارکیٹ میں تلاوت سنوانا باعث ثواب ہے یا باعث گناہ ؟

سائل : احمد ، اقبال مارکیٹ ، کراچی

الجواب :-

ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں ، جیسے بازار وغیرہ ، وہاں بلند آواز سے قرآن کی قراءت و تلاوت سخت مکروہ ہے ۔ اس سے قرآن کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم ہو جائے گی ۔ لہٰذا پڑھنے والا اور اس طرح پڑھوانے والا دونوں گناہ گار ہیں ۔ علامہ سید احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۰ ھ نے حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں لکھا :

و یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرء فی الاسواق و مواضع الاشتغال فان قرء فیھا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشغال دفعاً للحرج فی الزامھم ترک اشغالھم المحتاج الیھا

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ ، فصل یجھر الامام وجوباً ، صفحہ : ۲۲۷ ، المکتبۃ العربیۃ ، کوئٹہ)

اور قرآن پڑھنے والے پر واجب ہے کہ اس کا احترام کرے اس طرح کہ بازاروں میں اور ایسی جگہوں میں جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں ، نہ پڑھے اور اگر ایسی جگہوں پر پڑھا تو یہ قرآن کی حرمت کو ضائع کرنے والا ہے اور اس کا گناہ اس پر ہے کاموں میں مشغول لوگوں پر نہیں اس لیے کہ سننے کے لیے انہیں اپنے کام چھوڑ دینے کا حکم دینا انہیں تکلیف میں ڈالنا ہے اور ایسا نہیں کیا جائے گا ۔

ختم تلاوت پر " صدق اللہ العظیم " کہنے کا حکم

الاستفتاء :-

محترم جناب مفتی صاحب :

مندرجہ ذیل مسئلے کے متعلق کتاب و سنت کی روشنی میں فتویٰ درکار ہے ۔

ایک کتابچہ میں لکھا ہے کہ تلاوتِ قرآن کے بعد " صدق اللہ العظیم " کہنا جیسا کہ آج کل مروج ہے ، بدعت ہے ۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں ؟ مدلل اور مفصل جواب مطلوب ہے ۔

سائل: ابو عمیر، جہانگیر روڈ، (ویسٹ) کراچی

الجواب:-

اختتامِ تلاوت پر وقت "صدق اللہ العظیم" پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور مسلمان اس جملہ کو سنکر یہ جان لیتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن مجید اب ختم ہو چکی ہے نیز اس جملہ کو نہ تو قرآن کا حصہ قرار دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے پڑھنے کو ضروری کہا جاتا ہے بلکہ مسلمان اسے اچھا سمجھتے ہیں اور حدیث شریف کا یہ اصول ہے۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن

(مسند الامام احمد بن حنبل، ۱/۳۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

قرآن کی تفسیر بالرائے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع متین درج ذیل نظریات کے بارے میں جو کہ ایک پیر صاحب نے سورہ فلق اور سورہ الناس کی تفسیر میں اپنے کتابچہ بنام "تفسیر جیسی" میں لکھے ہیں:

(۱) مالک دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پاک و اعلیٰ و ارفع ہیں کہ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریف لگ جائیں، اس جگہ پر بھی جادو نہیں ہو سکتا بلکہ جس آدمی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگ جائیں اس کو بھی جادو نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر جیسی، صفحہ:۳، سطر ۹ تا ۱۵)

(۲) اگر دنیا کے تمام جادوگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا چاہیں تو وہ نہیں کر سکتے، اس بات کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے سورۃ نساء پانچواں پارہ ۱۶ رکوع آیت: ۱۱۳،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (الی) عَظِيْمًا ۝

(تفسیر جیسی، صفحہ: ۴، سطر ۲ تا ۸)

(۳) اور میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی اذیت سے پاک ہیں آپ کو ازل تا ابد کوئی جسمانی اذیت نہیں پہنچا سکتا میرے دوستو # ! قصہ لبید ابن عاصم " باطل ہے اور بے بنیاد اس پر یقین رکھو نہ ایمان۔

(۴) " ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم " اس آیت سے معلوم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلاؤں کو دفع کرنے والے ہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہوا ہے نہ تو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر

جادو کا اثر کر سکتا ہے اور نہ کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چل سکتا ہے آپ اس سے پاک ہیں۔
(تفسیر جیبی، صفحہ: ۶، سطر ۳ تا ۱۰)

(۵) میرے دوستو! جادو ہر انسان پر ہو سکتا ہے مگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔
(تفسیر جیبی، سطر ۵ تا ۷)

(۶) نعوذ باللہ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چل سکتا ہے، جہالت ہے میں کہتا ہوں کہ "ایسا کوئی ارادہ کرتا تو اللہ تعالٰی اس کو ہاتھ اٹھانے کی بھی مہلت نہ دیتا اور اس کو آسمانی بجلی خاکستر کر دیتی"۔
(تفسیر جیبی، صفحہ: ۹، سطر ۵ تا ۹)

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بظاہر نگاہوں سے پوشیدہ ہوئے ہیں تو آپ کی داڑھی مبارک میں ایک بھی سفید بال نہ تھا اور آپ کی عمر مبارک ۶۳ برس ۷ ماہ تھی مگر اس وقت بھی آپ عین شباب میں تھے اور دیکھنے والے آپ کو ۲۱ سال کا نوجوان سمجھتے تھے۔
(تفسیر جیبی، صفحہ: ۱، سطر ۱۴ تا ۱۷)

(۸) سورۃ النجم کو دیکھیے اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی (تا) مَآ اَوْحٰی

پس برابر آیا کہ آپ ستر ہزار پردے جب طے کر چکے تو آپ نے اللہ تعالٰی کو بلند کنارے پر دیکھا پھر آپ اپنے اللہ تعالٰی کے قریب آئے تو اللہ تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے تخت سے نیچے اتر آئے تو پھر آپ کے اور اللہ تعالٰی کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک بس اللہ نے اپنے بندے سے باتیں کیں جو بھی کیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر اللہ تعالٰی نے مجھے اپنے تخت پر داہنی طرف بٹھالیا۔
(تفسیر جیبی، صفحہ: ۱۱، سطر ۳ تا ۱۴)

اے صاحبان علم و فضل! قرآن مجید و احادیث مبارکہ و اجماع امت کے ارشادات کی روشنی میں متذکرہ بالا نظریات رکھنے والے کے متعلق حکم فرمائیں نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ مسلمانوں کے لیے محولہ کتابچہ کا پڑھنا کیسا ہے؟

مستفتیان و طالب دعا محمد عمر فاروق، غلام اویس قرنی، محمد فیاض احمد؛
ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور

الجواب:-

آپ نے جس کتابچے سے عبارتیں نقل کی ہیں وہ سب غلط ہیں۔ حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں

نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے قرآن کریم کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(ترمذی، حصہ(۲) ابواب تفسیر القرآن، باب ماجاء تفسیر الذی یفسر القرآن برایہ، صفحہ:۱۱۹، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

اور ایک اور حدیث میں مروی ہے:

عن جندب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطاء

(حوالہ بالا)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، جس نے قرآن کے متعلق اپنی رائے سے کہا پس اگر وہ درست بھی ہوا تو بھی اس نے خطا کی۔

اور واقعات کے بارے میں دار و مدار روایت پر ہوتا ہے جو واقعات، صحیح روایات کے ساتھ احادیث کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں، ان کو عقلی احتمالات اور مہمل تاویلات کر کے رد کرنا گمراہی اور احادیث کا انکار ہے۔ اس کتابچہ میں یہ دونوں کام کیے گئے ہیں۔ قرآنی آیات کے اپنی عقل سے معنی اور مطالب تراشے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کئے جانے کا واقعہ جس کی روایت بخاری جیسی کتاب میں ہے اور صحیح راویوں سے مروی ہے اور تمام مفسرین نے ان واقعات کو نقل کیا ہے۔ بخاری میں اس طرح روایت ہے اس واقعہ کو بخاری نے مختلف سندوں سے نقل کیا ہے۔ ان کا خلاصہ ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا اور اس کا یہ اثر ہوا کہ حضور کو ایسا خیال ہوتا تھا کہ جو کام حضور نے نہیں کیا ہے اس کو کر لیا اسی حالت میں حضور ایک دن میرے یہاں تشریف فرما تھے اور کثرت سے بہت دیر تک دعا فرماتے رہے اس کے بعد فرمایا کہ اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو بات دریافت کی تھی وہ مجھے بتادی میں نے عرض کیا وہ بات کیا تھی؟ تو آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا میرے پیروں کے پاس پھر ایک نے دوسرے سے پوچھا، ان کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کردیا گیا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ ان پر کس نے جادو کیا ہے دوسرے نے جواب دیا کہ لبید ابن عاصم نے کیا ہے تو پھر پوچھا کس چیز سے کیا دوسرے نے کہا کنگھی اور کنگھی کے ساتھ جو بال آجاتے ہیں وہ اور کھجور کا ایک گابھا ہے اس نے کہا کہ یہ سب چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ تو جواب دیا ذی اروان ایک کنواں ہے، اس میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور اس کنویں کا مشاہدہ فرمایا اس کے ارد گرد کھجوروں کے درخت تھے اور اس کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کے پتوں کا نچوڑا ہوا پانی، پھر ان

چیزوں کو اسی کنویں میں دفن کر دیا گیا۔

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب الطب، باب السحر و قول اللہ تعالیٰ ولکن الشیاطین الآیۃ، صفحہ ۸۵۷، ۸۵۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا:

بعض بد عقیدہ لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نبوت کے مقام کے خلاف ہے مگر ان کا یہ خیال باطل ہے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ دین میں معصوم ہوتے ہیں ان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور جادو بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے باقی بدنی امراض انبیاء کرام کو بھی ہوتے ہیں۔ انہیں عوارض بدنیہ میں جادو کا اثر بھی ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جادو کا اثر انبیاء کرام علیہ السلام کے جسم اور اعضائے ظاہری پر ہوتا ہے اعتقادات اور علوم پر نہیں ہوتا۔

(جلد (۲۱) کتاب الطب، باب السحر و قول اللہ تعالیٰ ولکن الشیاطین الآیۃ، صفحہ: ۲۸۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بوسیدہ قرآن اور مقدس اوراق کی حفاظت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں حنفی مسلک اہل سنت و جماعت کے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

قرآن کے بوسیدہ اوراق نیز مذہبی رسائل اور اخبارات کے وہ صفحات جن پر آیات قرآنی چھپی ہوتی ہیں، اہل محلہ اور طلبہ مسجد کے صحن کے ایک کونے میں ڈال جاتے ہیں وہاں سے مقدس اوراق اور رسائل وغیرہ "ہوا" سے اڑ کر مختلف گندی جگہوں میں گرتے ہیں۔ میں ان صفحات کا گندی میں گرنا بے حرمتی اور بے ادبی سمجھتا ہوں۔ چنانچہ بہت سے صفحات اوراق ایک جگہ جمع کئے پھر میں نے ان کو جلا دیا بعد میں اس پاکیزہ راکھ کو مسجد کی دیوار کے سامنے دفن کرا دیا نیز اس جگہ پر مسجد کی اضافی تعمیر کے علاوہ اور کسی تعمیر کا امکان بھی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ میری نیت بفضل خدا یہی تھی کہ ان اوراق کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ لہٰذا آپ اس کے بارے میں واضح فتویٰ صادر فرما کر مشکور فرمائیں کہ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد امین، ملیر سٹی کالونی، کراچی

الجواب:-
قرآن پاک کے بوسیدہ اور پرانے اوراق اور وہ اخبارات، جن پر قرآنی آیات اور احادیث وغیرہ لکھی ہوئی ہوتی ہیں، ان کو جمع کرنا اور اس کے بعد ایک مقام پر دفن کر دینا یا کھلے پانی جیسے سمندر یا دریا وغیرہ میں پتھر باندھ کر ڈال دینا سب سے زیادہ مناسب ہے۔ جلانا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-
محترم جناب مفتی صاحب!
جناب عالی گزارش ہے کہ ہم لوگوں کو ایک اہم مسئلہ در پیش ہے مسئلہ مندرجہ ذیل ہے۔
آج کل کتابت و طباعت کی کثرت اور بالخصوص اخبارات و رسائل کی بھرمار کے سبب قرآن و احادیث کی بے احترامی کا مسئلہ ایسا عام ہوگیا ہے کہ کوئی گھر، گلی کوچہ اور کوئی مسلمان اس سے محفوظ نہ رہا۔ جگہ جگہ کاغذ بکھرے نظر آتے ہیں، جن میں اللہ کا نام یا آیات قرآنی و احادیث نبوی یا مسائل فقہیہ ہوتے ہیں مختلف جگہوں پر سپاروں کے بوسیدہ اوراق ہوا کے ذریعے اڑتے نظر آتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی، ان اخبارات و رسائل اور سپاروں کے اوراق کو نہیں اٹھاتا بلکہ ان کے اوپر پاؤں بھی رکھ کر چلے جاتے ہیں لیکن کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ کاغذ کو اٹھا کر دیکھوں کہ اس میں اللہ و رسول کا نام تو نہیں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اخبارات و رسائل میں ایک طرف تصویر، دوسری طرف قرآنی آیات ہوتی ہیں ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر چند افراد نے ملکر انجمن احترام قرآن و احادیث کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے۔ انجمن بنانے کے بعد کچھ مسئلے رونما ہوئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اگر ہم کسی سے کہتے ہیں کہ ان اخبارات و رسائل، جن میں قرآنی آیات و احادیث ہیں ان کا احترام کرو تو وہ لوگ کہتے ہیں اس سے کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ اگر گناہ ہوتا تو علمائے دین اس کے بارے میں فتوی دیتے یا کچھ لکھتے۔ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ علمائے دین اپنی تصاویر اور عنوان دیکر خود چھپواتے ہیں اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے؟

(۲) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "ان سب اوراق کو جمع کر کے جلا دیا جائے"۔

(۳) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "ان کو دفن کر دیا جائے"۔

(۴) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "ان کو سمندر یا دریا میں ڈال دیا جائے"۔

(۵) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "قرآنی آیات و احادیث کے بوسیدہ اوراق کے علاوہ تمام اخبارات و رسائل کو جلا دیا جائے"۔

جناب عالی یہ تھا اہم مسئلہ جس کو عام مسلمان نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم آپ سے اس مسئلے میں مدد چاہتے ہیں، جس سے جھگڑا وغیرہ بھی نہ ہو اور دینی امور بھی انجام پاتے رہیں۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں اس سلسلے میں اپنا فتویٰ صادر فرمائیں۔

سائل: میر محمد شعیب جمالی سرپرست اعلیٰ انجمن احترام قرآن و احادیث، توسیعی کالونی، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم کے الفاظ کی قصداً (جان بوجھ کر) توہین کرنا کفر ہے۔ سپارے یا جس کاغذ پر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں، ان کو کسی گندی جگہ پر قصداً پھینکنا بھی کفر ہے۔

الفقیہ الجلیل و المحقق النبیل ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۱۰ھ نے شرح العقائد میں لکھا:

والقاء المصحف فی القاذورات کفر (ملخصاً)

یعنی قرآن کے صفحات کا گندی جگہ پر پھینکنا بھی کفر ہے۔

کسی کاغذ پر جہاں آیات قرآنیہ یا سورت لکھی ہو اس پر بغیر وضو کے ہاتھ لگانا) جائز نہیں۔ شرح عقائد میں کفریات کے سلسلے میں لکھا:

اس جگہ بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا اس کے علاوہ تمام حروف ہجاء جو عربی کے ہیں۔ ان حروف میں وحی نازل ہوئی، اس اعتبار سے یہ تمام حروف قابل احترام ہیں اور ان حروف سے جب اسماء باری تعالیٰ یا اسماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرکب ہوں تو وہ اب اور زیادہ قابل احترام ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

اذا کتب اسم فرعون او کتب ابو جہل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف حرمۃ کذا فی السراجیۃ

(جلد ۵، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف، صفحہ: ۳۲۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہٰذا یہ تمام اوراق اور اخبارات جو اردو اور عربی میں چھپتے ہیں اس لیے ان کا احترام کیا جائے گا قرآن میں اردو کے مخصوص حروف چھوڑ کر تمام منزل من اللہ ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی کسی ایسی جگہ دفن کیا جائے جہاں لوگ چلتے نہ ہوں مگر قرآن کے جو الفاظ یا اوراق ہیں ان کو تو دفن کرنے میں بھی یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ قبر کی طرح گڑھا کھودا جائے اور ان اوراق کو کپڑے میں لپیٹ کر اس گڑھے میں رکھا جائے اور اس پر تختہ رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی جائے مٹی میں ان اوراق کو نہیں دبایا جائے گا۔

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عالمگیری میں لکھا:

المصحف اذا صار خلقا لا یقرء منہ و خاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاہرۃ و یدفن و دفنہ اولی من

وضعہ موضعاً یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذالک و یلحد لہ لانہ لو شق و دفن یحتاج الی اھالۃ التراب الیہ و فی ذالک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقفا بحیث لا یصل التراب الیہ فھو حسن ایضا کذا فی الغرائب المصحف اذا صار خلقا و تعزرت القراۃ منہ لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی ھذا فی السیر الکبیر و بہ ناخذ کذا فی الذخیرۃ

(حوالہ بالا)

یعنی قرآن کریم جب بوسیدہ ہو جائے کہ اس سے پڑھا نہ جا سکے اور اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو اسے ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے اور اس کا دفن کرنا بہتر ہے بجائے اسکے کہ کسی ایسی جگہ رکھیں جہاں اس پر نجاست پڑنے یا اسی طرح کی کوئی اور توہین کا اندیشہ ہو اور اسکے لئے " لحد " بنائی جائے گی کیونکہ اگر گڑھا بنا کر دفن کیا تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی تو یہ صورت بھی توہین والی ہی مگر یہ کہ جب اس پر مثل قبر چھت ڈالی جائے کہ مٹی (قرآن یا اوراق قرآن) پر نہ پڑے تو یہ صورت بھی بہتر ہے۔ جیسا کہ " غرائب " میں ہے:

قرآن کریم جب بوسیدہ ہو جائے اور اس پر پڑھنا مشکل ہو جائے تو اسے آگ میں جلایا نہیں جائے گا۔ شیبانی نے " السیر الکبیر " میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے جیسا کہ " ذخیرہ " میں ہے۔

افسوس کی بات یہ کہ ہمارے ملک میں طرح طرح سے قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اخبارات " الفاظ قرآن " کو اشتہارات وغیرہ کے ساتھ یا تفسیر کا نام دیکر ایک دو آیت چھاپتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اخبارات وغیرہ کوئی عزت سے نہیں رکھتا ہے، پڑھ کر ردی میں پھینک دیتے ہیں۔ جب سے صدر صاحب نے حکم دیا کہ پہلے ہر کاغذ میں بسم اللہ لکھی جائے " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " بھی قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ لیٹر پیڈ اور دوسرے کاغذات میں بھی لکھی ہوتی ہے ٹائپ ہونے میں غلطی ہو جائے تو اسے پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ بہت سے خطوط پڑھ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کا کوئی لفظ کاغذ پر لکھا ہو تو اس لفظ پر بے وضو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں ہے۔

خود قرآن کریم کا حکم ہے:

لا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ ۝

(سورۃ (۵۶) الواقعۃ، آیت: ۷۹)

یعنی اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

یہاں تو بے وضو بلکہ غیر مسلم بھی ان کاغذات کو چھوتے اور پکڑتے ہیں۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ٹیلیفون ڈائرکٹری پر پچھلے دنوں قرآن کریم کے الفاظ چھاپے گئے، جس کو ہر شخص مسلمان ہو یا کافر باوضو اور بے وضو چھوتا ہے اسی لیے میں نے ایوب خان کے زمانے میں کئی مرتبہ کوشش کی اور خود صدر ضیاء

الحق صاحب سے زبانی کہا تھا کہ حکومت ایک قانون بنادے کہ قرآن کے الفاظ مذہبی کتابوں کے علاوہ کسی کاغذ پر نہ چھاپے جائیں ۔ اخبارات قرآن کے الفاظ بالکل نہ چھاپیں مگر ایوب خاں کے زمانہ سے اب تک کسی حکومت نے یہ بات نہیں مانی ۔

بوسیدہ قرآن اور سیاروں کو جلانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

(۱) ایک عالم دین اور حافظ قرآن نے قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق اور پاروں کو جلا کر عید گاہ کے کونے میں دفن کردیا تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو اور ادھر ادھر اڑ کر پاؤں کے نیچے نہ آئیں ۔ یہ فعل شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں ؟ حدیث پاک سے حوالہ دیں اگر نا جائز ہے تو پھر کیا ایسے فعل کے مرتکب پر شرعی حد یا تعزیر بطور جرم کے عاید ہوگی یا نہیں ؟

(۲) کیا حضرت عثمان نے انفرادی مصاحف کے جلا دینے کا حکم فرمایا تھا حضرت علی اس فعل پر راضی تھے یا نہیں ؟

سائل : محمد حسین حیدری ، خادم اہل سنت ، ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول ، مظفر گڑھ

الجواب:-

قرآن پاک کے بوسیدہ اور پرانے اوراق اور وہ اخبارات و رسائل جن میں قرآنی آیات اور احادیث وغیرہ ہوتی ہیں ، ان کو جمع کرنا اور اس کے بعد ایک مقام پر دفن کر دینا یا کھلے پانی جیسے سمندر یا دریا وغیرہ میں پتھر باندھ کر ڈال دینا سب سے زیادہ اچھا اور زیادہ مناسب ہے ۔ جلانا پسندیدہ عمل نہیں ہے ۔ عالمگیری میں ہے :

المصحف اذا صار خلقا و تعذرت القراۃ منہ لا یحرق بالنار

(جلد (۵) کتاب الکراھیۃ ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف صفحہ : ۳۲۳ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی قرآن کریم جب بوسیدہ ہو جائے اور اس میں پڑھا نہ جاسکے تو اس کو آگ میں نہ جلایا جائے ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان نسخوں کو جلا دینے کا حکم دیا تھا جن میں "قرآت شاذہ" تھی یا تفسیر بھی ساتھ لکھی ہوئی تھی یا جو لغت قریش کے علاوہ دوسری لغت کے مطابق تحریر کیے گئے تھے ۔ ان نسخوں کے جلا دینے میں یہ حکمت تھی کہ امت مسلمہ کو اختلاف فی القرآن سے بچایا جائے اگر ان نسخوں کو باقی رہنے دیا جاتا تو ایسے اختلافات شدیدہ رونما ہوتے جن کا سد باب کرنا مشکل ہو جاتا ۔ جلیل القدر محدث حضرت علامہ عیاض رضی اللہ عنہ

نے فرمایا ہے کہ ان اوراق کو پہلے پانی سے دھویا گیا۔ یعنی نقوش پانی سے مٹا دیئے گئے پھر ان اوراق کو جلا دیا گیا تاکہ ان کی بے ادبی نہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لاتقول لعثمان فی احراق المصاحف الاخیراً

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے حضرت عثمان کے متعلق مصاحف کے جلانے کے بارے میں سوائے بھلائی کے کچھ نہ کہو۔

غیر مسلم کے اسپتال کے لئے قرآن خوانی کرنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

گھارو شہر میں ایک ہندو ڈاکٹر نے ایک بڑا اسپتال تعمیر کیا ہے۔ اسپتال کے افتتاح کے موقعہ پر وہ قرآن خوانی اور تلاوت کلام مقدس کروانا چاہتا ہے۔ اس تقریب کے لئے مقامی امام مسجد کو مدعو کرنے کا ارادہ ہے، از روئے شرع شریف ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :-

ہسپتال بنانا ایسا کام ہے کہ جس کو مسلمان اور غیر مسلمان دونوں اچھا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا کافر بھی اگر ہسپتال بنائے تو اچھا کام ہے، اس کے ہسپتال میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ امام کو اگر بلایا جائے تو جا سکتا ہے اور تلاوت بھی کر سکتا ہے۔

سجدے کا بیان

سجدہ نماز میں سجدہ تلاوت کے ادا ہونے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
حافظ صاحب نے نماز تراویح میں یا پانچ وقتہ نماز میں کسی امام صاحب نے آیت سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کیا پھر سجدہ نماز۔ آیا محض سجدہ نماز سے سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ امام نے سجدہ تلاوت کی نیت کی یا نہ کی؟ بینوا و توجروا

سائل: عبدالحمید، حسن آباد، راولپنڈی

الجواب:-

امام آیت سجدہ پڑھنے کے فوراً بعد رکوع اور سجدے میں چلا جائے گا، تو اس سے سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

وتؤدی بسجودھا کذلک ای علی الفور وان لم ینو بالاجماع

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب سجود التلاوۃ، صفحہ: ۵۷۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی (سجدہ تلاوت) فوراً سجدہ نماز کرنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے اگرچہ سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم

نرم قالین پر سجدے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
سنا ہے کہ سجدے میں زمین کی سختی محسوس ہونا ضروری ہے، تو دبیز (موٹے) قالین پر ہم سختی محسوس نہیں کرتے، توکیا سجدہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب:-

سجدے میں پیشانی کا کسی ایسی چیز پر ٹھہرنا ضروری ہے، جس پر پیشانی مزید دبانے سے نہ دب سکے۔ لہٰذا موٹے گدے اور اسپرنگ والی سیٹوں پر سجدہ جائز نہیں۔
پتلا گدا یا فوم جس پر پیشانی کو اتنا دبایا جا سکے کہ وہ ٹھہر جائے، دبانے سے اور نہ دبے، سجدہ جائز ہے۔ مگر ان پر پیشانی کو دبا کر سجدہ کرنا ہوگا۔ آہستہ سے پیشانی رکھ دینے سے سجدہ نہ ہوگا۔ قالین عام طور پر اتنے موٹے نہیں ہوتے جن پر پیشانی نہ جمے۔ البتہ آج کل ملک چین سے ایک بہت موٹا قالین درآمد ہو کر فروخت ہو رہا ہے، اس پر سجدہ جائز نہیں۔

سجدے میں ناک اور پیشانی لگانا

الاستفتاء:-

زید! کہتا ہے کہ جو لوگ سجدے میں ناک کو بہت زیادہ دباتے ہیں، ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ صرف ناک کی نوک لگانی چاہیے اور پیشانی بھی بہت زیادہ دبانا نہیں چاہیے، اس طرح کرنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ کیا زید کا قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:-

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
امرنا ان نسجد علی سبعۃ اعظم
(جلد(۱) کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم، صفحہ: ۱۱۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سجدہ کریں سات ہڈیوں پر۔
اس کے علاوہ بخاری، ابو داؤد، نسائی اور ترمذی میں بھی اسی مضمون کی احادیث ہیں۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی حمید الساعدی ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم کان اذا سجد امکن انفہ و جبھتہ الارض

(ترمذی شریف، حصہ (۱) ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی السجود علی الجبھۃ والانف، صفحہ ۳۶، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی حضرت ابو حمید الساعدی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو زمین پر اپنی ناک اور پیشانی مبارک، سجدہ میں خوب جماتے تھے۔

ان ہی احادیث سے ہمارے ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ سجدہ اس طرح کیا جائے گا کہ پیشانی اچھی طرح زمین پر جم جائے اور ناک کی ہڈی بھی لگ جائے۔ لہٰذا سجدہ اس طرح کرنا ہوگا۔ صرف آہستہ سے زمین پر اس طرح ناک اور پیشانی لگائی کہ صرف کھال زمین سے چھو جائے، احادیث و فقہ کے خلاف ہے اور نماز بھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا زید کا کہنا غلط ہے۔

سجدے میں پاؤں کی انگلیاں کس طرح زمین پر لگائی جائیں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:
سجدے میں پاؤں کی انگلیاں زمین پر کس طرح لگیں کہ نماز ادا ہو جائے؟

الجواب:-

بخاری میں حدیث شریف ہے۔ امام بخاری نے اس بارے میں ایک باب بھی باندھا:
"باب السجود علی سبعۃ اعظم" یعنی سات ہڈیوں پر سجدہ کا کیا جانا۔ اسی باب میں حدیث ہے:
"امرنا ان نسجد علی سبعۃ اعظم"

(جلد (۱) کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم، صفحہ: ۱۱۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔
یعنی دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پنجے اور چہرہ۔ اسی حدیث سے استدلال کر کے ہمارے فقہاء نے شامی اور غنیہ

وغیرہ میں لکھا ہے کہ پیر کی دس انگلیوں میں ایک انگلی کا اس طرح لگانا کہ انگلی کا پیٹ زمین سے لگ جائے اور قبلہ رو مڑ جائے، فرض ہے۔

(شامی، جلد اول، صفحہ: ۳۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سجدے مین پاؤں کی انگلیوں کا زمین پر لگنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

جمعہ یا پنج وقتہ نمازوں میں صفوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مسائل شرع سے واقف نہیں ہوتے اور سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح سے صف قطع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرے نمازیوں کی نمازوں میں کسی قسم کی کراہت آتی ہے یا نہیں؟ جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کے الگ الگ احکام ہوں تو وضاحت فرمائیں۔

سائل: غلام یٰسین، کراچی

الجواب:-

مسلمان اس امر کا مکلف نہیں ہے کہ وہ ہر آدمی سے نماز پڑھوا کر دیکھے کہ اگر نماز صحیح طور پر ادا کرتا ہے تو صف میں کھڑا کرے ورنہ مسجد سے نکال دے ظاہر حال کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر صف میں کوئی ایسا شخص بھی شامل ہے، جو مسائل نماز سے صحیح طرح آگاہ نہیں تو اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں کوئی کراہت وغیرہ نہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سجدے مین پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رو ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟

الاستفتاء:-

بحالت نماز سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کا رخ کس طرف ہونا چاہیئے؟

الجواب:-

سجدے میں پاؤں کی تمام انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگا کر قبلہ کی طرف موڑنا، سنت ہے۔ اور دونوں پاؤں کی تین تین انگلیوں کا لگانا واجب ہے جبکہ کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا فرض ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

يفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والا لم تجز و الناس عنها غافلون

(بر حاشیہ شامی، جلد(۱) باب صفة الصلوة، مطلب فی اطالة الركوع للجائی، صفحہ:۳۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی پاؤں کی انگلیوں میں سے کم از کم ایک کا اس طرح لگانا کہ اس کا سر قبلہ رو ہو، فرض ہے۔ اگر اس طرح نہ کیا تو سجدہ نہ ہوا۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

سجدے میں ایک پاؤں اٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟

الاستفتاء:-

سجدہ کے وقت نمازی کا ایک پاؤں اٹھ جائے تو نماز میں کوئی خرابی تو نہیں ہوگی؟

الجواب:-

سجدہ میں پیر کی دس انگلیوں میں سے ایک انگلی کو اس طرح کعبہ کی طرف موڑ دینا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ جائے، فرض ہے۔ اور ہر پیر کی تین تین انگلیوں کو اسی طرح لگانا واجب ہے۔ جبکہ دس انگلیوں کا اس طرح لگانا سنت ہے۔

لہذا اگر ایک پیر کو اٹھا کر رکھا یا صرف انگلیوں کی نوک لگائی اور انگلیوں کو قبلہ رخ نہیں موڑا تو بھی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ بشرطیکہ ایک پیر لگا ہو اور اس کی تین انگلیاں قبلہ رو مڑی ہوئی رہیں اور اگر ایک کی بھی نہ مڑی تھیں تو نماز باطل ہوگی۔

سجدے میں امام کے پاؤں کا انگوٹھا قبلہ رو نہ ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد کے پیش امام صاحب کے پاؤں کا انگوٹھا تشہد کی حالت میں قبلہ رخ نہیں ہوتا ۔ آیا اس صورت میں نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں ؟ بینوا وتوجروا

الجواب:-

اگر امام کے پاؤں کا انگوٹھا کسی عذر کی وجہ سے قبلہ رو نہیں ہوتا تو نماز جائز ہے جب کہ اور کوئی عدم جواز کی وجہ نہ ہو۔

سجدہ تلاوت کا بیان

پوری آیت سجدہ کی تلاوت سے سجدہ واجب ہوتا ہے یا کچھ حصہ پڑھنے سے بھی؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

سجدہ تلاوت، آیت سجدہ کا ایک حرف، ایک جملہ پڑھنے سے واجب ہوتا ہے یا پوری آیت پڑھنے سے؟

سائل: محمد فاروق، کراچی

الجواب:-

سجدہ تلاوت واجب ہونے کیلئے پوری آیت پڑھنا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ لفظ جو سجدہ کے لئے استعمال ہوا اس کے ساتھ پہلے یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

آیت سجدہ کی تلاوت سے پہلے سجدہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

ایک حافظ صاحب نے نماز تراویح میں آیت سجدہ سے پہلی والی آیت پڑھ کر بھولے سے سجدہ تلاوت کیا اور اس کے بعد سجدہ سہو بھی نہیں کیا۔ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:-

آیت سجدہ پڑھنے سے پہلے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔ سجدہ زائد ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ دیگر یہ کہ سجدہ سہو، سہو کی صورت میں ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں سجدہ سہو واجب ہی نہ تھا۔

الاستفتاء:-

جناب عالی مندرجہ ذیل صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

نماز تراویح میں حافظ صاحب نے اعلان کیا کہ پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت ہے لیکن آیت سجدہ کی تلاوت سے پہلے ہی سجدہ کر لیا اور آیت سجدہ تلاوت کے بعد سجدہ نہ کیا اور نماز کی دو رکعتیں پوری کرلیں بعد سلام "سامع" نے حافظ صاحب کو بتلایا تو انھوں نے دو رکعتیں پھر دوبارہ پڑھائیں اس طرح ۲۲ رکعتیں پڑھی گئیں۔ جب آیت سجدہ پر سجدہ نہ کیا تو وہ رکعتیں تراویح میں شامل ہوں گی یا نہیں؟ امام کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے تھا؟

سائل: غلام یٰسین، بفرزون، نارتھ کراچی، کراچی

الجواب:-

آیت سجدہ پڑھنے یا سننے کے بعد سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سجدہ امام نے کیا وہ سجدہ تلاوت تو نہ ہوا بلکہ یہ ایک سجدہ زائدہ نماز کے درمیان ہوا جو مکروہ ہے، ان دونوں رکعتوں کا دوبارہ پڑھنا واجب تھا امام و مقتدی نے بہ نیت اعادہ دو رکعتیں پڑھیں تو تراویح بیس رکعتیں صحیح ہو گئیں وہ دو رکعتیں مکروہ ہونے کی وجہ سے تراویح میں شمار نہیں ہوں گی نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ نہ کیا تو نماز ہو جائے گی مگر اس سجدہ کی قضا کرنا ہوگی اور نماز کی آیت سجدہ کی نیت سے اس کی قضا کرلی جائے گی امام کو چاہیے تھا کہ دوسری نیت سے پہلے یہ اعلان کر دیتا کہ پچھلی رکعتوں کا سجدہ تلاوت ان رکعتوں میں کروں گا۔

ریڈیو، ٹیلیویژن اور لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آیت سجدہ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

کیا ٹیپ ریکارڈر سے جو آیت سجدہ سنی جائے تو اس پر سجدہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کیا ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر سے نشر ہونے والی اور اسپیکر سے سنی جانے والی تلاوت کا سننا واجب ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی اذان کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ مسجد کے اندر کے اسپیکر پر نماز

پڑھانا جائز ہے یا نہیں ؟

تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں ۔ عین نوازش ہوگی ۔

سائل : عطاء الرحمٰن انصاری

الجواب:-

ہمارے نزدیک مائیک کی آواز نئی آواز ہے اور ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی آوازیں بھی نئی ہوتی ہیں ۔ لہٰذا ان سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوگا اور ان سے نشر ہونے والی اذان کا جواب بھی دینا ضروری نہیں ہے ۔ اور مائیک پر نماز بھی جائز نہیں ہے جو لوگ مائیک سے اقتداء کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ، ان کے نزدیک آیت سجدہ سننے سے سجدہ بھی واجب ہوگا اور اذان کا جواب بھی ۔

سورہ (۲۲) الحج آیت : ۷۷ کے سجدہ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

پارہ نمبر ۱۷ کے آخری رکوع میں سجدہ تلاوت ہے اور اس کے اوپر عند الشافعی لکھا ہوتا ہے ۔ چنانچہ حنفی حضرات وہ سجدہ ادا نہیں کرتے ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ اس بارے میں تسلی بخش جواب دیں تاکہ ہر مسلمان کو اطمینان ہو ۔

سائل : جمیل احمد

الجواب:-

سجدہ تلاوت کے بارے میں اختلافات اس بناء پر ہیں کہ اس بارے میں احادیث مختلف ہیں ۔ ہمارا اور امام شافعی اور امام حنبل کا اس پر تو اتفاق ہے کہ سجدہ تلاوت قرآن میں " چودہ " ہیں ۔ حنفیہ کے نزدیک سورہ " حج " میں پہلی جگہ سجدہ ہے دوسری جگہ نہیں نیز حنفیہ کے نزدیک سورہ " ص " میں سجدہ ہے ۔ جبکہ امام شافعی اور امام حنبلؒ کے نزدیک سورۃ " ص " میں سجدہ نہیں بلکہ ان کے نزدیک سورۃ " حج " میں دو سجدے ہیں اسی لیے سورۃ " حج " میں دوسری جگہ حاشیہ پر یہ لکھا ہوا ہے سجدہ عند الشافعی ۔ ہمارے امام اعظم نے اس معاملہ میں اس مصحف کو دلیل ٹھرایا جس کی نقل کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو بھیجی تھی ، ان میں انہی جگہوں پر سجدوں کا نشان کیا گیا تھا ، جن جگہوں پر حنفیہ سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں ۔

تشہد کا بیان

قعدہ اولیٰ بھول جانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

اگر تین یا چار رکعات والی نماز میں نمازی دوسری رکعت کے بعد "التحیات" میں بیٹھنا بھول جائے۔ تو کیا سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب:-

قعدہ اولیٰ واجب ہے۔ اور واجب کو بھول کر چھوڑ دینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تشہد میں پڑھی جانے والی دعا میں "اللّٰھم" لگانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

نماز کی آخری رکعت میں التحیات اور درود شریف کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے ۔ ربنا اٰتنا یا رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ میں اگر لفظ اللھم نہ لگایا جائے تو کیا حکم شرعی ہے ؟ آیا نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں ؟

برائے کرم مسئلے کا جواب بحوالہ کتب عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد رئیس قادری

الجواب :-

فقہ اور حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ نماز میں حالت قیام کے علاوہ کسی جگہ (حالت) میں قراءت قرآن جائز نہیں ہے ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا :

وفی المعراج اول الباب وتکرہ قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود والتشہد باجماع الائمۃ الاربعۃ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیت ان اقرء القرآن راکعاً او ساجداً رواہ المسلم

(جلد (۱) باب صفۃ الصلوٰۃ، مطلب فی خلف الوعید اء، صفحہ: ۳۸۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہٰذا قرآن کی کوئی آیت اگرچہ وہ دعاء ہی ہو ۔ بقدر قراءت قیام کے علاوہ نماز میں کسی بھی جگہ پڑھنا مکروہ ہے ۔ لہٰذا عوام کے لیے تو فقہاء کرام کا یہی فتوی ہے اسے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی آیت ہے اسے بہ نیت قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور نیت دعا کرے اور بعض احادیث میں سجدے میں قرآن کی آیات پڑھنے کے متعلق بیان ہے اس لیے اس میں تاویل کی جاتی ہے کہ بنیت دعا اسے پڑھ لے ۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل دعا کی شرح میں تحریر فرمایا سجدے بلکہ قعدہ بلکہ قیام کے سوا نماز کے کسی رکن میں قرآن کریم کی تلاوت حدیث وفقہ دونوں سے منع ہے ، سہواً پڑھے تو سجدہ لازم اور عمداً پڑھے تو اعادہ واجب ہے تو یہ ضروری ہے کہ فاتحہ یا آیت الکرسی جو سجدے میں پڑھی جائے گی ان کے ثنائے الٰہی کی نیت کرے ۔ عام لوگ اللھم کا اضافہ کر کے پڑھیں تاکہ ان کا حکم دعا کا ہو جائے ۔

تشہد میں انگشت شہادت اٹھانے کا حکم

الاستفتاء :-

ہمارے امام صاحب " تشہد " میں شہادت کی انگلی نہیں اٹھاتے ہیں اور اس کے علاوہ سلام پھیرنے کے بعد اپنا منہ قبلہ سے فوراً نہیں پھیرتے ہیں بلکہ کچھ دیر کے بعد دائیں طرف بیٹھتے ہیں جبکہ " حلیہ " اور " بہار شریعت " میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام سلام پھیرتے ہی دائیں یا بائیں کو انحراف کرے ۔

سائل : زاہد علی زیدی

الجواب:-

تشہد میں کلمہ " لا " پر کلمہ والی انگلی کا اٹھانا اور کلمہ اثبات یعنی " الا " پر گرانا مسنون ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

واشار باصبعه التی تلی الابهام

یعنی اشارہ کیا اپنی انگلی سے جو انگوٹھے سے ملی ہوتی ہے۔

اسی کے متصل ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر باصبعه اذا دعا ولا یحرکها

(ابوداود، حصہ (۱) کتاب الصلوٰۃ، باب الاشارة فی التشهد، صفحہ: ۱۴۹، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے جب آپ تشہد پڑھتے اور انگلی نہیں ہلاتے تھے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذا انتهی الی قوله اشهد ان لا اله الا اللّٰه یشیر بالمسبحة

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، الباب الرابع، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، صفحہ: ۷۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور جب اس قول یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے رد المحتار میں لکھا:

وفی المحیط انها سنة یرفعها عند النفی و یضعها عند الاثبات و هو قول ابی حنیفة و محمد وکثرت به الآثار والاخبار فالعمل به اولٰی

(جلد (۱) کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب مهم فی عقد الاصابع عند التشهد، صفحہ: ۳۷۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

محیط میں ہے کہ بے شک یہ سنت ہے۔ نفی پر اٹھائے گا اور اثبات پر گرا دے گا اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد یعنی طرفین کا قول ہے۔ اور اس بارے میں کثرت سے صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں لہٰذا اس پر عمل کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ امام صاحب کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

سلام پھیرنے کے بعد امام کا دائیں یا بائیں سمت یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مسنون ہے۔ سلام کے فوراً بعد دائیں یا بائیں امام کا منہ پھیرنا ضروری نہیں، کچھ وقفہ کے بعد بھی اگر منہ پھیر لے تو کوئی حرج نہیں۔ بہار شریعت میں بھی سلام پھیرنے کے فوراً بعد پھرنا نہیں لکھا ہے بلکہ کتب صحاح میں ہے کہ نماز فجر اور عصر میں سلام پھیرنے کے بعد منہ پھیرنے اور قدم بدلنے سے پہلے ان وظائف کو پڑھ لے یعنی جن کا تذکرہ صحاح کی احادیث میں ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ:

تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

تشہد میں انگلی اٹھانا سنت ہے۔ "لا" پر انگلی اٹھائے گا اور "الا" پر انگلی گرا کر ہاتھ سیدھا کر لے۔

تشہد بطور انشاء پڑھا جائے یا بطور خبر؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نماز میں "التحیات" انشاء کے معنی میں پڑھا جاتا ہے یا بطور خبر۔ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ شکریہ

سائل: مولوی الطاف حسین، ملیر کالونی، کراچی

الجواب:-

الفاظ تشہد سے مصلی (نماز پڑھنے والا) انشاء کا قصد کرے اور یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں تحیت پیش کر رہا ہوں۔ خبر کا قصد کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویقصد بالفاظ التشہد معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کانہ یحیی اللہ تعالٰی ویسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیائہ لا الاخبار عن ذالک

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صفۃ الصلوٰۃ، مطلب مہما فی عقد الاصابع عند التشہد، صفحہ: ۳۷۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نمازی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا ارادہ کرے گا اور اللہ کی تحیت (عبادت) کرے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اپنے آپ پر سلام بھیجے گا اور اولیائے کرام پر اور یہ بطور حکایت نہیں ہوگا بلکہ بطور انشاء پڑھے گا۔

یہی حکم عالمگیری میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ دیکھئے:

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، الباب الرابع، الفصل الثانی فی واجبات الصلوٰۃ، صفحہ: ۷۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

واللہ تعالیٰ اعلم

سلام کا بیان

بائیں طرف سلام پھیرنے سے پہلے نماز ختم کرنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

نماز ختم کرنے کے لیے دونوں طرف سلام پھیرنے میں لفظ سلام کا کہنا واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی نمازی دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد نماز ختم کر کے اٹھ گیا اور بائیں طرف سلام نہیں پھیرا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو کیا کرے؟

الجواب:-

نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

مسبوق دونوں طرف سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

الاستفتاء:-

مسبوق (وہ مقتدی جس کی ایک یا چند رکعتیں نکل گئی ہوں) نے سہواً قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ

دونوں سلام پھیر لیے ، فوراً یاد آنے پر باقی نماز پوری کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں ؟ اور اس صورت میں نماز ختم کرنے کے لیے سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں ؟

الجواب:-
نماز ہو گئی ، سجدہ سہو واجب نہیں۔

چار رکعات کی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے ؟

الاستفتاء:-
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :
اگر چار رکعات والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرتے ہی فوراً یاد آجائے تو کیا کرنا چاہیے ؟ نئے سرے سے نماز شروع کرنا چاہیے یا دو رکعت ہی پڑھنی چاہیے نیز سلام اگر ایک طرف ہی پھیرا جائے تو کیا حکم ہے ؟
سائل : کیپٹن زوار حسین عباسی

الجواب:-
جب تک کوئی منافی صلوٰۃ فعل نہ کیا ہو تو بقیہ نماز پوری کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کرے از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ۔ ایک جانب سلام میں بھی یہی حکم ہے ، جو اوپر مذکور ہوا ۔

مسبوق کا کسی عذر کی وجہ سے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو جانا

الاستفتاء:-
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
مسبوق کسی عذر کے سبب امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اپنی بقیہ نماز کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے کہ نہیں ؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کھڑا ہو سکتا ہے جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں کھڑا ہو سکتا ۔

الجواب:-

امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے مسبوق (وہ نمازی جو ایک یا ایک سے زائد رکعات ہو جانے کے بعد شامل جماعت ہوا ہو) ۔ کو کھڑا ہونا ناجائز ہے ۔ قدر تشہد کے بعد کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے ۔ مگر عذر کی وجہ سے سلام سے پہلے کھڑا ہو سکتا ہے عذر یہ ہے کہ مقتدی کو بے وضو ہو جانے کا خوف ہو یا جمعہ اور عیدین میں وقت ختم ہو جانے کا خوف ہو ، مسح کی مدت پوری ہو جانے یا آدمیوں کا سامنے سے گزر جانے کا خوف ہو تو وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو سکتا ہے ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

وکرہ تحریماً الا لعذر کخوف حدث و خروج وقت فجر و جمعۃ و عید و معذور و تمام مدۃ مسح و مرور مار بین یدیہ

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الامامت، مطلب فی احکام المسبوق، صفحہ: ۴۳۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے مسبوق کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے مگر جب کہ کوئی عذر ہو ۔ جیسے بے وضو ہونے ، وقت فجر اور جمعہ اور عیدین میں وقت کے نکلنے کا نیز معذور ، مسح کی مدت پورے ہونے ، یا کسی کا سامنے سے گزر جانے کا خوف ہو ۔

سلام پھیرنے کے بعد امام کا داہیں باہیں مڑ بیٹھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

راقم الحروف نے فرض کے اختتام پر دعا کے لیے بائیں جانب پلٹ کر دعا کی ۔ اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ آپ کو سیدھی جانب پلٹ کر بیٹھنا چاہیے تھا ۔ جبکہ راقم دونوں جانب بیٹھنے کو مطابق سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتا ہے ۔ براہ کرم قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں ۔ مہربانی ہو گی ۔

سائل : مولوی بشیر احمد چشتی ، اورنگی ٹاؤن ، کراچی

الجواب:-

سلام کے بعد امام دائیں اور بائیں دونوں جانب رخ کر کے دعا کر سکتا ہے جبکہ مقتدیوں کی جانب کوئی مسبوق نمازی اس کے سامنے نماز نہ پڑھ رہا ہو ۔ علامہ سیدْ احمد طحطاوی نے حاشیۃ الطحطاوی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں لکھا :

ان الامام مخیر بعد الفراغ من التطوع او المکتوبۃ اذالم یکن بعدھا تطوع ان شاء انحرف من یمینہ وان شاء عن یسارہ وان شاء ذھب الی حوائجہ وان شاء استقبل الناس بوجھہ

مراقی الفلاح میں چوتھی صورت کے ساتھ یہ شرط لگائی:

ان لم یکن فی مقابلتہ مصل

(کتاب الصلوۃ، فصل فی صفۃ الاذکار، صفحہ: ۱۷۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام کو نفل یا فرض سے فراغت کے بعد جب اسکے بعد نفل نہ ہوں تو اختیار ہے چاہے وہ سیدھی طرف منہ کر کے بیٹھے یا الٹی طرف اور اگر چاہے تو اپنی ضروریات کے لئے مسجد سے چلا جائے اور اگر چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور مراقی الفلاح میں ہے مگر اس صورت میں جب اسکے سامنے کوئی نماز نہیں پڑھ رہا ہو۔

دعا کا بیان

نماز کے بعد دعا مختصر ہو یا طویل ؟

الاستفتاء:-

ہر نماز کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے وہ طویل ہو یا مختصر ؟ اور فرض نماز کے بعد جب سنتیں بھی پڑھنی ہوں تو دعا اختصار سے ہو یا طویل ؟ بعض لوگ بہت ہی مختصر اور عجلت میں دعا مانگتے ہیں۔

الجواب:-

جن فرضوں کے بعد سنت موکدہ ہیں، ان کے بعد صرف اللھم انت السلام (تا) یاذاالجلال والاکرام۔ یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے، اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہیے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔

نماز کے بعد امام کے ساتھ دعا مانگنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
نماز کے بعد دعا مانگنے کا افضل طریقہ کیا ہے؟ کیا فرض کے علاوہ سنت اور نفل نماز کے بعد بھی

امام کے ساتھ دعا مانگی چاہیے یا الگ مانگی جائے؟ امام صاحب کو دعا باآواز بلند مانگنی چاہیے یا آہستہ، اگر امام صاحب باآواز بلند دعا مانگیں تو کم از کم کتنی بلند آواز ہونی چاہیے سب مقتدی سن سکیں یا چند ایک سن لیں تو کافی ہے۔ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔

سائلین: صوفی ریاض خاں، محمد اکبر خاں، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

حصن حصین میں دعا کی قبولیت کے جو اوقات ذکر کیے ہیں، ان میں یہ بھی ہے:

وبعد کل عمل صالح

یعنی ہر نیک کام کے بعد بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

بخاری میں "فاذا فرغت فانصب" کی تفسیر میں ہے:

وقال مجاہد فانصب فی حاجتک

(جلد (۲) کتاب التفسیر، سورۃ الم نشرح)

اس پر امام قسطلانی شارح بخاری نے لکھا:

فانصب الی ربک فی الدعاء وارغب الیہ فی المسئلۃ

دعا میں اپنے رب کی طرف عاجزی کرو اور مشکل میں اس کی طرف رجوع کرو۔ لہٰذا نماز کے بعد دعا کرنی چاہیے۔ "حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح" میں ہے کہ:

امام کے لئے مستحب ہے کہ جب فرض اور سنتوں سے فارغ ہو جائے تو قوم کے ساتھ مل کر دعا کرے، تو جب امام قوم کے ساتھ دعا کرے تو آواز بلند کرے کہ سب مقتدی سن لیں اور آمین کہہ کر وہ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔

دعائے ثانی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نماز کے بعد دعائے ثانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ دعا میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ ایسا امام جو دعا ثانی اور درود شریف پڑھنے سے منع کرے اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

سائل: اشتیاق احمد سلطانی

الجواب:-

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں حکم دیا:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ○

(سورۃ(۴۰)غافر،آیت:۶۰)

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

اس میں کسی وقت کی قید نہیں لگائی۔ لہٰذا مسلمان ہر وقت دعا کرسکتا ہے حصن حصین میں دعا کی قبولیت کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ ان میں ایک وقت یہ بیان کیا:

بعد کل عمل صالح

ہر نیک کام کے بعد۔

نماز اعلیٰ درجے کی نیکی ہے اس کے بعد دعا کرنا مستحسن ہے۔ الشیخ حسن بن علی الشرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ نے نور الایضاح میں لکھا:

و یستحب للامام بعد سلامہ ان یتحول الی یسارہ لتطوع بعد الفرض و ان یستقبل بعدہ الناس و یستغفرون اللہ و یقرؤن آیۃ الکرسی و المعوذات و یسبحون اللہ ثلاثا و ثلاثین و یحمدونہ کذلک و یکبرونہ کذلک ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شئی قدیر ثم یدعون لانفسھم و للمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحون بھا وجوھھم فی آخرہ

(کتاب الصلوۃ،فصل فی الاذکار الواردۃ بعد الفرض،صفحہ:۸۰،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ فرض سے سلام پھیرنے کے بعد نوافل کے لئے بائیں جانب ہٹ جائے، بعد ازیں لوگوں کی طرف منہ کرے۔ پھر اللہ سے استغفار کریں، آیۃ الکرسی، معوذتین (سورۃ الفلق وسورۃ الناس) کی تلاوت کریں اور تینتیس تینتیس مرتبہ "سبحان اللہ"، "الحمد للہ"، "اللہ اکبر" کا ورد کریں۔ پھر "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" پڑھ کر اپنے لئے اور دیگر تمام مسلمانوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں اور آخر میں ہاتھ اپنے چہروں پر پھیر لیں۔

اور صاحب مراقی الفلاح "ان یستقبل بعدہ الناس" کے تحت لکھتے ہیں:

ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ

(کتاب الصلوۃ،فصل فی صفۃ الاذکار،صفحہ:۱۷۱،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ نوافل اور فرائض کے بعد اگر فرائض کے بعد نوافل نہ ہوں تو لوگوں کی طرف منہ کرے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں :

ثم یختمون بقولہ تعالٰی سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الآیۃ
(مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی صفۃ الاذکار، صفحہ:۱۷۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)
یعنی پھر اللہ کے اس فرمان پاک پر (دعا) کو ختم کریں:
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ٥ اختتام سورۃ تک۔
قرآن کے اطلاق اور فقہ حنفی کی اس تصریح کے بعد قوم اور امام نماز سے فارغ ہو کہ اگر سنتیں ہیں تو سنتیں بھی پڑھ کر ملکر دعا کریں۔ جو شخص دعا ثانی کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کے اطلاق کو باطل کرتا ہے اور فقہ حنفی کا انکار کرتا ہے اور مسلمانوں میں انتشار اور تفریق پیدا کرتا ہے۔
علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں حصن حصین کے حوالے سے لکھا کہ جس دعا کے اول و آخر اور درمیان میں درود شریف پڑھا جائے گا وہ دعا قابل قبول ہوتی ہے۔
(جلد (۱) باب صفۃ الصلوۃ، مطلب نص العلماء علی استحباب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مواضع، صفحہ:۳۸۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

باآواز بلند دعا کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
زید کہتا ہے کہ " فرض نمازوں کے بعد جہر کے ساتھ دعا مانگنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اور جہر سے دعا خلاف سنت ہے "۔ براہ کرم آپ ارشاد فرمائیں کہ زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:-

جہر سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ دعا بالجہر حدیث سے ثابت نہیں ہے، غلط ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں ایسی دعائیں بھی منقول ہیں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہراً کی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کی

ہیں۔ مسلم شریف میں ہے ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کے وقت جماعت کی اطلاع دی تو حضور نے نماز پڑھائی اور حضور نے یہ دعا کی تھی :

اللھم اجعل فی قلبی نوراً الی اخرہ

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دعائہ باللیل، صفحہ: ۲۶۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت ابن عباس کم عمر تھے ۔ لہٰذا آخری صفوں میں شریک ہوتے تھے ، انہوں نے دعا سن لی ۔ تو پتا چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد جہر سے دعا کرتے تھے ۔ اور جہر اتنا ہو کہ مسجد میں نمازی حضرات سن لیں ۔

دعائیہ آیات قرآنیہ میں اضافہ کرنا

الاستفتاء:-

سورہ ابراہیم میں ہے :

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ۝

(سورۃ (۱۴) ابراھیم، آیات: ۴۱،۴۰) لیکن بعض ائمہ کرام "والوالدی" کے بعد ولاستاذی ولمن تلذفی کماربیانی صغیراً کا اضافہ کرتے ہیں ۔ کیا یہ قرآن میں اضافہ و ترمیم نہیں ہے ؟ اس سلسلے میں آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں ۔ عین نوازش ہوگی ۔

سائل : ستو خاں ، کورنگی ، کراچی

الجواب:-

یہ آیت دعا کے طور پر جب پڑھی جاتی ہے تو اس وقت تلاوت کا قصد (ارادہ) نہیں ہوتا ہے ۔ لہٰذا اگر اس آیت میں اور بھی مسلمانوں کا مغفرت کے حوالے سے تذکرہ کیا جائے تو یہ جائز ہے ۔ اور ایسا اضافہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔

ذکرِ خفی اور ذکر بالجہر کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:
ایک شخص ذکر بالجہر کرتا ہے اور دوسرا ذکر خفی۔ وضاحت فرمائیں کہ ذکر بالجہر افضل ہے یا ذکر بالخفی؟

سائل: خالد، متعلم، دار العلوم امجدیہ

الجواب:-

حدیث شریف میں ہے:

و عن ابی قتادہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذا ھو بابی بکر یصلی یخفض من صوتہ و مر بعمر و ھو یصلی رافعا صوتہ قال فلما اجتمعا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ابابکر مررت بک و انت تصلیت خفض صوتک قال قد اسمعت من ناجیت یا رسول اللہ و قال لعمر مررت بک و انت تصلی رافعاً صوتک فقال یا رسول اللہ اوقظ الوسنان و اطرد الشیطان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر ارفع من صوتک شیئاً و قال لعمر اخفض من صوتک شیاء رواہ ابو داؤد و ترمذی

(مشکوٰۃ المصابیح، باب صلوۃ اللیل، الفصل الثانی، صفحہ: ۱۰۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت ابی قتادہ کہتے ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن آہستہ پڑھ رہے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن زور سے پڑھ رہے ہیں اس کے بعد دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو بکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تھا تو تم نماز میں قرآن آہستہ پڑھ رہے تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کو سنا دیا جس سے مناجات کر رہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر تم آواز کچھ بلند کرو اور عمر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ کم کرو۔ یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آہستہ اور باآواز بلند دونوں طرح ذکر کرنا جائز ہے۔ اسی بناء پر ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ کچھ احادیث سے جہر کی فضیلت ثابت ہے اور کچھ احادیث سے ذکر خفی کی۔

ان میں مطابقت اس طرح پیدا کی گئی ہے کہ اشخاص اور احوال کے بدلنے سے یہ فضیلت بدل جاتی ہے۔ لہذا جہر میں عمل زیادہ ہے، سامعین کو بھی اس کا فائدہ پہنچتا ہے، ذاکرین کا قلب بیدار ہوتا ہے، ان کی توجہ اور سماعت ذکر ہی کی طرف ہوتی ہے، جس سے نیند چلی جاتی ہے اور فرحت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اس لئے علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں حضرت امام شعرانی کا قول نقل کیا:

اجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد و غیرھا الاان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او قاریء

(جلد (۱) باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، صفحہ: ۴۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی پہلے اور بعد کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ ذکر کرنا مستحب ہے مگر اس صورت میں جب کہ ان کے جہر سے سونے والے، نماز پڑھنے والے اور قرآن کی تلاوت کرنے والوں کے معاملات میں خلل واقع نہ ہو۔

لہٰذا دونوں حالتوں میں ذکر کے احکام الگ الگ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

فرض نماز کے بعد نمازیوں کا تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا باآواز بلند ورد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کچھ نمازی جماعت میں بعد میں شریک ہوں اور وہ اپنی باقی نماز ادا کر رہے ہوں۔ بقول ان نمازیوں کے جو کہ اپنی بقیہ نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں، کلمہ طیبہ کا باآواز بلند ورد کرنے سے، ان کی نماز میں خلل ہوتا ہے۔ جبکہ مسجد ھذا میں ذکر بالجہر ایک عرصہ سے ہو رہا ہے۔ اب کچھ لوگوں نے اعتراض شروع کردیا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ذکر بالجہر کا سلسلہ جاری رکھا جائے یا بند کر دیا جائے؟

سائل: حاجی محمد کاتھی، صدر نورانی مسجد، ۱۱ جی، نیو کراچی

الجواب:-

ہمیشہ سے علماء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ مسجدوں میں اجتماعی طور پر ذکر بالجہر جائز ہے۔

حدیث میں ہے:

وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہم رواہ الشیخان

(بخاری، جلد (۲) کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم التوحید، باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ، صفحہ: ۱۱۰۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اگر (میرا بندہ) مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔

لیکن ذکر بالجہر کرنے والے کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی نماز پڑھنے والے، تلاوت کرنے یا سونے والے کو ان کے جہر سے تشویش و پریشانی نہ ہو لہذا نمازیوں میں جب کوئی مسبوق بھی ہو تو جہر میں زیادتی (شدت) نہ کریں۔

مساجد تو عبادت و ذکر الٰہی کے لئے بنائی گئی ہیں، ان میں ذکر کو روکنے والے قرآن کریم کی اس وعید میں داخل ہیں۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۱۱۴)

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکتا ہے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرتا ہے۔

جب اس مسجد میں پہلے سے ذکر بالجہر ہو رہا ہے اور لوگوں کو اعتراض نہ تھا تو اب کوئی نئی شریعت تو نہیں آئی اعتراض کی کیا وجہ ہے؟ منع کرنے والوں کا منشاء مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔

دعا میں وسیلہ پکڑنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری مسجد کے امام صاحب اور موذن صاحب فرض نماز کے بعد یہ دعا مانگتے ہیں " یا اللہ کرم کیجئے مصطفیٰ کے واسطے، یا رسول اللہ رحم کیجئے خدا کے واسطے " اس دعا کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ چاہئے کہ اس طرح دعا مانگنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ اور برائے مہربانی یہ بھی بتائیں کہ یہ دعا مانگنا شرک ہے یا نہیں۔

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

و ابتغوا الیہ الوسیلۃ

(سورہ (۵) المائدہ، آیت: ۳۵)

یعنی اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور حدیث شریف میں آداب دعا سکھاتے ہوئے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

و یدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ

(ابن ماجہ، ما جاء فی قیام شھر رمضان، باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجۃ، صفحہ: ۹۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور وہ یہ دعا کرے " اے اللہ بیشک میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اور میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں "۔
اس حدیث مبارک میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وسیلے سے دعا کرنے کے لئے فرمایا۔
اس سے ثابت ہوا کہ وسیلے سے دعا کرنا آداب دعاء میں سے ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ کے ساتھ دعا کرنا جائز ہے۔ اور ان کلمات سے دعا کرنے کو شرک سمجھنا جہالت و گمراہی ہے۔

سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:
سنت و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد آخر میں اجتماعی دعا مانگنا امام کے لئے فرض ہے، واجب ہے، یا مستحب؟ اگر مستحب ہے تو کیا ترک پر امام کو آخری دعا کرنے کے لئے مجبور کرنا یا اس پر اعتراض کرنا شرعاً درست ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

"ادعونی استجب لکم"

(سورہ (۴۰) المومن، آیت: ۶۰)

یعنی مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اس میں کسی وقت کی قید نہیں لگائی ۔ لہذا مسلمان ہر وقت دعا کر سکتا ہے ۔ حصن حصین میں ہے دعا کے قبولیت کے اوقات بتائے ہیں ان میں بیان فرمایا ۔

و بعد کل عمل صالح

یعنی ہر نیک کام کرنے کے بعد ۔

نماز اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے ، اس کے بعد دعا کرنا مستحسن ہے ۔ علامہ الشیخ حسن بن علی الشرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اپنی مایہ ناز تصنیف نور الایضاح میں لکھا :

و یستحب للامام بعد سلامہ ان یتحول الی یسارہ لتطوع بعد الفرض و ان یستقبل بعدہ الناس و یستغفرون اللہ و یقرؤن آیۃ الکرسی و المعوذات و یسبحون اللہ ثلاثا و ثلاثین و یحمدونہ کذلک و یکبرونہ کذلک ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ہو علی کل شئی قدیرثم یدعون لانفسھم و للمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحون بھا وجوھھم فی آخرہ

(کتاب الصلوۃ، فصل فی الاذکار الواردۃ بعد الفرض، صفحہ: ۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد نوافل کے لئے بائیں جانب ہٹ جائے ، بعد ازیں لوگوں کی طرف منہ کرے ۔ پھر اللہ سے استغفار کریں ، آیۃ الکرسی ، معوذتین (سورۃ الفلق و سورۃ الناس) کی تلاوت کریں اور تینتیس تینتیس مرتبہ " سبحان اللہ " ، " الحمد للہ " ، " اللہ اکبر " کا ورد کریں ۔ پھر " لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر " پڑھ کر اپنے لئے اور دیگر تمام مسلمانوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں اور آخر میں ہاتھ اپنے چہروں پر پھیر لیں ۔

اور صاحب مراقی الفلاح شارح نور الایضاح نے نور الایضاح کی عبارت " ان یستقبل بعدہ " کے تحت لکھا :

ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ

(کتاب الصلوۃ، فصل فی صفۃ الاذکار، صفحہ: ۱۷۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ نوافل اور فرائض کے بعد اگر فرائض کے بعد نوافل نہ ہوں تو لوگوں کی طرف منہ کرے ۔

آگے چل کر فرماتے ہیں :

ثم یختمون بقولہ تعالی سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الایۃ

(مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی صفۃ الاذکار، صفحہ: ۱۷۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی پھر اللہ کے اس فرمان پاک پر (دعا) کو ختم کریں :

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ٥ اختتام سورۃ تک۔

قرآن کے اطلاق اور فقہ حنفی کی اس تصریح کے بعد قوم اور امام نماز سے فارغ ہو کہ اگر سنتیں ہیں تو سنتیں بھی پڑھ کر مکرر دعا کریں۔ جو شخص دعائے ثانی کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کے اطلاق کو باطل کرتا ہے اور فقہ حنفی کا انکار کرتا ہے اور مسلمانوں میں انتشار اور تفریق پیدا کرتا ہے۔ دعائے ثانی مستحب ہے، لیکن آج کل دیوبندیوں نے دعائے ثانی کو ممنوع قرار دے رکھا ہے اس لئے اب یہ دعا "سنیت" کی علامت ہے۔ اور نہ کرنا "وہابیت" کی علامت بن گئی۔ اس لئے تمام ائمہ اہلسنت کو دعاء ثانی مانگنی چاہئے۔

قضاء نمازوں کا بیان

کیا تمام قضا نمازیں پڑھنا ضروری ہیں یا صرف قضائے عمری پڑھ لے؟

الاستفتاء:-

موجودہ عمر کے حساب سے تمام قضا شدہ نمازوں کا حساب لگا کر تمام فرض نماز اور روزہ ادا کرنا ضروری ہے یا پھر نماز قضائے عمری پڑھنے سے سابقہ فوت شدہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ قضائے عمری ادا کرنے کا طریقہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب:-

حساب کر کے جتنی نمازیں ادا نہیں کیں انہیں قضا کرے (پڑھے) قضا فرض و وتر کی، کی جائے گی۔ نمازیں پوری کر دینے سے مطالبہ نماز ختم ہو جاتا ہے۔ مگر نماز وقت پر نہ پڑھنے کا گناہ باقی رہتا ہے اور توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ سمجھئے کہ آپ کے ذمہ کسی کا قرض ہے اور اس کی ادائیگی کا وقت مقرر ہے آپ نے یہ قرض وقت مقرر پر ادا نہ کیا اس کا ادا کرنا بہر حال فرض ہے جب وقت گزرنے کے بعد ادا کریں گے تو فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے مگر قرض خواہ سے معذرت کرنا ہوگی کہ میں وقت پر آپ کا قرض ادا نہ کرسکا، مجھے معاف فرمائیں ہر قضا نماز کے وقت نیت میں یہ کہے کہ میرے ذمہ جتنی فرض نمازیں باقی ہیں ان میں سے پہلی ادا کر رہا ہوں اسی طرح ہر نماز کی قضا کی نیت کرے اگر قضا نمازوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ کر سکتا ہے کہ ظہر، عصر،

مغرب اور عشاء کی قضا میں آخری رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے۔
بعض علاقوں میں جو یہ مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کو چند رکعات نماز قضائے عمری کی نیت سے پڑھتے ہیں اور خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ پوری عمر کی قضا نمازوں کے قائم مقام ہے، یہ غلط ہے۔ جتنی بھی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کو الگ الگ پڑھنا ضروری ہے۔

قضاء نمازوں کی یومیہ رکعات

الاستفتاء:-

اگر قضائے عمری سابقہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کو پُر نہ کرسکے تو ایسی صورت میں درج ذیل چارٹ کے مطابق نماز پڑھنا تاکہ سابقہ کوتاہی کی تلافی ممکن ہوسکے، کیسا ہے؟ فجر ۲، ظہر ۴، عصر ۴، مغرب ۳، عشاء ۷، اس طرح ۲۰ رکعت روزانہ ۱۵ سال کی ۱۰۹۵۰۰ رکعت بنتی ہیں۔

الجواب:-

قضاء نمازوں کو پڑھنے میں جلدی کرنا چاہیے مذکورہ صورت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

وقتی سنن و نوافل کو چھوڑ کر قضا نمازیں پڑھنا

الاستفتاء:-

موجودہ وقت کی نماز میں صرف فرض ادا کریں اور سنن و نوافل ترک کرکے سابقہ فوت شدہ فرائض اور وتر پڑھے جاسکتے ہیں۔ نیز کیا پروردگار عالم ادا شدہ نفلوں کو فرض کی کمی کو پورا کرنے کے لیے استعمال میں لائیں گے؟ کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے کہ فرض کی کمی کو نفل سے پورا کرلیا جائے۔

سائل: اقبال احمد صابون والا

الجواب:-

نفل کو چھوڑا جاسکتا ہے لیکن سنت موکدہ کو نہیں۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جس قسم کی فرض عبادت مکلف کے ذمہ باقی ہوگی اس قسم کی نفلی عبادت و طاعت معلق رہتی ہے جب تک فرض ادا نہ کرے وہ قبول

نہیں ہوتی ۔ جس پر فرض نمازیں باقی ہیں اس کی نفل نماز قبول نہیں ہوگی ۔ اسی طرح جس پر فرض روزے باقی ہیں اسکے نفلی روزے قبول نہیں ۔ دوسری عبادات کو بھی اسی پر قیاس کریں ۔ اور نیکیوں میں بھی یہی قانون ہے اور ہمیں قانون پر عمل کرنا ضروری ہے ۔ بعض احادیث میں یہ بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بندہ پر فضل فرمائے گا تو اسکے نوافل کو فرائض کی جگہ قبول فرمالے گا۔ لہذا ہمیں قانون پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھنی چاہیے ۔

الاستفتاء:-

مکرمی جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم

میری بے شمار نمازیں (تقریباً ۲۵ سال کی) چھوٹی ہوئی ہیں ، ان قضاء نمازوں کی ادائیگی کی کوشش کر رہا ہوں ۔ لیکن اپنی مستقل بیماری (پٹھوں کی نا قابل اصلاح مہلک بیماری) کی وجہ سے ۱۰ رکعت روزانہ سے زیادہ پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ اکثر تو ان کی ادائیگی بھی کئی کئی مہینوں کے لیے بند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں ۔ یکم رمضان المبارک سے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا فضل و کرم کیا کہ وقتی فرائض اور سنن موکدہ کے علاوہ ادا فرضوں اور موکدہ سنتوں کے ساتھ ساتھ چالیس رکعتوں کی قضاء بھی پڑھنا میسر ہو رہا ہے ۔ لیکن یہ آسانی شاید زیادہ دن قائم نہ رہے اور باقی ماندہ متوقع زندگی اتنی نہ ہو کہ تمام چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا ادا کر سکوں اس لیے براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دے کر گناہ گار کی راہ نمائی فرمائیں ۔

کیا میں ہر فرض و واجب نماز کے ساتھ جو موکدہ سنتیں پڑھتا ہوں انہیں چھوٹے ہوئے فرضوں کی قضا کے طور پر پڑھ سکتا ہوں اس طرح روزانہ ۱۲ رکعتیں قضاء ادائیگی ہو سکتی ہے ۔ رمضان شریف کی ۲۰ رکعتیں تراویح گھر پر قضاء نماز کی ادائیگی کے طور پر پڑھ سکتا ہوں اگر پڑھ سکتا ہوں تو کیا دو دو رکعت کی ہی نیت کرنا ہوگی (فجر کی فرض نمازوں کی قضا ادا ہو سکتی ہے) یا تین تین اور چار چار رکعت والی نمازوں کی بھی قضا پڑھی جا سکتی ہے گزشتہ سال حج کے دوران مقامات مقدسہ (مثلاً مسجد قباء) کی زیارت کے موقع پر نفل نمازوں کو فرضوں کی قضا کی نیت سے پڑھیں اس طرح حرم شریف میں تہجد کی نمازیں بھی قضا فرض واجب کی ادائیگی کی نیت سے پڑھیں ۔ کیا میں نے درست کیا اور کیا آئندہ بھی اگر زندگی اور صحت نے وفا کی تو ایسا کر سکتا ہوں ؟

ادا نمازیں پڑھنے کے بعد اکثر ایسا تھک جاتا ہوں کہ قضاء نمازوں کی دو رکعت بھی پڑھنا محال ہو جاتا ہے ایسی حالت میں کیا میں بیٹھ کر قضا نمازیں پڑھ سکتا ہوں ، میری کوشش قضاء نمازوں کی ادائیگی کی ہے اور لاحق مشکلات کے پیش نظر آپ کوئی مفید مشورہ دینا پسند کریں گے ؟

سائل : وسیم عباس حنفی

الجواب:-

قضاء ہر روز کی صرف ۲۰ رکعتوں کی ہے دو فرض فجر، چار ظہر، چار فرض عصر، تین فرض مغرب، چار عشاء کے اور تین وتر۔ ان کی نیت اس طرح کریں کہ نیت کی میں نے پہلی فجر کی جو مجھ سے قضاء ہوئی اسی طرح ظہر میں پہلی ظہر جو میرے ذمہ باقی ہے، اسی طرح ہر نماز میں نیت کریں قضاء نمازوں کی کثرت کے پیش نظر شریعت میں ایسے شخص کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ رکوع سجدے میں تین بار تسبیح پڑھنے کے بجائے صرف ایک مرتبہ رکوع اور سجدہ کی تسبیح پڑھنے پر اکتفا کرے۔ دوسری تخفیف زیادہ قضا والے کے لیے یہ بھی ہے کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے تین مرتبہ " سبحان اللہ " پڑھ کر رکوع کرے۔ تیسری آسانی یہ ہے کہ آخری التحیات کے بعد دونوں درود ابراہیمی اور دعا کی جگہ " اللھم صلی علی محمد والہ " پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ چوتھی صورت آسانی کی یہ ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں " اللہ اکبر " کہہ کر دعاء قنوت کی جگہ تین بار " رب اغفرلی " کہے۔

سنت غیر موکدہ کے بجائے آپ قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں غیر موکدہ پڑھنے کا ثواب ہے اور نہ پڑھنے کا گناہ نہیں اور سنت موکدہ تو آپ پڑھیں انہیں چھوڑ نہیں سکتے کہ ان کے ترک کرنے پر گناہ ہے ہاں ان کے ادا کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہو تو قضاء نماز پڑھ لیں ظہر کے فرضوں سے پہلے جو چار سنتیں ہیں یہ موکدہ ہیں اور عصر اور عشاء کے فرضوں سے پہلے جو سنتیں ہیں یہ غیر موکدہ ہیں۔ تراویح سنت موکدہ ہے، ان کی جگہ قضا نماز نہیں پڑھ سکتے۔ قضاء نمازوں کا جلد از جلد ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا آپ نے جو قضاء نمازیں پڑھیں یہ درست کیا نماز فرض و واجب میں قیام ضروری ہے اگر کسی سہارے کے ساتھ قیام کر سکتے ہوں تو فرض ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھیں اگر کچھ دیر بھی کھڑے ہو سکتے ہوں اگرچہ اتنا ہی سہی کہ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ لیں تو فرض ہے کہ کھڑے ہو کر کہیں اس کے بعد بیٹھ جائیں۔

صاحب ترتیب کے لیے قضا نماز کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے عشاء کے بعد وتر نہیں پڑھے اس لیے کہ تہجد کے وقت پڑھے گا لیکن اتفاق سے تہجد کے لیے نہ اٹھ سکا اور وتر قضا ہو گئے اب یہ وتر کس وقت پڑھے گا؟

سائل: مولوی معین الدین، فیصل آباد

الجواب:-

صاحب ترتیب کے لیے فرض اور وتر دونوں میں ترتیب ضروری ہے۔ جب تک پہلی نماز نہیں پڑھے گا۔ دوسری نہ ہوگی۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عالمگیری میں لکھا:

الترتیب بین الفائتة و الوقتیة و بین الفوائت مستحق و کذا بین الفروض و الوتر

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت، صفحہ: ۱۲۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی فوت شدہ اور وقتی یا ایک سے زیادہ فوت شدہ نمازیں ہوں تو ان میں ترتیب واجب ہے اور اسی طرح فرض و وتر میں بھی۔ لہذا جس شخص نے وتر نہ پڑھے ہوں اور صاحب ترتیب ہو تو وہ پہلے وتر قضا پڑھے اس کے بعد فجر کی نماز پڑھے گا۔ اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہے تو وہ فجر سے پہلے یا فجر کے بعد جب چاہے پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نمازِ مسافر کا بیان

مسافرِ شرعی کی تعریف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کہ بارے میں کہ:

ایک مسافر ۱۲۰۰ میل کے راستہ پر جا رہا ہے۔ مسافر یہ بھی جانتا ہے کہ یہ سفر دو دن، ایک رات کا ہے۔ یہ سفر ریل گاڑی یا بس کے ذریعہ ہے اس لیے اس میں تین دن پورے نہیں ہوتے جو کہ مسافر ہونے کے لیے شرط ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ مسافر نماز قصر پڑھے گا یا کہ پوری۔

از راہ کرم فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلے کا حل تلاش کر کے مجھے تفصیل سے لکھ دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہم اور ہمارا پورا خاندان آپ کے واسطے دعائے خیر کرے گا۔

سائل: محمد صدیق قریشی، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

مسافرِ شرعی وہ ہے، جو تین دن اور تین رات کی مسافت کے لیے بہ نیت سفر گھر سے نکلا۔ شریعت میں ساڑھے ستاون میل اس مسافت کی کم از کم حد متعین کی ہے اور اس کے طے کرنے میں اونٹ کی سواری کا اعتبار ہوگا نا کہ کسی دوسری قسم کی سواری کا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ مسافر ہیں اور نماز قصر پڑھیں گے۔

مسافر کیلئے چند صورتیں

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص بغرض ملازمت اپنے وطن اصلی سے ترک سکونت کئے بغیر شرعی سفر کے مطابق اپنے وطن اصلی سے دور رہتا ہے۔ ایک جمعرات چھوڑ کر دوسری جمعرات کو وطن اصلی آتا ہے تو اس طرح ملازمت والی جگہ پر قیام کا دورانیہ تیرہ دن کا بنتا ہے۔ کیونکہ حاضری اس کی پھر ہفتہ سے ہوتی ہے ایسا آدمی اپنی جائے ملازمت پر مسافر قرار دیا جائے گا یا مقیم؟ مقیم وطن اقامت ہوگا یا وطن اقامت کے ساتھ مقیم ہوتے ہوئے اس دوران کہیں جانے کا پروگرام طے پایا اور چلا گیا شرعی مسافت پر واپسی اپنی جائے ملازمت پر اقامت کے لیے نیت جدید ضروری اور لازمی ہوگی یا نہیں اگر نیت جدید لازم نہیں ہے تو پھر اس کلیہ احناف کا کیا مطلب ہوگا کہ " اوطان متعبرہ اپنی مثل اور اپنے سے اعلیٰ کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں نہ کہ ادنیٰ کے ساتھ مگر وطن اقامت وطن اصلی اور سفر سے باطل ہوجاتا ہے " مسافر قرار پانے کے صورت میں وجوب قصر جانتے ہوئے مقیم مقتدیوں کو مکمل نماز پڑھاتا ہے قصر نہیں کرتا تو کیا مقتدی مقیم کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟ کہیں اقتداء المفترض خلف المتنفل تو لازم نہیں آئے گا۔

ایسا ملازم آدمی اقامت و سفر کے بارے میں نیت خود کر سکتا ہے یا کسی کے تابع۔ اگر کسی دوسرے کے تابع ہے اس کی اپنی نیت غیر معتبر ہے تو سرکاری و غیر سرکاری نجی اداروں کے کون کون سے مناصب پر فائز حضرات اس کے متبوع قرار پاتے ہیں تعین فرما دیجئے۔ نیت اقامت و سفر تابع اور متبوع کا ایک ہی سفر میں ہونا لازمی تو نہیں مذہب حنفیہ کی معتبر کتب کے حوالہ جات اور دلائل واضحہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

اگر دوبارہ تیرہ دن کے قیام کا یقینی علم ہونے کے باوصف (تحکماً علی القلب بالتکلف) پندرہ دن سے زیادہ کی نیت کرے کیا مقیم ہو جائے گا اور دلی ارادہ کو دبا کر ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب:-

صورت مسئولہ میں ایسا شخص مسافر کہلائے گا وطن اقامت بنا لینے کے بعد پھر اگر یہ شخص سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کو پھر اسی جگہ واپسی پر نیت جدیدہ کرنا ضروری ہوگی۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی دو رکعت پڑھنے کے بعد اپنی باقی دو رکعت پوری کرے اور اگر یہی مسافر امام چار رکعت پڑھائے گا تو مقیم مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس بارے میں شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو

شخص اپنے اختیار سے اقامت کر سکتا ہے تو وہ اپنی نیت اقامت سے مقیم ہو جائے گا اور جو شخص اپنے اختیار سے اقامت نہ کر سکے تو وہ اپنی اقامت کی نیت سے مقیم نہیں ہوگا۔ نیت ارادہ قلبی کا نام ہے۔لہذا جس نے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ مسافر ہے اس کے خلاف تکلفاً مقیم کے احکام پر مقیم نہیں ہوگا۔

وطن اصلی اور وطن اقامت میں نماز قصر کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب !
دارالعلوم امجدیہ ، کراچی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں عرصہ ۱۶ سال سے مع اہل وعیال کراچی میں رہ رہا ہوں جبکہ میری مستقل رہائش یعنی میرے والدین خانیوال کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ اب میرا تبادلہ لاہور ہوگیا ہے۔ میں فی الحال اکیلا لاہور جا رہا ہوں اور کچھ دنوں بعد یعنی تقریباً ۱۵ دن بعد کراچی آنے کا ارادہ ہے تاکہ اپنی فیملی کو لے جا سکوں۔ مندرجہ ذیل سوالات کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) کیا میں اس عرصہ میں لاہور میں مسافر تصور ہوں گا یا نہیں ؟

(۲) اگر کراچی سے لاہور جاتے ہوئے راستے میں خانیوال ایک یا دو دن کے لیے قیام کروں تو میں قصر پڑھوں یا پوری نماز ؟

(۳) لاہور سے واپس کراچی اپنی فیملی لینے آؤں تو کیا اس وقت میں مسافر ہوں گا یا نہیں یعنی قصر پڑھوں یا پوری نماز ؟

(۴) کیا جب سے میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے تو میں اس وقت سے قصر پڑھوں گا یا ریل گاڑی میں بیٹھنے کے بعد مسافرت شروع ہوگی ؟

سائل : عبدالستار رانا ، سول ایوی ایشن اتھارٹی

الجواب:-

(۱) پندرہ دن کے ارادہ سے جب آپ کراچی سے لاہور کے لیے روانہ ہوں گے تو راستہ میں قصر نماز پڑھیں گے اور لاہور پہنچ کر پندرہ دن کی نیت اقامت کر لینے کے بعد پوری نماز پڑھیں گے۔

(۲) ایک جگہ پندرہ دن رہنے کی نیت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔ لہذا لاہور جاتے ہوئے ، جو آپ

خانیوال اپنے والدین کے پاس ایک یا دو دن رکیں گے تو ایسی صورت میں مسافر ہی رہیں گے۔
(۳) جب آپ کراچی میں مقیم تھے تو ایک دن کے لیے ہی کراچی آئے تو آپ پوری نماز پڑھیں گے۔
(۴) جب سفر شروع کر دیں اور شہر سے باہر ہو جائیں گے تو آپ مسافر ہوں گے۔

ذاتی پراپرٹی اور مستقل رہائش کے مختلف ہونے کی وجہ سے قصر پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ائمہ مجتہدین اس مسئلے میں کہ:
ایک شخص نے اپنا آبائی گاؤں جہاں اس کا اپنا مکان ہے اور رشتہ دار بھی ہیں، اس لیے چھوڑا کہ وہ معاش تلاش کرے۔ چنانچہ اپنے آبائی گاؤں سے ایک ہزار میل دور اس نے ملازمت اختیار کی اور مع اہل و عیال سکونت پذیر ہو گیا۔ جب کسی کام کے لیے آبائی گاؤں جاتا ہے، اگر وہاں پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کرے تو آیا نماز قصر پڑھے گا یا پوری؟ شخص مذکور کو ملازمت اختیار کئے ہوئے کم از کم گیارہ سال ہو گئے ہیں اس دوران جب بھی وہ اپنے آبائی گاؤں گیا عارضی طور ہی گیا ہے۔ ایسا شخص اپنے آبائی گاؤں میں جا کر مسافر کہلائے گا یا مقیم؟
سائل: محمود حسین، کراچی

الجواب:-

جب گاؤں سے سکونت ترک کر کے دوسری جگہ سکونت اختیار کر لی اور مع اہل و عیال یہاں رہنے لگا، تو اس جگہ مقیم ہو گیا۔ گاؤں میں مکان اور رشتے داروں کے ہونے سے یہ وہاں کا باشندہ شمار نہ ہوگا۔ لہذا جب پندرہ دن کے رہنے کے ارادہ سے گاؤں جائے گا تو نماز پوری پڑھے گا۔ اس سے کم رہنے کے ارادہ سے جائے گا تو قصر پڑھے گا۔ آتے جاتے راستے میں بہر حال قصر پڑھے گا۔

کیا بالغ شخص وطن کے معاملہ میں والدین کا تابع ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
زید کی جائے پیدائش کراچی ہے اور اس کے والدین بھی کراچی میں مقیم تھے۔ الحمد للہ زید عاقل بالغ

ہے ۔ اور اس وقت اس کی عمر تقریباً ۲۹ سال ہو چکی ہے ۔ زید کے والد صاحب انتقال کر چکے ہیں۔ ابھی ۱۵ ماہ کے قریب زید کی والدہ ماجدہ نے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ کراچی سے ٹھٹھہ ، سندھ میں رہائش اختیار کرلی ہے ۔ زید تنہا کراچی میں ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر ہے اور غیر شادی شدہ ہے ۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید کا وطن اصلی کونسا ہے ؟ اگر وہ اپنی والدہ سے ملنے ٹھٹھہ جاتا ہے تو کیا وہاں نماز قصر کرے گا یا پوری ؟

الجواب:-

وطن اور رہائش کے معاملہ میں بالغ اولاد ماں باپ کی وطنیت کے تابع نہیں ہوتی ہے ۔ ماں نے ٹھٹھ میں رہائش اختیار کر کے اس کو اپنا وطن بنالیا تو اس وجہ سے ٹھٹھ بیٹے کے لیے وطن نہیں بنے گا جبکہ بیٹے نے کراچی میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرلی ہے ۔ لہذا جب وہ ٹھٹھ جائے ، تو وہاں قصر کرے گا اور اگر زید نے کراچی میں مستقل رہائش اختیار نہیں کی ہے بلکہ ارادہ یہی ہے کہ ماں کے ساتھ ٹھٹھ میں رہائش اختیار کرے گا اور کراچی میں ملازمت کی وجہ سے عارضی طور پر رہے گا تو اب ٹھٹھ میں جانے سے مسافر نہ ہوگا۔

جائے ملازمت پر پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں نماز قصر کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلے کے سلسلہ میں آپ سے شرعی فتویٰ دریافت کررہا ہوں جواب دے کر ممنون فرمائیں کہ :

زید بسلسلہ ملازمت حالت سفر میں رہتا ہے ۔ جس کے وطن اصلی اور جائے ملازمت کے درمیان کم از کم ایک سو میل کا فاصلہ ہے ۔ ہر ہفتہ وہ اپنے وطن اصلی آکر ایک یا دو راتیں گزار کر واپس جائے ملازمت پر پہنچ جاتا ہے ۔ یہ واضح رہے کہ زید کی ملازمت مستقل ہے تاہم وہ وہاں پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کرتا ہے ۔ صورت مسئولہ میں آیا اس کو نیت اقامت کرنا ضروری ہے یا نہیں اگر نیت نہ کرے تو مسافر ہوگا یا مقیم اور اس کی نیت نہ کرنا گناہ ہوگا یا نہیں ؟ براہ کرم حوالوں کے ساتھ جواب عنایت کریں ۔

سائل : سید منیب پیرزادہ ، پشاور

الجواب:-

صورت مسئولہ میں زید جائے ملازمت پر پہنچ کر جب وہاں پندرہ دن رہنا نہیں چاہتا ہے تو ایسی صورت میں نیت کرنا لغو ہے۔ لہذا جائے ملازمت میں وہ مسافر ہی رہے گا اگر کسی وقت وہ ارادہ کرے کہ میں اس ہفتہ گھر نہیں جاؤں گا بلکہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ملازمت کی جگہ رہوں گا تو ایک مرتبہ میں پندرہ دن یا زیادہ دن کی نیت کرنے سے مقیم ہو جائے گا۔ اس طرح مقیم نہیں ہوگا کہ تردد کرتا رہے اگر ایسا ہوا تو گھر جاؤں گا ایسا نہیں ہوا تو نہیں جاؤں گا۔ اس طرح جتنے دن بھی رہے گا، مسافر رہے گا۔

مسافر امام اگر چار رکعت پڑھا دے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

نماز عشاء میں مسافر نے غلطی سے ۴ رکعات نماز پڑھائی، ان کو یاد نہ رہا کہ وہ مسافر ہیں تاکہ نماز شروع ہونے سے پہلے مقتدیوں میں اعلان کرتے کہ میں مسافر ہوں، دو رکعت پر سلام پھیر دوں گا۔ اور تمام مقتدی جو مقامی ہیں اپنی نماز عشاء بقیہ دو رکعات پوری کر لیں۔

برائے کرم مذہب حنفی کی روشنی میں بتائیں کہ مقتدیوں اور امام کی نماز عشاء ہوئی یا نہیں؟ یا دونوں کو نماز لوٹانی ہوگی؟

سائل: محمد شاہ بخاری

الجواب:-

حنفیہ کے نزدیک مسافر پر قصر واجب ہے اور اسے پوری نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوباً

یعنی (مسافر کیلئے) چار فرض کے بجائے دو رکعت (فرض) پڑھنا واجب ہے۔

علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے در مختار کی عبارت "وجوباً" پر لکھا:

فیکرہ الاتمام عندنا

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ المسافر، صفحہ: ۵۸۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ہم احناف کے نزدیک (مسافر کیلئے) چار رکعات پڑھنا مکروہ ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک صحت اقتداء کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کے مثل ہو، یا

اس سے اعلیٰ ہو اور اگر امام کی نماز مقتدی کی نماز سے کم درجہ کی ہے تو اقتداء باطل ہوتی ہے مثلاً امام نفل پڑھ رہا ہے ، اس کی اقتداء میں فرض نماز مقتدی نہیں پڑھ سکتا ہے اس لیے کہ متنفل (نفل پڑھنے والا) کی امامت فرض پڑھنے والوں کیلئے صحیح نہیں ۔ صورت مسئولہ میں امام مسافر نے جب چار رکعتیں پڑھائیں تو پہلی دو رکعتیں اس پر فرض تھیں اور پچھلی دو رکعتیں اس کے حق میں نفل تھیں اور مقتدیوں نے اس کی اقتداء میں چار رکعتیں پڑھیں تو پچھلی دو نفل رکعتوں میں مقتدیوں نے اپنے فرض اس کی اقتداء میں ادا کئے ۔ لہذا مقتدیوں کی نماز باطل ہوئی ۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

فلو اتم مسافر ان قعد فی الاولیٰ تم فرضه واساء و مازاد نفل و ان لم یقعد بطل فرضه و صار الکل نفلاً

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۱) باب صلوٰۃ المسافر ، صفحہ: ۵۸۳ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اگر مسافر نے پوری (چار) پڑھیں اور پہلی دو رکعت کے بعد قعدہ کیا تو اسکے فرض ہو گئے لیکن برا کیا اور بعد کی دو رکعت اس کی نفل ہوئیں اور اگر اس نے قعدہ نہیں کیا تھا تو اسکے فرض باطل ہوگئے اور پوری نماز نفل ہو گئی ۔

اور در مختار میں ہے :

ولا مفترض بمتنفل و بمفترض فرضاً آخر لان اتحاد الصلوتین شرط عندنا

(بر حاشیہ شامی ، باب الامامة ، مطلب الواجب الکفایة هل یسقط بفعل الصبی وحده ، صفحہ ۴۲۹ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہے ، اسی طرح مختلف فرض پڑھنے والے ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے اس لیے کہ ہمارے نزدیک مقتدی و امام دونوں کی نمازوں کا متحد ہونا شرط ہے ۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

یؤخذ من هذا انه لو اقتدیٰ مقیمون بمسافر و اتم بهم بلا نیة اقامة و تابعوه فسد صلوتهم لکونه متنفلاً فی الاخرین

(حوالہ بالا)

اس سے یہ مسئلہ لیا جائے گا کہ اگر چند مقیم لوگوں نے مسافر امام کی اقتداء کی اور اس نے بغیر نیت اقامت کئے ہوئے نماز پوری پڑھا دی اور مقتدیوں نے اس کی اتباع کرلی تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ یہ امام پچھلی دو رکعتوں میں نفل پڑھنے والا تھا ۔ رہا امام کی نماز کا سوال تو اگر وہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھ چکا تھا تو اس کی اپنی نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہے جیسا کہ اوپر در مختار کی عبارت میں گزرا اور اگر قعدہ اولیٰ میں نہ بیٹھا تھا تو پھر اس کے فرض باطل ہو جائیں گے اور ساری نماز نفل ہو جائے گی ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسافر امام کی اقتداء میں مقیم مسبوق کی نماز کا حکم

الاستفتاء:-

مسافر امام کی اقتداء میں ایک شخص دوسری رکعت کے قاعدہ میں شریک ہوا اب مسافر امام تو دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر لیتا ہے۔ مقتدی بقیہ نماز یعنی دونوں رکعت بغیر قراءت کے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن یہ دوسری رکعت کے قاعدے میں آ کر ملنے والا شخص اپنی چاروں رکعات کیسے پوری کرے گا کیا یہ بھی صرف کھڑا ہو کر کچھ بھی نہیں پڑھے یا چاروں رکعت میں قراءت کرے گا؟ جبکہ نماز چار رکعات والی ہے۔

سائل: السید انور علی

الجواب:-

مقتدی کی وہ رکعتیں جو نماز شروع کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں ان میں مقتدی جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوگا تو اس کے احکام یہ ہیں کہ وہ سورہ فاتحہ اور قراءت، سب کرے گا۔ صرف ان رکعتوں میں خاموش رہے گا جو مسافر امام نے نہ پڑھیں اور مقیم مقتدی بعد کو پوری کرے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تشہد میں مسافر امام کی اقتداء کرنے والا مقیم امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قراءت کرے گا اور پچھلی دو رکعتوں میں خاموش رہے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نماز جمعہ اور عیدین کا بیان

نماز جمعہ کے لئے کم از کم کتنے افراد کا ہونا ضروری ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

مسلمانوں کا نماز جمعہ ہفتہ واری اجتماع ہے، جس سے شہری و محلہ داری نظام کی درستگی مقصود ہے۔ اس نماز جمعہ کو عید المومنین قرار دیا گیا ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں جمعہ کی ادائیگی کے لئے کم سے کم تعداد چالیس افراد بتائی ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ نماز جمعہ ۵ افراد کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔ لہذا وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل: محمد یوسف قادری، کورنگی، کراچی

الجواب:-

جمعہ کی ادائیگی کے لئے ایک شرط جماعت بھی ہے۔ یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہوں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

السادس الجماعة

اس کے بعد فرمایا:

واقلها ثلثة رجال

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الجمعة، مطلب فی شروط الجمعة، صفحہ: ۶۰۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہٰذا صحیح یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ امام غزالی چونکہ شافعی ہیں ان کا مسلک وہ ہے۔

نماز جمعہ کی شرائط

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام سوالات ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) کیا احناف کے نزدیک ادائیگی صلوٰۃ جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں یا نہیں اگر ہیں تو کون کونسی ہیں؟

(۲) کیا مصر یعنی شہر کا ہونا اس کی شرائط لازمہ میں سے ہے؟

سائل: محمد یوسف نوری، صوبہ سرحد

الجواب:-

(۱) جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرائط ہیں۔

(ا) مصر یا فنائے مصر میں ہونا۔

(ب) سلطان اسلام یا اس کا نائب جسے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اِس زمانے میں اس علاقے کے بڑے سنی عالم کے حکم سے جمعہ قائم ہونا۔

(ج) وقت ظہر میں ہونا۔

(د) خطبہ وقت نماز میں، نماز سے پہلے ہونا۔

(ھ) جماعت، یعنی کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا۔

(و) اذن عام ہونا یعنی جس جگہ جمعہ پڑھا جائے وہاں جسکا جی چاہے بے روک ٹوک آکر نماز پڑھ سکے۔

(۲) مصر (شہر) ہونا جمعہ کے لئے ضروری شرط ہے۔ حدیث میں فرمایا:

لا جمعة ولا تشريق فى القرىٰ

یعنی گاؤں میں عید اور جمعہ کچھ نہیں۔

الاستفتاء:-

حضرت مولانا وقار الدین صاحب! دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

جناب عالی درخواست یہ ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق دیہات میں نماز جمعہ کیلئے کیا شرائط ہیں؟ جواب سے نوازیں۔ اگر وہ شرائط دیہات میں نہ ہوں تو وہاں نماز جمعہ ادا کی جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟

سائل: جمیل الرحمٰن، ہزارہ، سرحد

الجواب:-

جمعہ صحیح ہونے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرطیں ہیں۔

مصر اور فنائے مصر، سلطان اسلام یا اس کا نائب جسے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہو اس زمانے میں اس علاقے کے بڑے سنی عالم کے حکم سے جمعہ قائم ہونا، وقت ظہر میں ہونا، خطبہ وقت نماز میں نماز سے پہلے ہونا، جماعت یعنی کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا، اذن عام ہونا یعنی جس جگہ جمعہ پڑھا جائے وہاں جس کا جی چاہے بے روک ٹوک آکر نماز پڑھ سکے۔

مصر کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا حاکم رہتا ہو جسے ظالم و مظلوم میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو یعنی کوئی مجسٹریٹ رہتا ہو اور جہاں کوئی ایسا حاکم نہیں ہے وہ دیہات ہے اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ حدیث میں فرمایا:

لا جمعة ولا تشريق في القرىٰ

یعنی دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں۔

دیہات میں جمعہ قائم نہیں کیا جائے گا اور اگر پہلے سے ہو رہا ہے تو اسے بند بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ نمازیوں کو سمجھایا جائے گا کہ وہ جمعہ پڑھنے کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر ادا کریں۔

دیہات میں جمعہ شروع کر کے اسے ترک کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

ہمارے قریب ایک گاؤں بوکیڑہ ہے، اس میں ایک عرصہ سے نماز جمعہ پڑھی جا رہی تھی اور باقاعدہ امام و

خطیب کا تقرر تھا جو کہ ایک مقامی ہی عالم تھے ۔ خطیب صاحب اور اہل علاقہ کے درمیان کچھ تنازعہ ہوا، جس کی وجہ سے خطیب صاحب نے جمعہ پڑھانا چھوڑ دیا اور اس عرصہ میں مسجد کمیٹی بھی کسی دوسرے خطیب کا بند و بست نہ کر سکی ۔ اس طرح مسلسل ایک ماہ تک نماز جمعہ نہ پڑھی گئی ۔ اب امام اور اہل محلہ میں مصالحت ہو گئی اور وہ دوبارہ جمعہ شروع کرنا چاہتے ہیں اب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک کو دیہات میں نماز جمعہ نہیں ہوتی تو اب جب آپس میں ناراضگی کی وجہ سے ایک ماہ تک جمعہ کی نماز نہ پڑھی گئی تو آیا دوبارہ نماز جمعہ شروع کی جائے یا نہیں ؟ بینوا و توجروا

المستفتی : محمد صاحب خان ، امام مسجد ، گوجر خان ، راولپنڈی

الجواب:-

حنفیہ کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے ۔ مصر کی تعریف کے بارے میں حنفیہ میں اختلاف ہے ۔ مگر مصر کی تعریف کے بارے میں ظاہر الروایت اور مفتی بہ قول، جس کے خلاف فتوی دینا صحیح نہیں ، وہی ہے جو شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھی ہے :

والمصر الجامع کل موضع لہ امیر و قاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود

اور اس کے متعلق صاحب حدایہ نے فرمایا :

و ھو اختیار الکرخی و ھو الظاھر

(اولیین، باب صلوٰۃ الجمعۃ، صفحہ: ۱۶۸، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی بڑا شہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے کہ اس کے لئے وہاں حاکم ہو اور جج ہو جو احکام نافذ کریں اور حدود کو قائم کریں ۔ علامہ کرخی نے بھی اسی تعریف کو پسند فرمایا اور ظاہر الروایت بھی یہی ہے ۔ اسی تعریف کے متعلق علامہ علاء الدین متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

و ظاہر المذھب انہ کل موضع لہ امیر و قاض یقدر علی اقامۃ الحدود

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الجمعہ، صفحہ: ۵۹۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ظاہر مذہب یہی ہے کہ بڑا شہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی حاکم ہو اور قاضی ہو جو حدود کو قائم کرنے کی قدرت رکھتے ہوں ۔ اس تعریف کی صحت و ترجیح کو جن فتاویٰ نے خارج اور قابل فتویٰ بتایا اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے ۔ صفحہ ۶۷۲ جلد ۳ پر تیس اجلہ فقہاء احناف کا تذکرہ کیا ہے ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ تعریف اس گاؤں پر صادق نہیں آتی جس کے متعلق سوال ہے وہاں جمعہ صحیح نہ تھا مگر فقہاء نے عوام کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ اگر دیہات میں جمعہ ہوتا ہو اسے بند نہ کیا جائے لیکن موضع مذکور میں آپس کے اختلاف کی وجہ سے جمعہ بند ہو گیا اب حکم شرعی کی

بناء پر اس گاؤں میں دوبارہ جمعہ شروع نہ کرنا چاہیے اور عوام کو یہ سمجھا دینا چاہیے کہ پہلے تو اپنے اختلافات سے تم نے جمعہ بند کیا تھا اب اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے جمعہ بند رکھو اور ظہر کی نماز جماعت سے پڑھتے رہو اس میں تمہاری ظہر کی نماز بھی یقینی طور پر ادا ہو جائے گی اور اطاعت رسول کا ثواب بھی مل جائے گا۔

شدید بارش میں جمعہ کی نماز کا حکم

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب!
دار العلوم امجدیہ، کراچی
السلام علیکم

جب کبھی شدید بارش یا برف باری وغیرہ ہو کہ لوگوں کے لئے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو جائے، تو ایسی صورت میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب:-

جب واقعی ایسی صورت کا سامنا ہو کہ برف باری، طوفان، بارش وغیرہ اتنی شدت سے ہو رہی ہو کہ گھر سے نکلنا دشوار ہو، تو جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حدیث ہے کہ:

" بارش ہو رہی تھی، زمین پر کیچڑ تھی تو عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے موذن سے یہ کہا کہ اپنی اپنی جگہ میں پڑھنے کا اعلان کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی اعلان کرایا تھا "

(جلد (۱) کتاب الجمعۃ، باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ، صفحہ: ۱۲۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہذا لوگ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

پاکستان اسٹیل مل میں جمعہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

پاکستان اسٹیل مل، کراچی! جو کہ ایک بہت بڑا ادارہ ہے، جسکا رقبہ میلوں میں پھیلا ہوا ہے اور تقریباً

انیس ہزار ملازمین اس میں کام کر رہے ہیں ۔ جمعہ کے دن صرف شفٹ پر کام کرنے والے اور اوور ٹائم کرنے والے ڈیوٹی پر آتے ہیں ، ان کی تعداد بھی ہزاروں میں ہوتی ہے ۔ ہمیں دوران کام نماز جمعہ ادا کرنے کا مسئلہ در پیش ہے ۔ کیونکہ اسٹیل مل میں داخل ہوتے وقت گیٹ پر شناختی کارڈ (اسٹیل مل) کا دکھانا ہوتا ہے البتہ بعض اوقات سیکورٹی گارڈ بغیر کارڈ دیکھے بھی جانے دیتے ہیں ۔ اس پر زید کہتا ہے کہ بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۸۷ پر ہے کہ جمعہ کے لئے اذن عام شرط ہے اور اسٹیل مل میں داخلہ کے لئے اذن عام کی شرط مفقود ہوتی ہے ، جبکہ بکر یہ کہتا ہے کہ " اذن عام کا مسئلہ مسجد کے لئے ہے کہ مسجد میں داخلہ پر پابندی نہ ہو ، نہ کہ اسٹیل مل کے گیٹ پر اذن عام ہونا شرط ہے " ۔

گزارش ہے کہ آپ شریعت کی روشنی میں احکام صادر فرمائیں کہ اسٹیل مل کی حدود میں نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں دیوبندی وہابی لوگ کئی مقام پر جمعہ کراتے ہیں ہمارے کئی بھائی ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

اسٹیل مل سے باہر پیدل دس منٹ کے فاصلہ پر اہلسنت بریلوی مسلک کی مسجد ہے جبکہ ڈیوٹی کی جگہ سے وہاں پہونچنے کے لئے آدھا سے ایک گھنٹہ پیدل لگتا ہے تو کیا اس صورت میں جمعہ پڑھنا کے لئے مسجد ھذا میں آنا لازمی ہے یا نہیں ؟

ایمرجنسی ڈیوٹی کی وجہ سے افسر جمعہ کے لئے نہیں چھوڑتے اور قریب اہلسنت بریلوی کی مسجد بھی نہیں تو کیا اس صورت میں ظہر پڑھنے پر ترک جمعہ کا گناہ تو نہیں ہوگا ؟

الجواب:-

جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط اذن عام ہے یعنی جہاں جمعہ ہو جمعہ قائم کریں وہاں ہر شخص بلا روک ٹوک آسکے یہ شرط مسجد اور غیر مسجد سب کو شامل ہے ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالم گیری میں لکھا :

و کذلک السلطان اذا اراد ان یجمع بحشمہ فی دارہ فان فتح باب الدار و اذن اذناً عاماً جازت صلوتہ شھدھا العامۃ اولم یشھدوھا کذا فی المحیط

اسی طرح بادشاہ وقت نے جب اپنے عملہ کے افراد کے ساتھ اپنے گھر میں جمعہ پڑھنے کا ارادہ کیا پس اگر گھر کا دروازہ کھول دیا اور داخلے کی عام اجازت دے دی تو نماز درست ہوگی عامۃ الناس آئیں یا نہ آئیں ۔ ایسا ہی محیط میں ہے ۔

اس کے بعد لکھا :

و ان لم یفتح باب الدار و اجلس البوابین علیھا لم تجزھم الجمعۃ

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ، صفحہ: ۱۴۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور اگر گھر کا دروازہ نہ کھولا اور اس پر دربان بٹھا دیئے تو ان کے لئے جمعہ جائز نہیں ۔

لہٰذا بکر کا کہنا غلط ہے کہ اذن عام کی شرط مسجد کے لئے ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اسٹیل مل میں اذن عام کی شرط مفقود ہونے کے باعث وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ بد عقیدہ شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز واجب الاعادہ ہے۔

فوج کا مقام اسکیم پر جمعہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی و محترمی جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ ایک مسئلہ کا جلد دریافت طلب ہے، جس کی صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ پاکستان آرمی کے تمام یونٹ اور فارمیشنیں سال میں کبھی ایک بار اور کبھی دو بار چھاؤنیوں سے باہر میدانوں یا صحراؤں میں فوجی مشقوں کے لئے جاتی ہیں۔ جن کی وہاں مدت رہائش ۱۵ دن سے لیکر دو ماہ اور کبھی حالات کے تقاضے کے مطابق اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ وہاں پر تمام افراد خیمے لگا کر رہتے ہیں اور عارضی قیام رکھا جاتا ہے۔ زندگی کی تقریباً تمام سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ یونٹ کی کنٹین بھی ہوتی ہے اور ڈاکٹر بھی ہوتا ہے یونٹ کمانڈر بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ہم یہاں کتنے روز رکیں گے۔ کسی وقت بھی کیمپ کی جگہ تبدیل کرنے کا آرڈر مل سکتا ہے۔ مجموعی طور پر تو یونٹ کے افراد کیمپ ایریا میں ہی رہتے ہیں لیکن اس کے بعض افراد بعض دفعہ بدلتے رہتے ہیں۔ اختتام اسکیم کے بعد یونٹ بہرحال واپس اپنی چھاؤنی میں پہنچ جاتا ہے۔ ان فوجی مشقوں کے دوران آرمی کے خطباء صاحبان بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ یونٹ کمانڈر اور بعض دفعہ ڈویژن کمانڈر، ان کو جمعہ پڑھانے کے لئے کہتے ہیں۔ کچھ خطباء کا موقف یہ ہوتا ہے کہ ان میدانوں اور صحراؤں میں عارضی قیام ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نماز ظہر ادا کی جائے گی جبکہ بعض خطباء جمعہ پڑھا دیتے ہیں جس سے عام طور پر افسروں اور جوانوں میں یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو خطیبوں میں سے کس کا عمل صحیح ہے جس نے جمعہ پڑھایا اس کا یا جس نے نہیں پڑھایا اس کا۔

لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ مندرجہ بالا صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل طور پر مرحمت فرما کر ممنون فرمائیے۔ آرمی میں چونکہ تمام مکاتب فکر کے لوگ ہیں اس لئے جواب قرآن و حدیث سے ہو اور اگر فقہی آراء نقل کی جائے تو ان کی علتیں بھی بیان فرمادی

جائیں اور اگر اختلاف فقہاء ہو تو اس کو بھی ظاہر کردیا جائے اور راہ احتیاط بھی بیان کردی جائے۔

(۱) مندرجہ بالا حالات کی روشنی فوجی مشقوں کے دوران کیمپ ایریا میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جمعہ نہیں ہوسکتا اور جمعہ پڑھ لیا گیا تو کیا نماز ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گی یا ادائیگی ذمہ میں باقی رہے گی اور وہ خطیب صاحب جس نے جانتے بوجھتے جمعہ پڑھایا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) اگر جمعہ ہوسکتا ہے اور احتیاطاً ایک شخص نے نہیں پڑھایا خطیب نے نہیں پڑھایا اور نماز ظہر ادا کر لی تو کیا اس صورت میں ان کے ذمہ ترک جمعہ کا گناہ ہوگا؟

(۴) اگر خطیب جمعہ نہ پڑھائے اور یونٹ کمانڈر یا ڈویژن کمانڈر جمعہ پڑھانے کا حکم دے، تو کیا اس کا یہ حکم امیر ہونے کی حیثیت سے ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) اگر کوئی خطیب اپنے آپ کو افسر کے حکم سامنے مجبور سمجھتا ہے اور جمعہ پڑھا دیتا ہے، تو کیا اس کے لئے اس عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ آرمی کی طرف سے ان کی صحیح راہ نمائی کا فریضہ بھی اسی خطیب صاحب پر ہے۔

مہربانی فرماکر تمام سوالات کے مدلل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: نائب خطیب محمد اسلم، ۱۱ بلوچ رجمنٹ، سیالکوٹ

الجواب:-

(۱) جمعہ صحیح ہونے کے لئے شہر ہونا شرط ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول منقول ہے:

قال علی لا جمعة ولا تشریق ولا صلٰوة فطر و لا اضحٰی الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة عن حذیفة قال لیس علی اهل القری جمعة انما الجمع علی اهل الامصار مثل المدائن و عن الحسن و محمد انهما قالا الجمعة فی الامصار عن الحسن انه سئل علی اهل الایلة جمعة قال: لا۔ عن ابی بکر ابن محمد انه ارسل الی اهل ذی الحلیفة ان لا تجمعوا بها وان تدخلوا الی المسجد مسجد الرسول صلی اللہ علیه وسلم۔ و عن علی! قال: لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع۔ عن مغیرة عن ابراهیم قال: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع

(جلد (۲) کتاب الجمعہ، من قال لا جمعہ ولا تشریق الا فی مصر جامع، صفحہ: ۱۰۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

حضرت علی نے فرمایا کہ " جمعہ اور تکبیر تشریق اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں مگر شہر کی جامع مسجد میں یا بڑی شہر میں "۔ حضرت حذیفہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ دیہات والوں پر جمعہ نہیں بے شک جمعہ

شہر والوں پر ہے جیسے اہل مدائن وغیرہ۔

حضرت حسن اور امام محمد سے روایت ہے ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جمعہ شہر والوں پر واجب ہے۔

حضرت حسن سے روایت ہے ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل ایلیہ والوں پر جمعہ ہے انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔

ابی بکر بن محمد سے روایت ہے کہ انھوں نے ذو الحلیفہ والوں کی طرف پیغام بھیجا کہ تم وہاں جمعہ نہ پڑھنا اگر چہ تم مسجد میں داخل ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ حضرت علی سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ تکبیر تشریق اور جمعہ نہیں مگر شہر کی جامع مسجد میں۔ مغیرہ ابراھیم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں مگر شہر کی جامع مسجد میں۔

مندرجہ بالا عبارت میں صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صحابی ایسی بات بیان کریں جو عقل سے نہیں جانی جاسکتی ہے تو صحابی کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

(۲) افواج کی مشقوں کے دوران کیمپ ایریا میں تمام سہولتیں میسر ہونے کے باوجود وہ مستقل آبادی ہے نہ شہر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے سفر کیے اور تبوک کا طویل سفر بھی کیا۔ مگر کوئی روایت ایسی نہیں ہے کہ ان سفروں میں صحابہ کے ساتھ کہیں نماز جمعہ پڑھی ہو بلکہ جمعہ نہ پڑھنے کی روایت ہے:

عن مغیرۃ عن ابراھیم قال کانوا لا یجمعون فی العساکر

(حوالہ بالا)

یعنی مغیرہ ابراھیم سے روایت کرتے انھوں نے فرمایا کہ لشکروں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔

لہٰذا ان کیمپوں میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے۔

(۳) اگر جمعہ پڑھ لیا گیا تو نماز ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگی، جس نے جمعہ پڑھایا اور جنھوں نے جمعہ پڑھا، وہ سب گناہ گار ہیں اسی دن کی نماز ظہر قضا کریں۔

(۴) حدیث کا قاعدہ یہ ہے:

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ

(مسند احمد بن حنبل، ۵/۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے مخلوق میں سے کسی کی فرماں برداری نہیں کی جائے گی۔

(۵) خطیب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مقتدیوں کی راہ نمائی کرے جو آفیسر جمعہ پڑھانے کا حکم دے اس کو حکم شرعی سمجھایا جائے وہ نہ مانے تو خطیب مجبور ہیں ہے۔

نوٹ:-

ان احادیث کی روشنی میں حنفیہ کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ جمعہ صرف شہر میں ہو سکتا ہے دیہات میں جمعہ

جائز نہیں ہے۔ ملٹری کیمپ تو مستقل آبادی نہیں ہے اس لئے وہاں بھی جمعہ جائز نہیں ہے۔

غیر خطیب کا جمعہ کی امامت کروانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر نماز جمعہ میں خطبہ دینے والے شخص کے علاوہ دوسرا نماز جمعہ پڑھائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

سائل: کیپٹن زوار حسین عباسی

الجواب:-

غیر خطیب اگر نماز جمعہ کی امامت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، نماز ہوجائے گی۔

خواتین کے لئے نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

آج کل کے دور میں عورتوں کا نماز جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ عورتیں جہاں نماز جمعہ ادا کریں وہاں مکمل پردے کا انتظام ہو تو کیا نماز جمعہ ادا کر سکتی ہیں جبکہ حدیث میں بھی عوتوں کو بھی مسجد میں آنے سے منع نہیں کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ

(صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ)

اللہ کی بندیوں کو اللہ کے گھر سے نہ روکو۔

تو آج کل کے دور میں عورتیں جب سنیما اور تھیٹر ہاؤس جاتی ہیں تو مسجد میں نماز جمعہ کے لئے ان کو منع کریں یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں مدلل حوالہ جات سے مستفیض فرمائیں تاکہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

سائل: قاری محمد سلیمان سرویہ، حالی روڈ، کراچی

الجواب:-

مسجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق سوال میں جو حدیث نقل کی ہے اس کے ساتھ دوسرے الفاظ جو مروی ہیں وہ یہ ہیں۔ ابو داؤد میں ہے:

لاتمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن

(کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد)

یعنی مسجدوں سے اپنی عورتوں کو منع نہ کرو اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے مسجد میں آنے کے بارے میں نہی تنزیہی ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ نمائی بھی فرمادی کہ عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں مگر گھروں میں نماز پڑھنا ان کے لئے زیادہ اچھا ہے۔ اور خود گھروں میں نماز پڑھنے کے بارے میں بھی فرمایا:

عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا و صلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا

(ابوداؤد شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنے کمرہ میں نماز پڑھنا افضل ہے صحن میں نماز پڑھنے سے اور کمرہ کے اندر پردہ کی چھوٹی جگہ میں نماز پڑھنا، کمرے میں پڑھنے سے افضل ہے۔

اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز پڑھنے کا جو ثواب عظیم تھا اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے منع نہ فرمایا۔ مگر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سلام پھیرنے کے بعد تم لوگ اسی طرح بیٹھے رہو ادھر ادھر نہ ہٹو جب تک پیچھے سے عورتیں نہ چلی جائیں اور عورتوں کو بھی مسجد میں آنے سے متعلق ہدایت دی کہ وہ مسجد میں کس طرح آئیں۔ ابوداؤد میں ہے:

قال لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن و ھن تفلات

(ابوداؤد شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد)

یعنی اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو لیکن وہ عورتیں میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شھدت احدٰی کن المسجد فلا تمس طیبا

(مسلم، جلد (۱) کتاب الصلاۃ، باب خراج النساالی المسجد، صفحہ: ۱۸۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے۔

ایک اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

ایما امراۃ اصابت بخور أفلا تشھد معنا العشاء الأخر

(حوالہ بالا)

یعنی جو عورت خوشبو استعمال کرے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انی سمعت رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم حبی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تقبل صلوٰۃ امراۃ تطیبت للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب الجماعۃ و فضلھا)

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو عورت مسجد میں آنے کے لئے خوشبو استعمال کرے گی اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ جنابت کی طرح غسل کر کے آئے۔

آج کل عورتیں جس طرح بن سنور کر مسجدوں میں آتی ہیں اس طرح نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجازت تھی نہ اب اجازت ہو سکتی ہے۔ اور بہت سے احکام زمانے کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ اس معاملہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

ان عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد

(ابو داؤد شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، صفحہ: ۹۱، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

بے شک عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے آج کے حالات کو دیکھ لیتے تو یقیناً مسجد میں آنے سے عورتوں کو منع فرما دیتے۔

ابو داؤد ہی کی ایک اور حدیث میں فرمایا:

" حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں

کو رات میں مسجد کی طرف آنے کی اجازت دو ان کے لڑکے نے کہا قسم اللہ کی ہم ان عورتوں کو اجازت نہیں دیں گے وہ مسجد میں جانے کو دھوکہ بنالیں گی قسم اللہ کی ہم اجازت نہیں دیں گے "۔

(حوالہ بالا)

یہ صحابہ کرام کے دور کی باتیں ہیں اسی لئے ہمارے ائمہ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کیا عورت بوڑھی ہو یا جوان، نماز دن کی ہو یا رات کی، ہر صورت مین مسجد میں جانے سے منع کیا جائے گا۔

کیا عورت گھر میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

کیا اگر عورت نماز جمعہ ادا کرنا چاہے تو کیا وہ پہلی اذان کے بعد نماز جمعہ ادا کرے یا کہ دوسری اذان کے بعد؟ نیز وضاحت فرمائیں کہ اگر عورت مسجد میں نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اور اگر اپنے گھر میں نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

سائل: محمد اختر حسین سعیدی

الجواب:-

اذان ہونے کے بعد عورتیں اپنی نماز گھر میں پڑھ سکتی ہیں۔ ان کو جماعت کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے اور عورتیں گھر میں ظہر ہی کی نماز پڑھیں گی جمعہ کی نماز بغیر جماعت نہیں ہوتی۔ ہمارے فقہاء کے نزدیک اب مساجد میں نماز کے لئے عورتوں کا جانا صحیح نہیں ہے، انہیں ہر نماز گھر میں پڑھنی چاہیے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ہوتا تھا

الاستفتاء:-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان اول جمعۃ جمعت بعد الجمعۃ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین بخاری شریف باب الجمعہ کما

روی ان اول جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد المدینہ فا جمعت بجواثی و ھی قریۃ قری عامر بن القیس بالجریر و کتب ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ الی ابی عمر رضی اللہ عنہ عن الجمعۃ فکتب الیہ جمعوا حیثما کنتم

(فتح القدیر مع الکفایۃ، مطبوعہ کوئٹہ)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ اول تک نماز جمعہ صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا ہوتی تھی علاقہ مفتوحہ مکہ، طائف، خیبر، حنین، تبوک، حبشہ اور یمن وغیرہ میں سفر اور حضر میں کسی جگہ جمعہ نہیں پڑھا گیا اور نہ پڑھایا گیا حالانکہ مکہ اور طائف بڑے شہر تھے حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل حاکم یمن بنا کر روانہ کیے گئے انہوں نے بھی علاقہ یمن میں عہد رسالت میں جمعہ نہیں پڑھایا اگر آپ کے پاس کسی جگہ جمعہ پڑھنے کی دلیل ہو تو نقل فرمائیں۔

الجواب:-

سائل کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی اور قریہ جواثی کے علاوہ اور کہیں جمعہ کی نماز پڑھنے کی روایت نہیں ملتی یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ اس وقت تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا اور کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ مسجد قبا میں جمعہ ہوا لیکن متذکرہ روایتوں میں نہیں اس کے متصل اب تک ایک چھوٹی سی مسجد کا نام ہی مسجد جمعہ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا تھا یمن میں جمعہ کا تذکرہ نہیں ہے اس سے سائل کا یہ استدلال کہ وہاں جمعہ نہیں پڑھایا گیا درست نہیں اس لئے کہ وہاں نماز پڑھنے کا بھی تذکرہ نہیں ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہاں نمازیں نہیں پڑھی گئیں۔

نماز عیدین کا بیان

نماز عیدین میں خارج مسجد سے اقتداء کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد سے متصل ایک چھوٹا سا میدان ہے اور اس کی تقریباً تین عدد کھڑکیاں اس میدان کی طرف

کھلتی ہیں اور مسجد ذرا اونچائی پر ہے اور کھڑکیوں کے درمیان دیوار ہے اس صورت میں عیدین وغیرہ کی نماز میدان میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تحریری جواب دیا جائے۔

الجواب:-

مسجد کے متصل میدان میں عید کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ اقتداء کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے رکوع سجدہ میں جانے کا علم ہو جائے تکبیرات انتقال کو سن سکے جب مسجد کی دیوار میں سے میدان کی طرف کھڑکیاں ہیں تو علم ہو جائے گا اور اقتداء صحیح ہو جائے گی۔

معانقہ عید کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

عیدین میں معانقہ کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

معانقہ کرنا جائز ہے حضرت تمیم داری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے معانقہ کا مسئلہ دریافت کیا ارشاد فرمایا تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ہے حضرت عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد شروع است

یعنی اگر کسی فتنہ وغیرہ کا ڈر نہ ہو تو معانقہ (گلے ملنا) جائز ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

و قال ابو یوسف لا باس بالتقبیل و المعانقة فی ازار واحد و لو کان علیه قمیص او جبة جاز بلا کراهة بالاجماع

(بر حاشیہ شامی، جلد(۵) کتاب الحظر و الاباحۃ، باب الاستبراء و غیرہ، صفحہ: ۲۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دست بوسی اور معانقہ اگر صرف تہبند وغیرہ میں ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر قمیص یا جبہ میں ہوں تو اجماعاً بلا کراہت جائز ہے۔

خوشی کے مواقع پر معانقہ کرنا حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو مسلمان عید کی خوشی میں معانقہ کرتے ہیں وہ جائز و مباح ہے۔

خطبہ کا بیان

خطبہ جمعہ کی سماعت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے میں کہ:

اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز کے لئے جماعت میں آکر التحیات میں شریک ہوا، اس نے خطبہ نہیں سنا ہے تو کیا اس شخص کی نماز جمعہ ہوئی یا نہیں؟ نیز خطبہ سننے کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

سائل: محمد رفیق، بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

جو شخص تشہد میں بھی شریک جماعت ہوا، اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ومن ادرکھا فی تشھد او سجود سھو یتمھا جمعۃ

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الجمعۃ، مطلب فی شروط الجمعۃ، صفحہ: ۶۰۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جس شخص نے تشہد یا سجدہ سہو میں امام کو پالیا اس کا جمعہ ہو گیا۔

لیکن احادیث میں جمعہ کی نماز کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں کہ جمعہ کی نماز دس دنوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اس ثواب سے وہ شخص محروم رہے گا، جو خطبہ کی اذان شروع ہونے کے بعد آئے گا حدیث

میں فرمایا کہ مسجد کے دروازے پر فرشتے ایک کھاتہ لے کر بیٹھے ہوتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں آنے والوں کے نام ترتیب وار لکھتے رہتے ہیں۔ جب امام ممبر کی طرف جانے لگتا ہے تو وہ اپنا کھاتہ بند کر کے خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

فاذا خرج الامام طوّوا صحفهم ویستمعون الذکر

(بخاری، جلد (۱) کتاب الجمعة، باب الاستماع الی الخطبة، صفحہ: ۱۲۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہٰذا اس رجسٹر میں بعد میں آنے والوں کا نام نہیں لکھا جاتا۔

جمعہ کا خطبہ طویل ہو یا مختصر

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید، جو کہ ایک مسجد کا امام ہے، وہ جمعۃ المبارک کا خطبہ بہت ہی مختصر پڑھتا ہے۔ آپ بتائیے کہ جمعۃ المبارک کا خطبہ مختصر ہونا چاہیے یا طویل؟ برائے مہربانی مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

عالمگیری، در مختار وغیرہ میں خطبہ کے متعلق لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ پہلے خطبے کو "الحمد للہ" سے شروع کرے، اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور کم از کم ایک آیت کی تلاوت کرے اور پہلے خطبے میں وعظ و نصیحت کرے۔ اور دوسرا خطبہ بھی حمد سے شروع کرے اور خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کا ذکر کرے۔ اور خطبہ بہت طویل نہیں ہونا چاہئیے۔

(عالمگیری، جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، (الباب السادس عشر) فی صلوٰۃ الجمعة، صفحہ: ۱۴۶، ۱۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دورانِ خطبہ خطیب کا ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

خطبہ کے دوران خطیب صاحب کو " عصا " ہاتھ میں لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:-

امام کو خطبے کے وقت عصا لینا ضروری نہیں ہے بلکہ جواز میں بھی اختلاف ہے۔ بعض ائمہ عصا لینے کو بہتر کہتے ہیں اور بعض مکروہ اور جب کراہت و استحباب میں اختلاف ہو تو ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

ویکرہ ان یخطب متکاءً علی قوس او عصا کذا فی الخلاصۃ و ھکذا فی المحیط

(جلد(۱) کتاب الصلوۃ، (الباب السادس عشر) فی صلوۃ الجمعۃ، صفحہ: ۱۴۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مکروہ ہے یہ کہ کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دے ایسا ہی خلاصۃ الفتاویٰ اور محیط میں ہے۔

خطبہ جمعۃ الوداع میں لفظ " الوداع " کہنا

الاستفتاء:-

جمعۃ الوداع میں خطبے کے دوران الوداع ماہ رمضان کہنا کیسا ہے؟ ایک عالم کا کہنا ہے کہ " جمعۃ الوداع میں لفظ " الوداع " نہیں بولنا چاہیے کیونکہ یہ رافضیوں کا شعار ہے " ۔ جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

سائل: انور سعید، کورنگی، کراچی

الجواب:-

خطبہ میں اردو کے اشعار پڑھنا خلاف سنت متواترہ ہے۔ رمضان کے آخری جمعہ میں " الوداع " کا لفظ خطبہ میں پڑھنا ناجائز ہے۔ رافضیوں سے مشابہت کی، اس میں کوئی وجہ نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جمعہ اور عیدین کے خطبے میں فرق

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام گزارش ہے کہ:

ہماری مسجد کے امام صاحب! عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان نہیں بیٹھتے۔ جب کچھ لوگوں کی طرف سے اعتراض ہوا تو امسال نماز عید سے پہلے انہوں نے اعلان کیا کہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عیدین میں فرق یہ ہے کہ خطبہء عیدین کے درمیان نہ بیٹھنا اور خطبہء جمعہ کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ وضاحت فرمائیں کہ ہمارے امام صاحب کا قول درست ہے یا غلط؟

سائل: عبد الرب، کورنگی، کراچی

الجواب:-

خطبہ عیدین کا وہی حکم ہے، جو جمعہ کے خطبہ کا ہے۔ یعنی دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ ابن ماجہ میں ہے:

حدثنا ابو الزبیر عن جابر قال خرج رسول اللہ یوم فطر او اضحٰی فخطب قائماً ثم قعد قعدۃ ثم قام

(کتاب الصلوۃ، ماجاء فی صلوۃ العیدین، ماجاء فی الخطبۃ فی العیدین، صفحہ: ۹۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے بدائع الصنائع میں لکھا:

وکیفیۃ الخطبۃ فی العیدین کھی فی الجمعۃ فیخطب خطبتین یجلس بینھا جلسۃ خفیفۃ

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، فصل فی صلوۃ العیدین، صفحہ: ۲۷۶، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

یعنی خطبہ عیدین ویسے ہی ہے جیسے جمعہ کا خطبہ۔ امام دو خطبے پڑھے گا اور دونوں کے درمیان مختصر بیٹھے گا۔ شمس الائمۃ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ نے المبسوط میں لکھا:

والخطبۃ فی العیدین کھی فی الجمعۃ یخطب خطبتین یجلس بینھا جلسۃ خفیفۃ

(جلد (۲) صفحہ: ۳۷، مطبوعہ: السعادۃ بجوار دیوان محافظ، مصر)

یعنی خطبہ عیدین ویسے ہی ہے جیسے جمعہ کا خطبہ۔ امام دو خطبے پڑھے گا اور دونوں کے درمیان مختصر بیٹھے گا۔

اس کے علاوہ فقہ کی تمام کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ عیدین میں جمعہ کی طرح خطبہ ہے۔ اول اور آخر کا فرق ہے یعنی جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہے عیدین میں نماز کے بعد۔ لہذا مذکورہ بالا حدیث اور فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں صراحتاً بیان کے بعد کسی امام کا یہ کہنا کہ عیدین کے خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت نہیں ہے۔ اسکے جاہل ہونے کی دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبری دی تھی، اس کے مصداق ایسے ہی ائمہ اور واعظین ہیں۔ حدیث میں فرمایا:

یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رءوساً جہالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا

(بخاری، جلد (۱) کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، صفحہ: ۲۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رہنما بنائیں گے پس ان سے سوال کیا جائے گا اور بغیر علم کے فتوی دیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اللہ تعالی ایسے جاہل مفتیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

وعظ و خطبہ کے لئے منبر کی کونسی سیڑھی پر بیٹھا جائے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

خطیب کو وعظ و خطبہ کے لئے منبر کی کونسی سیڑھی پر بیٹھنا چاہیے؟ قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد شمس الدین، جامع مسجد نور الاقصی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

منبر کی کسی بھی سیڑھی پر بیٹھنا جائز ہے۔ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت سے مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ ممبر کی پہلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جاتا ہے۔ اگر مجمع زیادہ ہو اور آواز دور تک پہنچانی مقصود ہو تو سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امامت کا بیان

عام آدمی کا امام کو نصیحت کرنا

الاستفتاء:-

ایک مسجد کے پیش امام صاحب جو کہ عالم ہیں اگر وہ کوئی ایسی حرکت یا بات کریں جو کہ ناجائز ہو۔ تو کیا ایک عام آدمی جو نماز وغیرہ کا بھی پابند نہ ہو وہ امام کو روک ٹوک کر سکتا ہے؟

مندرجہ بالا سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

سائل: عمران احمد صدیقی، سولجر بازار، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(سورۃ (۳) ال عمران، آیت: ۱۱۰)

یعنی تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

اور حدیث میں ہے:

عن ابی سعید (قال) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقول من رأی منکراً فلینکرہ بیدہ و من لم یستطع فبلسانہ و من لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان

(ترمذی شریف، حصہ دوم، ابواب الفتن، باب ما جاء فی تغیر المنکر بالید، صفحہ: ۳۹، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی حضرت ابو سعید سے روایت ہے (فرماتے ہیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو کوئی خلاف شرع کام دیکھے تو اس میں ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہے تو ہاتھ سے روکے اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت ہے تو زبان سے روکے اور اگر اسکی بھی طاقت نہیں ہے تو اپنے دل سے (برا جانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

مگر خلاف شرع کام کرنے والے کو ٹوکنے اور نصیحت کرنے میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ ناجائز کام کس قسم کا ہے اور وہ کام کرنے والا مذہبی طور پر کس حیثیت کا حامل ہے۔ کسی عالم سے غلطی صادر ہو تو اس کے مرتبے کا خیال کرتے ہوئے تنہائی میں ادب سے اسے غلطی کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ اپنے اختیار میں بیوی بچوں وغیرہ کی طرح کوئی شخص ہو اسے سمجھایا جائے گا نہ ماننے تو سختی کی جائے گی۔

اور اگر کوئی ایسا شخص ہے جو نصیحت کرنے والے کے ماتحت نہیں ہے اس کے ساتھ مذکورہ بالا حدیث شریف کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امامت اور تعدیل ارکان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص کہتا ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا نہیں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر نماز پڑھنے کا حکم ہے تو ثابت کریں" اور یہ بھی کہتا ہے کہ " نماز قائم کرنے کا مطلب جماعت سے نماز پڑھنا ہے، اس لیے الگ نماز نہیں ہوتی۔ اگر الگ پڑھنے کا ثبوت ہے تو ثابت کریں "۔ اس بارے میں آپ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب:-

اللہ رب العزت نے نماز کی ادائیگی کا حکم قرآن کریم میں متعدد مقامات میں مختلف الفاظ کے ساتھ دیا

ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۴۳)

یعنی اور (ارکان و آدابِ صلوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے) نماز قائم رکھو، یعنی مواظبت (پابندی) کے ساتھ۔

پھر فرمایا:

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ

(حوالہ بالا)

یعنی اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا

(سورۃ (۲۲) البقرۃ، آیت: ۷۷)

یعنی اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔

یہی نماز پڑھنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ

(بخاری شریف، جلد (۱) کتاب الاذان، باب للمسافر اذا کانوا جماعۃ، صفحہ: ۸۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ایسے ہی نماز پڑھو، جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔

نماز قائم کرنے کا مطلب صحیح طور پر تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھنا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کے معنی جماعت سے نماز پڑھنا، نہ لغت کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ شریعت میں کسی نے یہ معنی بیان کئے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ نماز قائم کرنے کا مطلب نماز باجماعت پڑھنا ہے۔

امام محراب میں کہاں کھڑا ہو؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

اگر مسجد میں جگہ تنگ ہو اور امام محراب میں کھڑا ہو یا محراب سے دو انچ باہر کھڑا ہو جائے اور امامت کرے تو کیا امام کا اس طرح کھڑے ہو کر امامت کرانے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز اگر اس مسجد میں امام ایک قدم کی مقدار محراب سے باہر کھڑا ہو تو لوگ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ تو اس مسئلے کا کیا حل ہوگا؟

الجواب:-

امام کا محراب میں تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ کھڑے ہونے میں قدم کا اعتبار ہوتا ہے، قدم کا مطلب یہ ہے کہ درمیان پاؤں میں اوپر ایک ابھری ہوئی ہڈی ہوتی ہے، اس سے پیچھے کا حصہ قدم ہے اور آگے کا حصہ انگلیاں ہیں۔ لہذا پاؤں کا وہ حصہ جو قدم کہلاتا ہے، باہر رہے۔ صرف انگلیاں اندر رہنے سے کراہت نہیں ہوتی۔ یعنی اگر پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی محراب کے اندر ہوگی تو کراہت ہوگی، ورنہ نہیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویکرہ قیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم

(برحاشیہ شامی، جلد(۱) باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا، صفحہ: ۴۷۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں، جبکہ اسکے پاؤں محراب سے باہر ہوں۔ اس لئے کہ اعتبار قدموں کا ہے۔

نائب امام کے تقرر کا حق کسے حاصل ھے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کیا امام مسجد کو یہ حق ہے کہ عند الضرورۃ وہ کسی کو اپنی جگہ امام بنا دیں۔ نمازیوں میں سے چند ایک اس عارضی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو تیار نہیں جبکہ نمازیوں کی اکثریت عارضی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی ہے اور مستقل امام صاحب بھی اسی شخص کی امامت کے لیے مصر ہیں۔ ایسی صورت حال میں وہ عارضی امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں اور کیا مستقل امام اپنا نائب مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

سائل: ظفر شاکرین رحمت، عزیز آباد، کراچی

الجواب:-

امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نائب کسی کو مقرر کرے۔ شامی میں ہے:

و فی الخلاصۃ ان الامام یجوز استخلافہ بلا اذن

(جلد(۳) کتاب الوقف، مطلب فی الغیبۃ التی یستحق، صفحہ: ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مگر نائب ایسا شخص ہونا چاہیے جس میں امامت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور کوئی وجہ کراہت نہ ہو۔

امامت کی تنخواہ لینے کا حکم؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

اگر ایک شخص کسی مسجد کا متولی ہونے کے ساتھ ساتھ اس مسجد کا امام، خطیب اور اس مسجد کے ساتھ ملحقہ مدرسے کا مہتمم بھی ہو تو ایسے شخص کو شرعاً امامت و خطابت کی مد میں وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمائیں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولوی محمد فیروز الدین، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

متاخرین فقہائے کرام کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق امامت و خطابت، تعلیم قرآن اور اذان دینے پر معاوضہ لینا جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مہتمم مذکور کو تنخواہ لینا جائز ہے۔ لیکن عرف میں جو تنخواہیں دی جاتی ہیں اس قدر لے اس لیے کہ خود متولی ہے، لوگوں کو تہمت لگانے کا موقع نہ دے۔ اور اگر کمیٹی کے مشورے سے تنخواہ مقرر کرائے اور لے تو کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہ ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امامت سے معذور ہونے کے بعد بھی مسجد سے وظیفہ لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:

ایک شخص تقریباً پانچ یا چھ سال سے مسجد میں امامت کر رہا تھا، حال ہی میں اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، جس کی وجہ اس کی ٹانگ میں فریکچر ہوگیا اور وہ امامت کے قابل نہ رہا۔ اب اس کی جگہ دوسرا امام امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے اور اسے مسجد کے فنڈ سے تنخواہ دی جاتی ہے۔ جبکہ سابقہ امام کو بھی مسجد سے تنخواہ دی جارہی ہے اور فیملی مکان بھی فراہم کیا گیا ہے۔ آیا مسجد کے فنڈ سے سابق امام کو تنخواہ اور مسجد کی جانب سے رہنے کے لئے مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:-

جو شخص کسی ایسے ادارہ میں خدمت انجام دیتا ہے، جس کی آمدنی مال وقف سے ہوتی ہے، جب وہ کسی عذر کی وجہ سے اپنے فرائض ادا نہ کر سکتا ہو، تو اس کو مال وقف سے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور کو مسجد کا مکان اور مسجد کے فنڈ سے تنخواہ دینا جائز نہیں۔ علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لا یمکنہ المباشرۃ لا یستحق

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی الغیبۃ التی یستحق، صفحہ: ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جب اسے کوئی عذر لاحق ہو بیماری یا حج وغیرہ سے اور فرائض منصبی ادا نہ کر سکے تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔

سگریٹ اور حقہ نوش کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین و شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک مسجد کے امام صاحب! شوقیہ یا کسی بیماری کی وجہ سے حقہ یا سگریٹ پیتے ہیں۔ اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ شریعت کی رو سے وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

سائل: ایک بندہ خدا

الجواب:-

حقہ یا سگریٹ پینا جائز ہے۔ علامہ شامی نے اپنے فتاوی میں اس کا جواب لکھنے کے بعد لکھا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواز کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا:

الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان

(جلد (۵) کتاب الاشربۃ، صفحہ: ۳۲۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مگر نماز کے قریب وقت میں سگریٹ یا حقہ پینا، جس سے نماز کے وقت میں بدبو رہے مکروہ ہے۔

اور راستہ میں چلتے پھرتے امام کے لیے ان چیزوں کا استعمال مناسب نہیں ہے۔

سود دینے والے کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

زید نے گھر بنانے کے لیے بنک سے مبلغ ساٹھ ہزار روپے قرض لیے اور ادائیگی مبلغ ۶۱ ہزار روپے کرنی ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ زید جو مبلغ ایک ہزار روپیہ زائد ادا کرے گا وہ سود ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب:-

سود دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔ اور احادیث مبارکہ میں دونوں کی ممانعت ہے۔

(ترمذی، حصہ اول، ابواب البیوع، باب ما جاء فی اکل الربٰو، صفحہ: ۱۴۵، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو ایک ہزار روپیہ ادا کیا جائے گا وہ سود ہے اور سود دینے والے کی امامت ناجائز ہے، اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائیں گی وہ مکروہ اور واجب الاعادہ ہوں گی۔

تصویر کھنچوانے والے کی امامت

الاستفتاء:-

محترم مفتی محمد وقار الدین صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ:

اگر کوئی امام یا خطیب تصویر کھنچوانے جیسا حرام فعل کرتا ہو تو اس کی امامت میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

سائل: محمد ابراہیم قادری

الجواب:-

قصداً تصویر کھنچوانا گناہ ہے۔ اور ایسے شخص کی امامت بھی مکروہ ہے۔ ہاں کوئی شخص تصویر کھینچنے کو منع کرتا ہے اور ناجائز بتاتا ہے پھر بھی اس کی تصویر کھینچ لی گئی تو وہ گناہ گار نہیں ہے یا گورنمنٹ نے جن جگہوں میں تصویر لگانا ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ، ان چیزوں کیلئے تصویر کھنچوانا گناہ نہیں ہے۔ جس صورت میں تصویر کھچوانا ناجائز ہے، اس صورت میں امامت بھی ناجائز ہے۔

خضاب لگانے والے کی امامت

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

ایک مسجد کے امام داڑھی کو خضاب لگاتے ہیں۔ مقتدی اعتراض کرتے ہیں۔ آپ اس مسئلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: انور شاہ

الجواب:-

مردوں کو خضاب لگانا منع ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لایا گیا وہ بہت بوڑھے تھے ان کا سر اور داڑھی سفید تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غیروا ھذا بشئ واجتنبوا السواد

(ابو داؤد، حصہ دوم، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، صفحہ ۲۲۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی ان کے سر اور داڑھی کو کسی چیز سے رنگ دو اور سیاہی سے بچو۔

اور ابو داؤد میں اسی صفحہ پر ایک باب باندھا ہے، جس کا عنوان ہے " ما جاء فی خضاب السواد " اس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یکون قوم یخضبون فی أخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ

یعنی آخر زمانے میں ایک قوم ہوگی جو کالا خضاب لگائے گی کبوتروں کے پوٹوں کی طرح۔ یہ لوگ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

و یکرہ بالسواد

یعنی سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے ۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا :

و ان لیزین نفسہ للنساء فمکروہ و علیہ عامۃ المشائخ

(شامی، جلد (۵) کتاب الحظر الاباحۃ، صفحہ: ۲۹۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر اس نے عورتوں کے لئے اپنے آپ کو مزین کیا تو یہ مکروہ ہے اور اسی پر عامۃ المشائخ کا فتوی ہے ۔

طحطاوی نے بھی در مختار کی اس عبارت پر لکھا :

و علیہ عامۃ المشائخ

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، جلد (۴) صفحہ: ۲۱۰، مکتبہ العربیہ، کوئٹہ)

لہذا حدیث اور فقہ کی روشنی میں سیاہ خضاب کی ممانعت ثابت ہے ۔ یہی عامۃ المشائخ کا مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے ۔ فقہاء جب مکروہ لفظ بلا قید بولتے ہیں تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی حکم میں حرام کی طرح ہے ۔ لہذا کالا خضاب لگانے والا فاسق ہے ، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۔

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت

الاستفتاء :-

اگر کوئی عالم دین یا پیش امام داڑھی میں کالا خضاب لگائے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب :-

کالا خضاب مردوں کے لیے نا جائز ہے اور سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ۔

داڑھی منڈے کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

کیا داڑھی منڈوانے والا مسلمان، امامت کروا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذوالفقار احمد

الجواب:-

داڑھی منڈوانے، کتروانے یا حد شرعی سے کم کرنے والا فاسق معلن (اعلانیہ فسق کرنے والا) ہے۔ اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے، جبکہ شریعت مطہرہ نے اس شخص کی اہانت لازم قرار دی ہے۔ لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صفۃ الصلوۃ، مطلب کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ، صفحہ: ۳۳۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو، اس کا لوٹانا واجب ہے۔

داڑھی کتروانے والے کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص جو کہ حافظ قرآن ہے اور ایک مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم بھی دے رہا ہے۔ مسجد کے پیش امام صاحب رخصت پر گئے تو وہ حافظ صاحب، امام صاحب کی جگہ نماز پڑھانے لگے۔ کئی مقتدی حضرات نے کہا کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں، کیونکہ ان کی داڑھی ایک "قبضہ" (مشت) سے کچھ کم ہے۔ حافظ صاحب نے سب نمازیوں کے سامنے پکا وعدہ کر لیا ہے کہ میں آئندہ داڑھی نہیں کترواؤں گا اور پوری داڑھی رکھوں گا۔ اب

صورت حال یہ ہے کہ کچھ مقتدی حضرات کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز جائز ہے کیونکہ انہوں نے داڑھی نہ کتروانے کا وعدہ کر لیا ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ جب تک ان کی داڑھی ایک " قبضہ " نہ ہو جائے، ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ۔ اب آپ وضاحت فرمائیں کہ حافظ صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

سائل : بندہ خدا، اختر کالونی، کورنگی روڈ، کراچی

الجواب :-

ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے ۔ لیکن توبہ کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتا ہے ۔ مگر شریعت میں فسق کے احکام اس وقت تک رہیں گے، جب تک اس سے گناہ کا اثر زائل نہ ہو جائے ۔ مثلاً ایک آدمی داڑھی منڈواتا ہے یا کٹوا کر بالکل چھوٹی رکھتا ہے اب توبہ کرتا ہے، جن کو اس کی توبہ کا علم ہے وہ تو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں گے اور جن کو توبہ کا علم نہیں وہ اگر مسئلہ جانتے ہوں تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے اور اگر مسئلہ نہ جانتے ہوں گے تو یہ سمجھ لیں گے کہ اس کی امامت جائز ہے ۔ لہٰذا ایسے شخص کو امامت سے روکا جائے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو ۔ مگر صورت مسئولہ میں حافظ مذکور کی داڑھی کے متعلق جیسا کہ سائل کے سوال سے مظہر (ظاہر) ہے کہ مشت سے تھوڑی ہی کم ہے، جو ظاہر نظر میں محسوس نہیں ہوتی، اگر یہ بات صحیح ہے تو توبہ کرنے کے بعد اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

دھوکے باز کی امامت

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص چند سالوں سے اہلسنت وجماعت (بریلوی) مسلک کے لوگوں کا امام بنا رہا ۔ اب لوگوں کو اس کے حالات کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا کہ یہ دیوبندیوں والا عقیدہ رکھتا ہے ۔ اس کو اہل محلہ ایک مولوی صاحب کے پاس لے گئے ۔ تو جب مولوی صاحب نے امام سے گفتگو کی تو اس نے اعتراف کیا کہ میں فلاں دیوبندی صاحب سے بیعت ہوں ۔ تو جب اس کے دیوبندی ہونے کا اہل محلہ کو یقین ہو گیا، تو انہوں نے اس کو امامت سے روک دیا ۔

جب اس کی امامت ختم ہو گئی تو اس نے اہل محلہ سے کہا کہ میں دیوبندی عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور جہاں آپ چاہیں وہاں بیعت کے لیے تیار ہوں ۔ چنانچہ اہل محلہ پھر اسے ایک دوسرے مولوی صاحب کے پاس لے گئے کہ ہمارا امام اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کرتا ہے اور بیعت بھی کسی دوسری جگہ کرنے کو تیار ہے تو کیا جب

وہ توبہ کر چکا تو اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں ؟ تو دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے ۔ اب اہل محلہ جو کہ خالص صحیح العقیدہ سنی ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں ۔ بہر حال ہمیں اس امام کے عقیدہ کے متعلق تسلی نہیں ہوئی ۔ اب آپ فتوی صادر فرمائیں ، کیا اس کی توبہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔ جبکہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ امام نے صرف معاشی ضروریات کے تحت ایسا کیا ہے ۔ بینوا و توجروا

الجواب :-

آج کل عام طور پر دیوبندیوں کا یہی حال ہے کہ وہ دنیاوی مفاد کے لیے سنی بن جاتے ہیں ، پھر کسی نہ کسی وقت دیوبندیت کی کوئی علامت ان سے ظاہر ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا اس امام کی توبہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ایک مرتبہ اس کی دھوکہ بازی ظاہر ہو چکی ہے ، تو اب اس کو دوبارہ آزمانے کی ضرورت نہیں ۔ لہٰذا اس کو برطرف کر کے کسی صحیح العقیدہ سنی عالم کو امام مقرر کر دیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غسال کی امامت

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص میت کو غسل دیتا ہے اور اجرت طے کرتا ہے ، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ اور میت کو غسل دینے سے اس کے کپڑے پلید ہوں گے یا نہیں ؟ نیز میت کو غسل دینے والے پر خود غسل کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ مفصل جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں ۔

الجواب :-

میت کو غسل دینے پر اجرت لینے کی دو صورتیں ہیں ۔ اگر وہاں غسل دینے والے اور بھی ہیں تو اجرت لینا جائز ہے ، اگرچہ علامہ شامی کو اس پر بھی کلام ہے ۔ اور اگر دوسرا کوئی غسل دینے والا نہیں ہے تو اس پر غسل دینا واجب ہے اور واجب پر اجرت لینا حرام ہے ۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

و الافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمۃ غیرہ و الا لا لتعینہ علیہ۔

یعنی بہتر یہ کہ میت کو بغیر اجرت کے غسل دے اور اگر غسال نے اجرت طلب کی تو جائز ہے مگر اس صورت میں کہ وہاں کوئی دوسرا بھی غسل دینے والا ہو۔ اور اگر کوئی دوسرا غسل دینے والا نہیں تو یہ اجرت طلب نہیں کرسکتا بسبب اس پر واجب ہونے کے۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے شامی میں لکھا:

ای لانہ صار واجبا علیہ عینا و لا یجوز اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ کالمعصیۃ

یعنی اس لئے کہ اب اس پر واجب ہوگیا ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسا کہ گناہ پر۔

(جلد (۱) باب صلاۃ الجنائز، مطلب الحاصل فی القراءۃ عند المیت، صفحہ: ۶۳۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عالمگیری میں ہے:

و الافضل ان یغسل المیت مجانا و ان ابتغی الغاسل الاجر فان کان ھناک غیرہ یجوز اخذ الاجر و الا لم یجز

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، الباب الحادی و العشرون، الفصل الثانی فی غسل المیت، صفحہ: ۱۵۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بہتر یہ ہے کہ میت کو مفت غسل دیں اور اگر غسال نے اجرت طلب کی، پس اگر وہاں اسکے علاوہ کوئی اور بھی غسل دینے والا ہے تو اسکا اجرت لینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

لہٰذا اگر میت کو غسل دینے والا اس صورت میں اجرت لیتا ہے جبکہ اور کوئی غسل دینے والا نہیں ہے تو یہ اجرت لینا نا جائز تھا اور اس شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور اگر غسل دینے والے اور بھی ہیں تو اس کی امامت اچھی نہیں ہے، یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ جبکہ لوگ اس پیشہ کی وجہ سے اس سے نفرت رکھتے ہوں تو یہ تقلیل جماعت کا سبب ہوگا اور اگر لوگ نفرت نہیں رکھتے ہیں تو بلا کراہت جائز ہے۔

دوسرا یہ کہ حنفی مذہب پر میت کو غسل دینا نجاست حکمی کو دور کرنے کے لیے ہے۔ میت خود نجس نہیں ہے اگر اس کے ظاہر جسم پر کوئی نجاست نہیں لگی ہے تو اس پانی کی چھینٹیں مائے مستعمل کی چھینٹیں ہوں گی اور ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے اور اگر جسم پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کی چھینٹیں کپڑوں یا بدن پر پڑنے سے کپڑے اور بدن نا پاک ہو جائیں گے۔ میت کو غسل دینے والے کو خود غسل کرنا حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔

جسمانی معذور کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

ایک آدمی جس کے دونوں پاؤں کی انگلیاں نہیں ہیں - کیا وہ ان لوگوں کی امامت کر سکتا ہے ، جن کے پاؤں وغیرہ درست ہوں ؟ جبکہ بہار شریعت میں بحوالہ عالمگیری اور در مختار مذکور ہے کہ معذور کے پیچھے غیر معذور کی نماز نہیں ہوتی - اور یہ بھی فقہ کی مستند کتب میں موجود ہے کہ قیام فرض ہے لیکن اگر امام قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھا سکتا ہے - یعنی امام بیٹھا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں ، تو جائز ہے -

لہٰذا بالتفصیل بیان فرمائیں کہ عُذر کی کتنی قسمیں ہیں اور عُذر کی کونسی قسم امامت کے منافی ہے اور کونسی قسم منافی نہیں ؟

سائل : محمد عبد السمیع قادری رضوی ، محلہ بلال گنج ، ساہیوال

الجواب:-

شریعت میں نماز کے احکام میں معذور اس کو کہتے ہیں ، جس میں وضو توڑنے والی کوئی بات پائی جائے اس طرح کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا وقت بھی نہ پا سکے کہ وضو ٹوٹ جائے مثلاً بار بار پیشاب کے قطروں کا آنا ، ہر وقت ریح کا خارج ہونا یا بدن سے خون یا پیپ کا بہتے رہنا - اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے غیر معذور کی یا اس سے کم عذر والے کی نماز نہیں ہوتی ، جیسا کہ بہار شریعت میں لکھا ہے -

پیر کی انگلیاں کٹی ہونے کی وجہ سے اس قسم کا معذور نہیں ہے وہ اپنے قدم زمین پر لگا کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی اور اس کی امامت بھی صحیح ہے - انگلی موڑنے کا حکم اس کے لیے ہے ، جس کے پیر میں انگلی ہو اور جس کے پاؤں میں انگلی ہی نہیں ہے اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے - ابتداءً معذور ہونے اور معذور باقی رہنے کے تفصیلی احکام بہار شریعت سے دیکھ لیں -

ولد الحرام کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :
ایک طوائف کا لڑکا جو کہ ولد الحرام ہے ۔ وہ جب جوان ہوا تو اس نے دنیاوی علم یعنی اردو ، انگریزی تعلیم حاصل کی ساتھ ہی قرآن و حدیث کا بھی علم حاصل کیا اور صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے اور تمام بری باتوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے ۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو اپنا امام بنانا جائز ہے یا نہیں ؟
سائل : عبد الستار ، شاہنواز بھٹو کالونی ، کراچی

الجواب:-

ولد الحرام کا اپنا تو کوئی گناہ نہیں ہے ، گناہ ان لوگوں کا ہے ، جن سے یہ پیدا ہوا ہے ۔ اس میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو ، مسائل نماز بھی جانتا ہو ، قرآن صحیح پڑھتا ہو اور کسی فسق کا مرتکب بھی نہ ہوتا ہو ، تو اس کی امامت کی دو صورتیں ہیں ۔ اولاً اگر اس کا ولد الحرام ہونا عام لوگوں کو معلوم ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں ، اور اس کی امامت کی وجہ سے جماعت میں مقتدیوں کی کمی ہو ، تو اس کی امامت مکروہ ہے ۔ اس صورت حال کے پیش نظر فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ولد الحرام کی امامت مکروہ ہے ۔ ثانیاً اگر یہ صورت نہ ہو ، یعنی اس کی امامت کی وجہ سے نمازیوں میں قلت نہ ہو اور اس میں امام بننے کی اہلیت بھی ہو تو اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ۔

خنثیٰ کی امامت

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب !
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش ہے جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں ۔
(۱) ایک شخص جس کی عمر تقریباً ۲۵ یا ۲۶ سال ہے مگر اس شخص کا آلہ تناسل چھوٹا ہے ۔ جیسے ایک سال کے بچے کا ہوتا ہے ۔ ویسے وہ شخص ہر طرح سے مرد نظر آتا ہے تمام مردانہ صفات پائی جاتی ہیں ۔ چال ڈھال

غرض ہر طرح سے مکمل مرد دکھائی دیتا ہے۔

علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دوست احباب میں بہت ممتاز ہے۔ نماز کے مسائل سے بخوبی واقف ہے، تجوید سے قرآن پڑھتا ہے، اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکتا ہے، عمل کے اعتبار سے پابند شریعت ہے اور اعتقاداً بھی پکا سنی بریلوی ہے۔

اب اس کے دوست احباب اسے نماز کے وقت (اس کے علم و فضل کی وجہ سے) امامت کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ تو کیا یہ شخص امامت کروا سکتا ہے، کیا اس کے لیے خنثیٰ کا حکم ہے؟ جب لوگ اسے امامت کے لیے مجبور کریں تو اسے کیا کرنا چاہیے کیونکہ لوگ اس کے عیب سے ناواقف ہیں۔ بینوا و توجروا

والسلام: عطا محمد، کراچی

الجواب:-

خنثیٰ وہ ہوتا ہے، جس میں علامات مرد و زن دونوں ہوں۔ جس میں صرف وطی کی صلاحیت نہ ہو وہ خنثیٰ نہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر واقعی اس شخص میں شرائط امامت پائی جاتیں ہیں تو یہ امامت کر سکتا ہے۔ صرف وجہ مذکور منافی امامت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

لوطی کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

لوطی امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

لواطت حرام ہے۔ حدیثوں میں اس پر لعنت آئی ہے۔ لہذا ایسے شخص کی امامت جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

مسلمانوں کو کافر کہنے والے کی امامت

الاستفتاء:-

جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے اس کی امامت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:-

مسلمانوں کو کافر کہنے والا خود کافر ہے ۔ لہذا کافر کو امام نہیں بنایا جا سکتا ۔

جھوٹی گواہی دینے والے کی امامت

الاستفتاء:-

جو شخص جھوٹی گواہی دے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : عبد الغنی

الجواب:-

جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے ۔ لہذا جھوٹی گواہی دینے والے کو امام بنانا جائز نہیں ۔

جھوٹے کی امامت

الاستفتاء:-

محترم و مکرم جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل کے بارے میں کہ :

(۱) اگر کوئی مولوی صاحب نکاح پڑھاتے وقت فارم پر کسی آدمی کی گواہی کے جھوٹے دستخط کروائے اور جھوٹے ایڈریس لکھوائے۔ اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی مولوی صاحب مسجد میں خطیب ہوں اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرتے ہوں۔ مگر وعدہ کر کے پھر جاتے ہوں یا جھوٹا وعدہ کرتے ہوں۔ ان کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

برائے کرم درج بالا مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

السائل: محمد اقبال حبیب، کھارا در، کراچی

الجواب:-

(۱) جس طرح جھوٹ بولنا حرام ہے، اسی طرح جھوٹ لکھنا بھی حرام ہے۔ جو شخص جھوٹے گواہوں کے نام لکھتا ہے وہ گناہ گار ہے، اسے توبہ کرنی چاہیے۔

(۲) وعدہ خلافی کرنا ناجائز ہے، جبکہ بلا عذر ہو۔ اگر کسی معقول وجہ سے وعدہ خلافی ہو جائے تو گناہ گار نہیں ہوتا۔

جھوٹے اور فاسق کی امامت

الاستفتاء:-

ہماری مسجد کے پیش امام صاحب نے تقرری کے وقت ہم سب سے کہا کہ وہ فارغ التحصیل عالم ہیں اور وعدہ کیا کہ ان کی اسناد پنجاب میں ہیں، جنہیں وہ بعد میں مہیا کر دیں گے۔ تقریباً چار ماہ کے بعد اسناد کی فوٹو کاپیاں دی گئیں۔ ان سے اصل مانگی گئیں تو انہوں نے کہا کہ اصل تو گھر پر ہی رکھی ہوئی ہیں۔ ہم نے جب ان اسناد کی فوٹو کاپیوں کو متعلقہ اداروں میں تصدیق کے لیے بھیجا تو انہوں نے ان سندوں کو جعلی قرار دیا اور یہاں تک کہا کہ یہ مولوی ہمارے مدرسہ میں کبھی پڑھنے کے لیے نہیں آیا ہے۔

برائے مہربانی از روئے شریعت فتویٰ صادر فرمائیں کہ ایسے جھوٹے اور فراڈی امام کے پیچھے ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں اور کیا یہ امامت کے اہل ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد رفیق خاں، اختر کالونی، کراچی

الجواب:-

جس امام کا جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا وہ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے:

فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجبت اہانتہ شرعاً

یعنی اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے ۔ جبکہ شریعت میں اس کی توہین کرنا واجب ہے ۔

اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ، انھیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شیعہ بیوی والے کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک پیش امام صاحب کی شادی ہوئی ۔ لڑکی کے والدین نیم سنی اور نیم شیعہ ہیں ۔ بعض لوگوں کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ امام صاحب کی بیوی شیعہ ہے ۔ لہٰذا ان کی اقتدا میں نماز جائز نہیں ہے ۔ حالانکہ اب وہ لڑکی شیعہ نہیں ہے ۔ بالفرض اگر امام صاحب کی بیوی شیعہ ہو تو اس میں آپ کی اور علمائے کرام کی کیا رائے ہے ؟ براہ کرم سوال کا جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب:-

اگر واقعی وہ لڑکی شیعہ ہے تو امام کا نکاح باطل ہے ۔ اور اس کی امامت ناجائز ہے ۔ اور اگر وہ لڑکی شیعہ نہیں ہے تو نکاح بھی جائز ہے اور امامت بھی ۔ تحقیق کی جائے اور جیسا ثبوت ملے ویسا ہی حکم لگایا جائے ۔

واللہ اعلم بالصواب

معذور کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) ایک شخص پیدائشی طور پر لنگڑا ہے ۔ اس نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی اور ایک مسجد میں

امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ جس ٹانگ میں لنگ ہے وہ قدرے چھوٹی ہے اور جب وہ سجدے میں جاتا ہے تو پہلے ایک ہاتھ کو ٹیکتا ہے پھر سجدے میں جاتا ہے۔ کیا ایسے امام کی امامت جائز ہے؟

(۲) کیا ایسا امام جو کہ ایک ٹانگ سے پیدائشی لنگڑا ہے، عارضی طور پر امامت کر سکتا ہے؟

(۳) ایک نابینا شخص جو کہ پیدائشی نابینا ہے مگر اس کی قراءت بہت اچھی ہے۔ کیا اس کی امامت جائز ہے؟ جبکہ اور بھی قرآن پڑھنے والے موجود ہوں۔

(۴) پیدائش کے چند سال کے بعد ایک شخص آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو گیا اس کی امامت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

برائے کرم قرآن وسنت کی روشنی میں ان مسائل پر شرعی حکم صادر فرمائیں۔ خدا آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ امین

الجواب:-

(۱، ۲) ایسے شخص کی امامت جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں اور کوئی ایسی خرابی یا عیب نہ ہو جو امامت کے منافی ہو۔

(۳) نابینا اگر احتیاط کرتا ہے یعنی کپڑوں یا بدن پر کوئی چیز لگ جائے تو دیکھنے والے کو دکھا کو اطمینان کر لیتا ہے کہ وہ نجاست نہیں ہے اور اگر نجاست ہو تو دھو لیتا ہے۔ ایسے نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر حاضرین میں مسائل نماز میں سب سے زیادہ علم والا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویکرہ تنزیھاً امامۃ اعمیٰ ونحوہ الاعشی نھر الاان یکون ای غیر الفاسق اعلم القوم فھو اولی

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد، صفحہ: ۴۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نابینا اور اسی طرح جسے رات کو نہ دکھائی دے ان کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر یہ زیادہ صاحب علم ہوں اور کسی قسم کا فسق بھی نہ پایا جاتا ہو تو ان کی امامت بہتر ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

اگر ایک شخص مرض جریان میں مبتلا ہے، تو کیا وہ امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے؟ جواب سے

مشکور فرمائیں۔

الجواب:-

جریان کے جو معنی لغت میں لکھے ہوئے ہیں یہ ہمیشہ ہر آدمی پر صادق نہیں آتے۔ عام طور پر یہ بیماری اس وقت ہوتی ہے جب " مادہ تولید " رقیق (پتلا) ہوتا ہے، تو احتلام کثرت سے ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاگتے میں غیر اختیاری طور پر منی کا خروج ہو جاتا ہے اور مذی بھی کثرت سے خارج ہوتی ہے۔ اس لیے اگر امام مذکور کو جریان اتنا کثیر ہوگیا ہے کہ اس کا وضو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتا تو ایسی صورت میں وہ معذور ہے اور اس کی امامت نا جائز ہے۔ اور اگر اتنا سخت جریان نہیں ہے صرف کثرت احتلام ہے، تو اس کی امامت جائز ہے۔

کنوارے کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

غیر شادی شدہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور کیا کنوارے کو امام بنانا صحیح ہے؟

سائل: حاجی محمد یونس قریشی، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

امام کے لیے شادی شدہ ہونا شرط نہیں ہے، غیر شادی شدہ کے پیچھے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

ایک صاحب ایک مسجد کے مستقل امام ہیں اور پانچوں وقت کی نماز با جماعت پڑھاتے ہیں۔ ان کی عمر تقریباً چالیس پینتالیس سال ہے، لیکن اب تک انھوں نے شادی نہیں کی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی، جبکہ آپ میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہے۔ اب ہم آپ کی شادی کرا دیں، تو انھوں نے انکار کر دیا

۔ ایسی صورت میں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : عبد الستار ، شاہنواز بھٹو کالونی ، کراچی

الجواب:-

امام کے لیے شادی شدہ ہونا ضروری نہیں ہے ۔ لہٰذا اگر امام مذکور اپنی کسی مصلحت کی بناء پر شادی نہیں کرتا ہے تو اس کی امامت میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ۔

بد عقیدہ امام کی امامت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کسی مسجد کا امام بد عقیدہ ہو تو آیا اس شخص کے پیچھے نماز با جماعت پڑھیں یا تنہا پڑھیں ؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ۔

المستفتی : فاروق

الجواب:-

اگر معلوم ہے کہ امام کا عقیدہ اس درجہ خراب ہے کہ اس پر حکم کفر ہوتا ہے ، تو ایسے امام کے پیچھے جماعت میں شریک نہ ہو ۔ لیکن جماعت ہونے کے وقت علیحدہ نہ پڑھے کہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا ، جماعت ختم ہونے کے بعد پڑھے اور اگر امام کے عقیدے میں خرابی اس سے کم درجے کی ہے ، تو جماعت میں شریک ہو جائے اور بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کرے ۔

دیوبندی کا سنی بن کر امامت کروانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ دیوبندی امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

دیوبندیوں کے عقائد، عقائد اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اور عقیدے کی خرابی کبھی معمولی ہوتی ہے، اس کو "مبتدع فی العقائد" کہتے ہیں اور کبھی خرابی حد کفر تک جا پہنچتی ہے۔ لہذا ایسے دیوبندی جو اپنے اکابر علماء کی لکھی ہوئی ایسی عبارات پر مطلع نہیں ہیں، جن پر علماء حرمین نے حکم کفر دیا تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اور جو دیوبندی اپنے اکابر کی عبارات کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان سے راضی ہے تو اس کی امامت باطل ہے اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی وہ فاسد ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

فجر اور ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کروانا

الاستفتاء:-

فجر اور ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امام کا جماعت کروانا کیسا ہے؟ برائے مہربانی اس سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ بینوا و توجروا

الجواب:-

ان دونوں وقتوں کی سنتیں، سنت موکدہ ہیں۔ انکو قصداً (جان بوجھ کر) ترک کرنا گناہ ہے۔ لہذا امام مقتدیوں سے کہہ دے کہ اتنا انتظار کریں کہ میں سنتیں پڑھ لوں۔ محض جماعت کے وقت کی پابندی کرنے کے لیے سنتیں چھوڑ کر امامت کروانا جائز نہیں ہے۔

چلتے پھرتے کھانے پینے والے کی امامت

الاستفتاء:-

حضرت قبلہ مفتی صاحب! دارالعلوم امجدیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

جو شخص بازار میں چلتے پھرتے یا کھڑے کھڑے کھائے پیے۔ ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا

چاہیے یا اسے معزول کر دینا چاہیئے ۔ معزول نہ کرنے کی صورت میں کیا انتظامیہ گناہ گار ہوگی ؟

سائل : عبد اللہ قادری

الجواب:-

بازار میں چلتے پھرتے کھانا خلاف مروت ہے اور ایسے شخص کی روایت حدیث میں قابل قبول نہیں ہے ۔ مگر وہ شخص فاسق نہیں ہے ۔ چنانچہ اسکی امامت جائز ہے ۔

امامت اور قراءت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

ہماری مسجد کے پیش امام صاحب کے منہ میں دانت نہیں ہیں ۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ ان کی امامت اور قراءت کے بارے میں حکم صادر فرمائیں کہ آیا ایسی حالت میں ان کا امامت کروانا جائز ہے یا نہیں ؟

مندرجہ بالا سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں ۔ عین نوازش ہوگی ۔

سائل : عبد الباری ، اورنگی ٹاؤن ، کراچی

الجواب:-

امامت کے لیے دانت ہونا شرط نہیں ہے ۔ لیکن قرآن کریم کی صحیح قراءت کرنا نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے ۔ لہذا اگر امام قراءت صحیح کرتا ہے تو اس کی امامت جائز ہے اور اگر الفاظ قرآن صحیح ادا نہیں کر سکتا تو اس کی امامت جائز نہیں ہے ، بلکہ اس کی اپنی نماز بھی جب ادا ہوگی جب وہ کسی کی اقتداء میں نماز پڑھے گا ، تنہا نماز پڑھنے سے اس کی اپنی نماز بھی نہ ہوگی ۔ مگر بحالت مجبوری کہ کوئی امام صحیح نماز پڑھانے والا میسر ہی نہ آئے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امام کا ایک سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

اگر کوئی امام دو یا دو سے زائد انگوٹھیاں پہنے تو اس کی امامت کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب:-

مرد کے لیے ایک چاندی کی انگوٹھی ، ان شرائط کے ساتھ جائز ہے کہ چاندی کا وزن ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور اس میں نگ بھی ضرور ہو ، نگ ایک ہی ہونا چاہیے اگر دو نگ لگے ہوں تو نا جائز ہو گی ، نگ بالکل چھلے کی شکل میں ہو تو وہ بھی نا جائز اور ایک سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا بہر حال نا جائز ہے ۔ اور سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لیے حرام ہے ۔ لہذا جو امام دو انگوٹھی پہنتا ہے اس کی نماز مکروہ تحریمی ہے ، تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے اور اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امام کا زکوٰۃ لینا

الاستفتاء:-

گزارش یہ ہے کہ ہمیں اپنی مسجد سے متعلق دو مسئلے در پیش ہیں ، جن پر بہت سے نمازیوں کو بھی اعتراض ہے ۔

(۱) مسجد ھذا کے پیش امام کا تشہد کی حالت میں پاؤں کا انگوٹھا قبلہ رخ نہیں ہوتا ۔

(۲) مسجد کے موذن صاحب فطرہ و زکوٰۃ وغیرہ لیتے ہیں ۔ وہ امام صاحب کی عدم موجودگی میں نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

شریعت کے مطابق دونوں مسئلوں کی وضاحت فرمائیں ، نوازش ہوگی ۔

سائل : حمید الدین

الجواب:-

سجدے کی حالت میں ایک انگلی کا اس طرح زمین پر لگانا کہ اس کا پیٹ زمین سے چپٹ جائے اور انگلی قبلہ رو ہو جائے ۔ یعنی قبلہ کی طرف مڑ جائے ، فرض ہے ۔ اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کو اسی طرح لگانا واجب ہے ۔ اور دسیوں کا لگانا مستحب ہے ۔ لہذا اگر امام کا ایک انگوٹھا قبلہ رو نہیں ہوتا تو نماز جائز ہے جبکہ اور کوئی عدم جواز کی وجہ نہ ہو ۔

اگر موذن زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے لیکن سوال نہیں کرتا، لوگ صدقہ اور زکوٰۃ از خود اس کو دے دیتے ہیں، تو اس کی امامت جائز ہے اور اگر سوال کرتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔

محکمہ اوقاف میں ائمہ اور موذنین کی تبدیلی

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کسی امام، خطیب یا موذن کو ایک مسجد سے دوسری مسجد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر تبدیل کیا جا سکتا ہے تو مطلقاً یا کسی عذر شرعی کی بناء پر؟ کسی موثر شخصیت کو بے اثر کرنے کے لیے بھی تبدیلی کا اقدام کیا جاتا ہے۔ شرعی نکتہ نظر سے واضح فرمائیں، نوازش ہوگی۔

قاری خلیل الرحمن، مدرسہ جامعہ نظیریہ، اسلام آباد

الجواب:-

محکمہ " اوقاف " ائمہ اور موذنین کو ملازمت پر رکھتا ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں کے مطابق تبادلہ بھی کرتا ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔ اور اگر محکمہ اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے کسی امام و موذن سے عناد پر تبادلہ کرے تو یہ ناجائز ہے۔

اقتداء کا بیان

بد عقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

حرمین شریفین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز پنجگانہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اپنی کتاب انوار البشارۃ، فصل اول، آداب سفر و مقدمات حج میں لکھا:

" اہل عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے نہ دل میں کدورت لائے اس میں دو جہاں کی سعادت ہے "۔

(صفحہ:۱۶)

اسی طرح فصل چہارم منیٰ کی روانگی اور عرفہ کا وقوف کے ضمن میں لکھا:

" دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجد نمرہ جاؤ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو "۔

(صفحہ:۴۶)

ایک اور جگہ فصل ہفتم حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت لکھا:

" ترک جماعت بلا عذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام و گناہ کبیرہ اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے۔ العیاذباللہ " صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"جسے میری مسجد میں نمازیں فوت نہ ہوئیں، اس کے لیے دوزخ اور نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں"
(صفحہ: ۸۴، ناشر تحریک اصلاح العقائد، میٹھادر، کراچی)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ان ارشادات کی ہمارے علمائے کے پاس کیا تاویل ہے کیونکہ بعض بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہاں وہ نمازیں باجماعت تو پڑھتے ہیں لیکن پھر خود دہرا لیتے ہیں۔ جو صورت صحیح ہو اس کی وضاحت کی جائے۔

الجواب:-

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انوار البشارۃ میں جس زمانہ کے متعلق لکھا ہے اس وقت حرم پاک میں چاروں اماموں کے مسلک کے مطابق علیحدہ علیحدہ چار مصلے تھے۔ ہر ایک کے مسلک کا امام اس مسلک کی شرائط اور وقت کے مطابق نماز پڑھاتا تھا اور حنفی مصلی تو خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے تھا نماز کی صحت کے لیے جہاں بہت سی شرائط ہیں وہاں ایک اہلیت اور عقیدہ کی صحت بھی شرط ہے۔ ہماری تمام فقہ کی کتابوں میں اس شخص کی امامت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے جس کے عقیدہ میں کچھ خرابی ہو اور اگر عقیدہ کی خرابی اس درجہ کو پہنچی ہو کہ جس سے ضروریات دین کا انکار لازم آتا ہو تو اس کی اقتداء میں نماز باطل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی ولسان اہل الجنۃ عربی

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا، جس کو بخاری نے روایت کیا:

هناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطٰن

(بخاری شریف، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق)

وہاں زلزلے آئیں گے، فتنے برپا ہوں گے اور یہیں سے شیطان کے سینگ ابھریں گے۔

یہ ارشاد نجد کے بارے میں ہے ان سے محبت یا عداوت کرنے کا حکم مسلمان سمجھ لے۔

بدعتی امام کی اقتداء

الاستفتاء:-

محترمی و مکرمی جناب مفتی صاحب!
دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ :

(۱) بدعت کی تعریف کیا ہے ؟

(۲) بدعتی امام کی اقتداء میں نماز درست ہے یا کہ نہیں ؟

(۳) اگر نماز درست نہیں تو ماضی میں جو نمازیں ایسے ائمہ کی اقتداء میں ادا کی گئی ہوں ان کے لیے صحیح حکم کیا ہے ؟ اور تابع سنت امام نہ ہونے پر کیا تنہا نماز ادا کرنے کی اجازت ہے ؟

برائے مہربانی مندرجہ بالا مسائل کا جواب قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں عنایت فرما دیں تاکہ معترضین کو کسی عذر یا عدم اتفاق کا موقع نہ مل سکے ۔

سائل : نذر محمد

الجواب:-

(۱) بدعت کے لغوی معنی " نئی چیز " کے ہیں اور بدعت کے شرعی معنی یہ ہیں " وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے " ۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ :

خدا جھوٹ پر قادر ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بھی بدتر ہے ۔

یہ وہ ناپاک عقیدے ہیں جو بارھویں صدی میں گڑھے گئے ۔

پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں ۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ

بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو ۔ جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس وغیرہ

بدعت سیئہ وہ نیا کام ہے ، جو سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو مثلاً جمعہ و عیدین میں غیر عربی میں خطبہ پڑھنا وغیرہ

بدعت حسنہ جائز ہے بلکہ بعض اوقات مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی ، مکروہ تحریمی یا حرام ہے ۔

بدعت حسنہ تین طرح کی ہے ۔

" بدعت جائز " یعنی وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر نیت خیر کے کیا جائے مثلاً انواع و اقسام کے کھانے ۔

" بدعت مستحبہ " یعنی وہ کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہیں ان کو کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا گناہ گار نہیں ۔

"بدعت واجبہ" وہ نیا کام ہے جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے قرآن کریم کے اعراب، دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا۔

بدعت سیئہ دو طرح کی ہے۔

"بدعت مکروہ" یعنی وہ نیا کام، جس سے کوئی سنت چھوٹ جائے۔ اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سنت موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) ایسا بدعتی امام، جس کا عقیدہ حد کفر کو نہ پہنچے اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ اور اگر اس کے اعتقاد کی خرابی حد کفر تک پہنچ جائے، تو اس کی امامت باطل ہے۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی نے در مختار میں لکھا:

و مبتدع ای صاحب بدعۃ لا یکفر بہا و ان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بہا فلا یصح الاقتداء بہ اصلا فلیحفظ

(جلد (۱) باب الامامۃ، مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام، صفحہ: ۴۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مبتدع یعنی ایسا بدعتی جو بدعت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا اور اگر ضروریات دین کا انکار کرے تو وہ کافر ہے تو اس کی اقتداء کرنا بالکل صحیح نہ ہوگی۔

(۳) صحیح العقیدہ امام نہ ہونے کی صورت میں تنہا نماز پڑھیں۔

وہابی امام کی اقتداء

الاستفتاء:-

حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت مسئلہ یہ ہے کہ کچھ مساجد کے ائمہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد زکریا (بقول ان کے شیخ الحدیث) کو نہ صرف علماء کرام بلکہ اولیاء اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندے کہتے ہیں اور ان کی خوب تعریفیں کرتے ہیں اور اپنے آپ کو فخریہ دیوبندی، وہابی کہتے ہیں اور ان مذکورہ بالا مولویوں کے مقلد اور خادم کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا ایسے ائمہ کا شمار اہل سنت والجماعت میں ہوگا؟

(۲) کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟

(۳) ایسے امام کو تقریر میں انہیں اولیاء اللہ کہنے سے روکا جائے یا اندیشہ فساد کے سبب خاموش رہا

جائے ؟

(۴) ہمارے بعض ساتھی ان کے پیچھے قطعی نماز نہیں پڑھتے ہیں اور انہیں کافر کہتے ہیں ۔ جبکہ ہم میں سے کچھ احتیاطاً کافر نہیں کہتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر دہرا لیتے ہیں ۔ جبکہ ایک دوست کہتے ہیں کہ وہ جائیں اور ان کا عقیدہ ہم اپنے عقیدہ اور مسلک پر سختی سے جمے رہیں تو ان کے پیچھے نماز درست ہے ۔ ہم میں سے کون درست کرتا ہے ؟

سائل : محمد سلیم ، جوڑیا بازار ، کراچی

الجواب:-

اشرف علی کی کتاب " حفظ الایمان " اب بھی چھپتی ہے ۔ مکتبہ تھانوی اور دوسرے دیوبندیوں کے کتب خانوں سے مل سکتی ہے اس میں لکھا ہے :

" پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم کا حکم دیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے کل علوم غیبیہ مراد ہیں یا بعض اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ؟ ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے " ۔

(حفظ الایمان ، صفحہ : ۸۷ ، مطبوعہ مطبع مجتبائی ، دھلی)

اور رشید احمد گنگوہی کی تصدیق کردہ خلیل احمد انبیٹھوی کی تصنیف " براہین قاطعہ " میں ہے :

" الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کونسی نص قطعی ہے ، جس سے تمام نصوص کو رد کر کے شرک ثابت کرتا ہے " ۔

(صفحہ : ۵۱ ، مطبوعہ : مطبع بلالی ، ساڈھورہ ، ضلع انبالہ ، بھارت)

یہ تو صرف دو عبارتیں ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں ورنہ دیوبندیوں کی کتابیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے بھری پڑی ہیں ۔ بانی مدرسہ دیوبند نے اپنی کتاب " تحذیر الناس " میں ختم نبوت کا انکار کر کے قادیانیت کے لیے راستہ ہموار کیا ۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا ممکن لکھا ایسے لوگوں کے متعلق مسلمان خود سوچیں کہ وہ ان لوگوں کو کیا کہیں ۔

علمائے حرمین کے پاس ان کے عقائد لکھ کر بھیجے گئے اس پر حرمین ، مصر ، شام ، عراق اور فلسطین کے علماء نے مکمل تحقیق کی اور جواب دیا کہ ایسے عقائد رکھنے والے کافر ہیں اور جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہے ۔ یہ فتویٰ " حسام الحرمین " کے نام سے عرصہ دراز سے چھپتا چلا آ رہا ہے ۔ اسے لیکر پڑھیں اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھوائیں ۔

احادیث میں ایسے بد عقیدہ لوگوں کے لیے فرمایا گیا:

"نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، نہ ان کے ساتھ پانی پیو اور نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کو سلام کرو، بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت بھی نہ کرو، مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو"۔

ایسے لوگوں کو امام بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کے پیچھے نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے قادیانی اور شیعہ کے پیچھے نماز پڑھنا۔

جماعت المسلمین اور امام کعبہ کی اقتداء میں نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

محترم مفتی صاحب!

السلام علیکم

ہمارے علاقہ میں ایک آدمی نیا نیا آیا ہے، جو جماعت المسلمین سے تعلق رکھتا ہے اولیاء کی شان میں نا زیبا الفاظ کہتا ہے نذر و نیاز کا بھی منکر ہے لیکن ایک واقعہ پیش آیا کہ ان دنوں اسلام آباد میں کعبہ کے امام عبد اللہ ابن سبیل آیا ہوا ہے وہ بندہ اس کے پیچھے جمعہ پڑھنے جارہا تھا۔ اس نے اور لوگوں کو بھی دعوت دی اور مجھے بھی دعوت دی میں نے اپنے مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ بھی جائیں گے انہوں نے کہا یہ لوگ وہابی ہوتے ہیں یہ گستاخ ہیں چھوڑو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ آپ برائے کرم تفصیل سے میری تسلی فرمادیں۔

سائل: امداد حسین کاظمی، مانسہرہ

الجواب:-

حرمین طیبین کے امام اور حجاز کی حکومت سب نجدی وہابی ہیں۔ اہلسنت و جماعت کی نماز نجدیوں کے پیچھے نہیں ہوتی۔ جس عالم نے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا مشورہ دیا انہوں نے صحیح کیا، آپ نے نماز نہیں پڑھی اچھا کیا۔ دیوبندیوں، وہابیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ نذر و نیاز فاتحہ، میلاد، قیام اور عرس وغیرہ کا انکار کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھی ہے۔ جماعت المسلمین والے بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں نام بدل کر وہابیت پھیلا رہے ہیں۔ لہٰذا وہاں کے سنی علماء اور عوام کو کوشش کرنی چاہئیے تاکہ ان کے فتنے سے مسلمان محفوظ رہیں۔

دیوبندی امام اور امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:
کیا دیوبندی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں تو کیا وہاں امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: تاج محمد، کراچی

الجواب:-

نماز صحیح ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام مسلمان، متقی، پرہیزگار ہو، فقہ حنفی کی ہر کتاب میں لکھا ہے کہ فاسق کی امامت مکروہ ہے اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی، ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ فاسق وہ ہوتا ہے، جس کے عمل میں خرابی ہوتی ہے۔ مختلف فتاوی جات میں لکھا ہے کہ مبتدع (بدعتی) کی امامت مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل در مختار، عالمگیری، طحطاوی وغیرہ میں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے در مختار میں لکھا:

و مبتدع ای صاحب بدعة و هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة و کل من کان من قبلتنا لا یکفر بها

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و ان انکر بعض ما علم من الدین ضرورة کفر بها کقوله ان الله تعالیٰ جسم کالاجسام و انکاره صحبة الصدیق فلا یصح الاقتداء به اصلا

(جلد (۱) باب الامامة، مطلب البدعة خمسة اقسام، صفحہ: ۴۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مبتدع یعنی صاحب بدعت کی امامت مکروہ ہے اور بدعت کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں معروف ہیں ان کے خلاف عقائد رکھنا اور یہ مخالفت عناد و دشمنی کی بناء پر نہ ہو بلکہ کسی شبہ کی بناء پر ہو اور ہر وہ شخص جو ہمارے قبلے کو قبلہ مانتا ہو مبتدع کہتے ہیں امامت مکروہ ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ اس بدعت کی وجہ سے کافر نہ ہوا ہو اور اگر وہ شخص ایسی باتوں کا انکار کرتا ہے جن کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے تو وہ اس عقیدے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیگر اجسام کی طرح جسم قرار دے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو اس کی اقتداء بالکل صحیح نہ ہوگی۔

دیوبندیوں سے اہل سنت کا اختلاف اعتقادات میں ہے اس کی تفصیل کے لیے آپ " حسام الحرمین "

کو دیکھئے ، جس میں علمائے حرمین مصر و شام و عراق وغیرہ کے علماء کے فتاوے زمانہ دراز سے چھپ رہے ہیں۔ دیوبندیوں کی کتابیں توہین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا ممکن انہوں نے بتایا ، ختم نبوت کا انکار انہوں نے کیا وغیرہ تو ان کی امامت کا حکم آپ خود ہی سمجھ لیں۔ صرف حنفی ہونے سے امامت جائز تھوڑی ہو جاتی ہے یہ سارا فتنہ نجد سے شروع ہوا اور اسی کی اولاد حرمین طیبین پر حملہ کر کے ترکی کے مسلمانوں کی حکومت سے جنگ کر کے غاصبانہ طور پر حرمین پر قابض ہوئی اور اس کی اولاد حرمین میں اب بھی امام ہے ان کے پیچھے نماز تو کوئی بھی سنی عالم جائز نہیں کہتا ہے۔ علماء اب بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں عوام بے چارے جو ان کے عقائد و نظریات سے آگاہ نہیں وہ پڑھ لیتے ہیں۔ کوئی بھی مسلمان جو ان کے باطل عقائد سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔

مودودی نظریہ والے کی اقتداء

الاستفتاء:-

کیا فرماتے علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) ایک شخص ، جو کہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میں نظریۂ مودودیت کی حمایت کرتا ہوں۔ آیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) ایسی صورت میں جماعت ترک کر کے گھر میں علیحدہ جماعت کروا سکتے ہیں یا نہیں ؟

سائل : محمد ساجد

الجواب:-

مودودی صاحب نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ، قرآن و حدیث کے معنی سمجھنے میں روایات کے بجائے اپنی عقل سے کام لیا ہے ، جیسا کہ مقدمہ تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن کے تراجم و تفاسیر بہت تھیں۔ میں نے یہ کیا کہ " قرآن پڑھنے کے بعد اس کا جو مفہوم میرے ذہن میں آیا اس کو لکھ دیا "۔

(مقدمہ تفہیم القرآن ، صفحہ : ۱۰)

اور دوسری کتابوں میں لکھا کہ " قرآن و حدیث کا مطالعہ اچھی چیز تو ضرور ہے لیکن پرانے ذخیروں سے ہرگز نہیں اور خود اپنے متعلق رسائل و مسائل میں لکھا کہ میں نہ حنفیت کا پابند ہوں اور نہ شافعیت وغیرہ کا جو حق سمجھتا ہوں وہ لے لیتا ہوں "۔

(حصہ (۱) بحث خلافیات، تقلید و عدم تقلید کے تحت)

اور ایک جگہ لکھا میرے نزدیک پڑھے لکھے آدمی کے لیے تقلید کرنا ناجائز بلکہ گناہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور شے ہے۔

(رسائل و مسائل)

گناہ سے بڑھ کر کفر ہے اس کا مقصد یہ ہوا کہ پڑھے لکھے مقلد کافر ہیں اس کے علاوہ انھوں نے اپنا یہ اصول مقرر کیا کہ نبی کے علاوہ ہر شخص پر تنقید کرنا جائز ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور عقائد کے بارے میں بھی رسائل و مسائل میں یہ سوال و جواب لکھا:

سوال علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں کون حق پر ہے؟ جواب دیا کہ علمائے دیوبند حق پر ہیں۔ علمائے بریلی نے زیادتی کی ہے پھر جب حسین احمد صدر دیو بند سے اختلاف ہوا تو لکھا کہ میں علمائے دیوبند سے حسن ظن رکھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا مقام بریلی کے کافر ساز علماء سے بلند و بالا ہے اور علمائے دیوبند کے مقتدائے اعلیٰ اور پیران پیر اسمٰعیل دہلوی صاحب اور رشید احمد کو مجدد ثابت کیا اس قسم کی مختلف غلط عقائد ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں تو جو ان کے عقائد کو درست سمجھتا ہے وہ بھی اسی جیسا ہے ہماری فقہ کی کتابوں میں مبتدع کی امامت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے جبکہ عقائد میں معمولی خرابی ہو اور اگر عقائد کی خرابی کفر تک پہنچ جائے تو اس کی امامت باطل ہے۔ در مختار میں ہے:

و مبتدع ای صاحب بدعة و هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعانده بل بنوع شبهة و کل من کان من قبلتنا لا یکفر بها

(جلد (۱) باب الامامۃ، مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام، صفحہ: ۴۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مبتدع یعنی صاحب بدعت کی امامت مکروہ ہے اور بدعت کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں معروف ہیں ان کے خلاف عقائد رکھنا اور یہ مخالفت عناد و دشمنی کی بناء پر نہ ہو بلکہ کسی شبہ کی بناء پر ہو اور ہر وہ شخص جو ہمارے قبلے کو قبلہ مانتا ہو مبتدع کہتے ہیں امامت مکروہ ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ اس بدعت کی وجہ سے کافر نہ ہوا ہو اور اگر وہ شخص ایسی باتوں کا انکار کرتا ہے جن کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے تو وہ اس عقیدے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیگر اجسام کی طرح جسم قرار دے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو اس کی اقتداء بالکل صحیح نہ ہوگی۔

اس کے بعد لکھا:

وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة کفر بها فلا یصح الاقتداء به اصلا

یعنی اگر ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کیا تو اس پر حکم تکفیر لگایا جائے گا اور اس کے پیچھے اقتداء بالکل صحیح نہ ہوگی۔

لہٰذا سوال میں مذکور امام کے پیچھے نماز پڑھنا کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔ مکروہ تحریمی کو دوبارہ پڑھنا

دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی جماعت میں شریک نہ ہوں جماعت کے بعد مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو۔ اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیں مسجد کے قریب والے مسجد کو نہ چھوڑیں تراویح کی جماعت گھر میں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تصویر کھنچوانے والے کی اقتداء میں نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:

اگر کسی مسجد کا امام صحیح العقیدہ سنی اور بریلوی مسلک سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ کھلے عام فوٹو کھچواتا ہے۔ کیا ایسے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:-

تصویر کھینچنا، کھنچوانا سخت گناہ ہے۔ احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

اشد الناس یوم القیامۃ عذاباً المصورون

یعنی قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا۔

لہٰذا بخوشی فوٹو کھنچوانے والے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز واجب الاعادہ ہے۔

دیوبندی، تبلیغی اور مودودی فرقوں کا حکم

الاستفتاء:-

دیوبندی، تبلیغی اور مودودی فرقے کیا مسلک اہلسنت سے خارج ہیں؟ اور جو اہلسنت سے خارج ہے کیا وہ اسلام سے بھی خارج ہے؟

الجواب:-

سوال میں ذکر کردہ فرقے اہلسنت سے خارج ہیں۔ اسلام سے خارج ہونے کا دار و مدار ان کے

عقائد پر ہے، اگر عقائد اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہیں تو اسلام سے بھی خارج ہیں اور اگر اس درجہ اعتقاد خراب نہیں ہوا ہے تو بد مذہب اور گمراہ ہیں۔

امیر دعوت اسلامی کی سنیت کا بیان

الاستفتاء :-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گذارش یہ ہے کہ کاٹھیاواڑ (انڈیا) کے کچھ دیہاتوں میں مولانا محمد الیاس قادری صاحب کے بارے میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ یہ دیوبندیوں کے ایجنٹ ہیں اور آگے چل کر کھل جائیں گے۔ برائے مہربانی آپ ان کے مسلک کی پوزیشن کو واضح فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل : محمد اقبال

الجواب :-

دعوت اسلامی کے بانی مولوی الیاس قادری کو میں تقریباً (۲۲) سال سے جانتا ہوں وہ برابر میرے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور مسائل پوچھ پوچھ کر ہی وہ مولوی بنے اور ان کو یہ جماعت قائم کرنے کے لئے بھی ہم لوگوں نے تیار کیا تھا اور میں نے ان کو خلافت بھی دی وہ میرے خلیفہ بھی ہیں ان کے سنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے پکے سنی ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیدائی ہیں۔ ان کے متعلق دیوبندیت کا شبہ کرنا سخت ناجائز ہے اور یہ وہی گمان ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

(الحجرات (۴۹) آیت : ۱۲)

یعنی بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو ایسے شبہات نہیں کرنے چاہئیں اور جو لوگ اس قسم کے شبہات ظاہر کر کے دعوت اسلامی کو بدنام کر رہے ہیں انہیں خدا سے ڈرنا چاہئے۔

وقار الدین غفرلہ

جماعت کا بیان

مسجد کے ستونوں کے درمیان صف بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے متعلق کہ:

جمعہ کی نماز کھڑی ہوئی تھی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ستونوں کے درمیان جو صف ہے، اسے خالی کر دو کیونکہ نماز نہیں ہوگی چنانچہ مقتدیوں نے ستونوں کے درمیان والی صف، خالی کر دی۔ اب اگر ستونوں کے درمیان صف بچھائی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

ستونوں کے درمیان اس طرح کھڑا ہونا کہ ستون درمیان میں آ جائے تو انقطاع صف کی وجہ سے نماز مکروہ ہے۔ اگر مقتدیوں کی کثرت ہو یا دھوپ میں شدت ہو یا بارش وغیرہ کا کوئی عذر ہو تو ستونوں کے درمیان صف بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن ماجہ میں حدیث موجود ہے:

کنّا ننھی ان نصف بین السواری علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نطرد عنھا طردا

(ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا، باب الصلوۃ بین السواری فی الصف، صفحہ: ۷۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ہمیں منع کیا جاتا تھا اس بات سے کہ ہم ستونوں کے درمیان صف بنائیں اور ہم کو وہاں سے

دھکے دے کر ہٹا دیا جاتا تھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

جماعت میں نابالغ بچوں کو کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:
بچوں کو نماز کے دوران کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟

سائل: محمد رفیق چشتی، نارتھ کراچی

الجواب:-

صفوں کی ترتیب کا حکم اس طرح ہے کہ پہلے بالغ مردوں کی صف ہو پھر بچوں کی اور اس کے بعد عورتوں کی صف ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

یصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء

(اولیین، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، صفحہ: ۱۲۴، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

یعنی پہلے آدمی صف بنائیں گے پھر بچے پھر عورتیں۔

اس کی شرح میں صاحب فتح القدیر نے ابو مالک اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کردہ ایک طویل حدیث نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا تھا کہ امام کے قریب مردوں کی صف کی اس کے بعد بچوں کی اور اس کے بعد عورتوں کی۔

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، صفحہ: ۳۱۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہذا اگر ایک بچہ تنہا موجود ہے تو چونکہ ایک بچے کا اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے اس لیے وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے مگر جب دو بچے ہوں گے تو ان کی صف مردوں کے پیچھے علیحدہ کرنا ہوگی۔ اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو مردوں کی نماز مکروہ ہوگی۔ لیکن نماز فاسد کسی طرح نہیں ہوتی۔ اگر بچے درمیان صف میں ہیں تو بعد میں آنے والا ان کو آہستہ سے پچھلی صف میں کھڑا کر دے گا اس طرح نہیں ہٹائے گا کہ بچے نیت توڑ دیں اور نہ ہی ان سے بد اخلاقی سے پیش آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی نمازیں دوسروں کی اقتداء میں پڑھیں ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس بارے میں کہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں کتنی نمازیں دوسروں کی اقتدا میں ادا فرمائیں ؟ کیونکہ اختلاف اس میں یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مرات شرح مشکوۃ جلد اول صفحہ : ۳۳۶ باب المسح علی الخفین ، فصل اول ، حدیث مغیرہ کی شرح میں تحریر کیا کہ خیال رہے کہ حضور نے صرف ایک رکعت دوسرے شخص یعنی حضرت عبد الرحمن بن عوف کے پیچھے پڑھی ہے ۔ باقی تمام نمازیں پڑھائیں کسی کے پیچھے پڑھی نہیں ۔ لیکن مرات جلد دوم صفحہ : ۲۱۵ باب ما علی الماموم ، فصل ثالث میں تحریر فرماتے ہیں کہ سوموار کی فجر میں صدیق اکبر امام بنے ، اور حضور نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہے ۔ بینوا و توجروا

سائل : محمد محمود اللہ قادری رضوی ، کراچی

الجواب:-

پہلے واقعہ میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنا جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے ، یہ متفق علیہ ہے ۔ بیماری کے زمانہ میں اتوار کے دن ظہر کی نماز میں حضور مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھی اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ امام کون تھا اور مقتدی کون ؟ مگر اکثر آئمہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور امام تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقتدی بن گئے تھے اور اسی لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داہنی جانب رکھا اور قراءت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ درمیان نماز میں پہلے امام کی موجودگی میں خود امام بن گئے ۔ دوسرے دن پیر کو فجر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور نماز فجر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی ۔ اس کی ساری تفصیل شیخ علی بن سلطان محمد القاری المعروف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے (مرقات شرح مشکوۃ جلد سوم ، باب ما علی الماموم من المتابعۃ ، الفصل الثالث ، صفحہ : ۱۰۲ ، مکتبہ امدادیہ ملتان) میں لکھی :

لہٰذا مفتی صاحب نے مرات میں جو لکھا ہے کہ صرف عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہے اور کسی کے پیچھے نہیں ، یہ سہو ہے ۔

ایک ہی شخص کا دو جگہ نماز عید کی امامت کروانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر امام نفل پڑھے تو کیا مقتدی فرض یا واجب کی نیت کر کے امام کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ در پیش مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مقام پر نماز عید پڑھائی، کیا وہی شخص دوسری جگہ اسی نماز عید کی امامت کر سکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

اقتداء صحیح ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اعلیٰ ہو۔ یعنی دونوں ایک ہی وقت کے فرض پڑھ رہے ہوں یا امام فرض پڑھ رہا ہے اور مقتدی نفل کی نیت سے اقتداء کرے تو جائز ہے۔ لیکن اگر مقتدی کی نماز امام کی نماز سے اعلیٰ ہو تو اقتداء باطل ہوتی ہے۔ یعنی امام نفل پڑھے اور مقتدی فرض یا واجب نماز پڑھنے کیلئے اس کا مقتدی بنے یہ نماز باطل ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ولا مفترض بمتنفل و بمفترض فرضا آخر و لا ناذر بمتنفل

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب الامامۃ، مطلب الواجب کفایۃ ہل یسقط بفعل الصبی وحدہ، صفحہ: ۴۲۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا اسی طرح مختلف فرض پڑھنے والے اور نہ نفل کی نذر (منت) ماننے والا (ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں) لہٰذا صورت مسئولہ میں امام جب عید کی نماز پڑھ چکا تھا تو دوبارہ اس کا نماز عید پڑھنا یا پڑھانا نفل نماز پڑھنے کے حکم میں ہوگا اور مقتدیوں پر نماز عید واجب ہے۔ تو یہ اقتداء باطل ہوئی۔

کسی افسر کا نماز با جماعت سے منع کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلے میں کہ:

ایک آدمی دفتر میں کام کرتا ہے اور وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ لیکن دفتر کا جو

بڑا افسر ہے، وہ مسجد میں جانے سے روکتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ دفتر میں اکیلے نماز پڑھ لو۔ اس صورت میں وہ آدمی کیا کرے؟ نماز با جماعت پڑھے یا افسر کا حکم مانے۔ لیکن اگر وہ اپنے افسر کا حکم نہیں مانتا ہے تو وہ ملازمت سے نکال دے گا۔

الجواب:-

جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جہاں نافرمانی ہوتی ہو وہاں کسی کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ آج کل حکومت نے ہر آفس میں نماز با جماعت کا انتظام کر دیا ہے اور اس کے لیے وقفہ بھی مقرر ہے۔ لہذا اسی وقت میں نماز با جماعت پڑھیں اور اس وقت سے زیادہ وقت نہ لگائیں۔ اس کے باوجود اگر افسر منع کرے تو اس کا کہنا نہ مانیں اور اس کی شکایت اوپر تک پہنچائیں۔

با جماعت نماز پڑھنے کے لئے شافعی کا حنفی بن جانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میں شافعی المسلک ہوں اور مجھے تقریباً شافعی مسلک پر نماز پڑھتے ہوئے ۲۲ سال ہو گئے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ہماری شافعی مساجد دیوبندیوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ اب کراچی میں کوئی شافعی مسجد نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو دیوبندی امام ہے شافعی امام نہیں۔ میں اہلسنت و جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن کسی بھی اہل سنت کی مسجد میں شافعی مسلک کے مطابق نماز پڑھتا ہوں تو لوگ اہل حدیث سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے "اہلسنت" حضرات یقین نہیں کرتے کہ میں بریلوی ہوں۔ لہذا اب ایسے حالات میں کیا میں شافعی مسلک چھوڑ کر حنفی مسلک پر مکمل طور پر عمل کر سکتا ہوں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب سے مستفید فرمائیے۔

سائل: محمد نصر اللہ قادری رضوی، کراچی

الجواب:-

کراچی میں اس وقت ہماری معلومات کے مطابق دو مسجدوں میں شافعی سنی امام ہیں۔ بہادر آباد کے قریب کوکن سوسائٹی میں ایک مسجد ہے اور دوسری نارتھ ناظم آباد میں حی حسن کے قریب ایک مسجد ہے۔ جہاں بریلوی مسلک کے شافعی امام ہیں۔ اگر آپ ان مساجد میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پہنچ سکتے تو حنفی بریلوی مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں اور آمین میں معمولی جہر کریں اور رفع یدین کرنے میں تھوڑا سا اشارہ کر لیں، ہاتھ زیادہ نہ اٹھائیں اس طرح شافعی مسلک پر بھی نماز درست ہو جائے گی۔ صرف اس وجہ سے اپنے امام کی

تقلید بدلنا صحیح نہیں ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی پر ریلیز جماعت میں اقتداء

الاستفتاء:-

یہاں سعودی عرب میں نماز باجماعت حرمین شریف سے براہ راست ریڈیو یا ٹی وی سے نشر ہوتی ہے۔ کیا ہم اپنی رہائش گاہ میں حرمین شریفین کے ائمہ میں سے کسی ایک کی اقتداء کی نیت کر کے باجماعت نماز میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:-

اقتداء صحیح ہونے کے لئے صرف امام کی آواز سن لینا ہی کافی نہیں ہے۔ اقتداء صحیح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ امام اور مقتدی ایک مکان میں ہوں اگر امام و مقتدی کے درمیان اتنا چوڑا راستہ آجائے، جس میں سے گاڑی گذر سکے، جب بھی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اگر راستہ میں صفیں ہو جائیں تو اقتداء صحیح ہو جاتی ہے۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں اقتداء کرنا جائز نہیں۔

بلانیت اقتداء جماعت میں شامل ہونا

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

بعض حضرات کسی امام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھنا چاہتے تو عموماً نماز پہلے پڑھ لیتے ہیں اور پھر جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو بلانیت نماز جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کیا اس طرح دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں اور ان لوگوں کا ایسا کرنا جائز ہے یا نا جائز؟ تفصیل سے جواب عنایت فرما کر شکریہ

کا موقع دیں۔

سائل: محمد ایوب، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:-

اگر امام میں کوئی وجہ فسادِ نماز اور کراہت نماز نہیں ہے تو ان لوگوں کا ایسا کرنا ناجائز ہے۔ اور اس سے صف میں خلل واقع ہوگا۔

فاصلہ دیکر جماعت میں شرکت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:
مسجد میں امام کے متصل کچھ صفوں کے بعد درمیان سے کچھ جگہ چھوڑ کر صف بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ وہاں امام کی آواز بھی بذریعہ لاؤڈ اسپیکر پہنچتی ہے۔

سائل: عبد الرحیم چشتی

الجواب:-

اقتداء کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی کہ مقتدی اور امام کے درمیان میں کوئی فاصل (فاصلہ کرنے والی) چیز نہ آئے، جس سے مقتدی امام کے انتقالات پر مطلع نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے باہر اقتداء کرنا ناجائز ہے بلکہ اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں اقتداء مکروہ ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں جبکہ مائیک کے بغیر مقتدی امام کے انتقالات پر مطلع نہیں ہو سکتا تو یہ اقتداء باطل ہے اور ایسے مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔

نماز عصر اور عشاء کی جماعت اذان کے متصل قائم کرنا

الاستفتاء:-

نماز عشاء و عصر کی جماعت اذان دیتے ہی ادا کرنا جیسے مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے کیسا ہے؟

الجواب:-

اذان کے فوراً بعد ان نمازوں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جن سے پہلے سنتیں موکدہ نہیں ہے مگر مسجدوں میں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اذان کے بعد اگر جماعت کا وقت مقرر ہے تو وقت مقررہ پر جماعت کریں اور اگر وقت مقرر نہیں ہے تو اتنی دیر کے بعد جماعت کریں جتنی دیر میں روزانہ کے نمازی آ جاتے ہیں۔

مقتدی قصداً یا سہواً کوئی واجب چھوڑ دے

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) نماز ختم کرنے کے لیے دونوں طرف سلام پھیرنے میں لفظ سلام کا کہنا واجب ہے۔ اگر دائیں سلام پھیرنے کے بعد نمازی نماز ختم کر کے اٹھ گیا اور بایاں سلام نہیں پھیرا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو کیا کرے؟

(۲) مسبوق نے سہواً قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ دونوں سلام پھیر لیے، فوراً یاد آنے پر باقی نماز پوری کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اسی صورت میں نماز ختم کرنے کے لیے سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

(۳) امام کے پیچھے اگر مقتدی سے سہواً یا قصداً کوئی واجب چھوٹ گیا مثلاً تعدیل ارکان (قومہ یا جلسہ) نہیں کیا یا تشہد نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

سائلین: انجمن طلباء جامع مسجد گلفشاں، کراچی

الجواب:-

(۱) نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

(۲) نماز ہو گئی، سجدہ سہو واجب نہیں۔

(۳) تعدیل ارکان نہ کرنے سے نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ اور کسی واجب کو قصداً (جان بوجھ کر) امام کے پیچھے چھوڑنے سے نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ اور اگر امام کے پیچھے سہواً (بھول سے) کوئی واجب چھوٹ گیا تو پھر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور نماز ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سنا ہے آپ کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب !

مندرجہ سوال کا مدلل جواب عنایت فرمائیں ۔

کیا آپ مسجد ابراہیم (جہاں آپ جمعہ پڑھاتے ہیں) کے امام کے پیچھے یا دیگر امام حضرات کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے ہیں ؟ کیونکہ کسی نے بتایا ہے کہ آپ کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ۔

سائل : محمد ایوب ، فیڈرل بی ایریا ، کراچی

الجواب:-

میں مسجد ابراہیم میں صرف جمعہ پڑھانے جاتا ہوں اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ میں مقتدی بنوں ۔ بظاہر امام میں کوئی ایسی وجہ نہیں کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہو ۔ جن صاحب نے یہ کہا ہے کہ میں کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ، غلط کہا ہے ۔

سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

سواری پر فرض و واجب پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
چلتی ہوئی گاڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

چلتی گاڑی میں فرض، وتر اور فجر کی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نوافل سواری پر پڑھنا جائز ہیں۔ سواری پر نماز پڑھنے کا جن حدیثوں میں تذکرہ ہے، ان میں نفل نمازیں مراد ہیں۔ ابو داؤد میں ایک باب مقرر کیا "باب الفریضۃ علی الراحلۃ من عذر" اس میں حدیث نقل کی:

عن عطاء بن ابی رباح انه سال عائشة هل رخص للنساء ان يصلين على الدواب قالت لم يرخص لهن فی ذلک فی شدة ولا رخاء قال محمد هذا فی المکتوبة.

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، ابواب صلوۃ الاستسقاء، صفحہ: ۱۸۰، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ

کیا عورتوں کے لیے سواریوں پر نماز پڑھنے کی رخصت ہے ؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اس میں عورتوں کے لیے سختی اور نرمی دونوں حالتوں میں رخصت نہیں ہے محمد بن شعیب نے فرمایا یہ حکم فرائض کا ہے ۔

مسلم شریف میں ایک باب نقل کیا گیا ہے ، جس کا عنوان ہے " باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت " اس میں حدیث نقل کی :

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی سبحتہ حیث ماتوجہت بہ ناقتہ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفل نماز پڑھتے تھے سواری کا منہ جس طرف بھی ہو ۔

اس حدیث پر شیخ الاسلام محی الدین ابی زکریا یحیی بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ نے مسلم کی شرح نووی میں لکھا :

وفیہ دلیل علی ان المکتوبۃ لاتجوز الی غیر القبلۃ ولا علی الدابۃ وھذا مجمع علیہ

(مسلم ، جلد (۱) کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا ، صفحہ : ۲۴۳ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ فرض نماز غیر قبلہ اور سواری پر جائز نہیں اور اس بات پر اجماع مسلمین ہے ۔

(ترجمۃ النووی)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا امام محمد میں ایک باب مقرر کیا ہے ، جس کا عنوان ہے " باب الصلوۃ علی الدابۃ فی السفر " اس میں لکھا :

قال محمد لاباس بان یصلی المسافر علی دابتہ تطوعاً ایماءً حیث کان وجھہ یجعل السجود اخفض من الرکوع فاما الوتر والمکتوبۃ فانھما تصلّیان علی الارض وبذالک جاءت الآثار

(ابواب الصلوۃ ، صفحہ : ۱۳۲ ، مطبوعہ : قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں حرج نہیں ہے کہ مسافر اپنی سواری پر اشارے سے نفل نماز پڑھے ۔ سواری کا رخ جس طرف بھی ہو سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ نیچے کرے گا ۔ لیکن وتر اور فرض دونوں نمازیں زمین پر پڑھی جائیں گی ۔ اور آثار میں اسی طرح ہے ۔

اس کے بعد انھوں نے کئی حدیثیں اس مضمون کی روایت کی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل سواری پر پڑھ لیتے تھے وتر سواری سے اتر کر پڑھتے تھے ۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے " شرح معانی الآثار " میں بہت سی احادیث نقل کر کے تحریر فرمایا :

فقالوا لایجوز لاحد ان یصلی الوتر علی الراحلۃ ولکنہ یصلیہ علی الارض کما یفعل فی الفرائض

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ ، باب الوتر ھل یصلی فی السفر علی الراحلۃ ام لا ، صفحہ : ۲۸۴ ، مکتبہ حقانیہ ، ملتان)

پس فقہاء نے فرمایا کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وتر سواری پر پڑھے ۔ لیکن وہ وتر کو زمین پر پڑھے جیسا کہ وہ فرائض میں کرتا ہے ۔

در مختار میں سواری پر نفل پڑھنے کو جائز لکھا اور فرائض کے لیے صرف عذر کی صورتوں میں لکھا کہ جس پر علامہ شامی نے تحریر فرمایا:

واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بانواعه کالوتر والمنذور وما لزم بالشروع والافساد وصلوة الجنازة وسجدة تليت علی الارض فلا يجوز علی الدابة بلا عذر لعدم الحرج کما فی البحر

(جلد (۱) کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی الصلاة علی الدابة، صفحہ: ۵۱۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی صاحب در مختار نے سواری پر نماز پڑھنے کے بارے میں نفل کی قید لگا کر فرض واجب کی تمام قسموں جیسے وتر، نذر مانی ہوئی نماز اور وہ نماز جو کہ شروع کر کے فاسد کرنے سے قضاء لازم ہوئی تھی اور نماز جنازہ اور اس آیت کا سجدہ تلاوت جو زمین پر پڑھی گئی تھی، سے احتراز کیا ہے کہ یہ سب نمازیں بلاعذر سواری پر جائز نہیں ہیں، اس لیے کہ ان کو زمین پر پڑھنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔

نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

لا يصح علی الدابة صلوة الفرائض ولا الواجبات کالوتر والمنذور والعيدين ولا قضاء ما شرع فيه نفلاً فافسده ولا صلوة الجنازة الی آخره

(کتاب الصلوة، باب الوتر، فصل فی صلوة الفرض والواجب علی الدابة، صفحہ: ۲۲۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی فرض نمازیں سواری پر پڑھنا درست نہیں ہیں اور نہ واجبات۔ جیسے وتر اور نذر مانی گئی نمازیں، عیدین، نفل شروع کر کے توڑنے پر قضاء اور نہ ہی نماز جنازہ۔

غرض یہ کہ فقہ و حدیث کی تمام کتابوں میں یہ تصیص ہے کہ فرض، وتر اور ہر واجب نماز چلتی ہوئی سواری پر جائز نہیں ہے اور سنت فجر کا بھی یہی حکم ہے۔ لہذا چلتی ہوئی گاڑی پر یہ نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہیں۔ اگر ایسی مجبوری کی صورت ہو جائے کہ نماز کا وقت جا رہا ہے اور وقت میں کسی جگہ گاڑی کے ٹھرنے کی امید نہیں ہے تو مجبوراً پڑھ لے مگر اس کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ گاڑی کے متعلق خاص طور پر در مختار میں لکھا ہے:

و اما الصلوة علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة و هی تسير او لا تسير فهی صلاة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذکور فی التيمم لا فی غيرها

اس کے بعد لکھا:

وان لم يکن طرف العجلة علی الدابة جاز لو واقفة

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی الصلوة علی الدابة، صفحہ: ۵۱۸، ۱۹ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بحری جہاز، کشتی، اور چلتی سواری پر نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

چلتی ہوئی ریل پر فرض ، واجب اور فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بہار شریعت ، قانون شریعت ، رکن دین اور فتاوی امجدیہ میں لکھا ہے کہ چلتی ریل پر نماز فرض اور واجب اور سنت فجر نہیں ہو سکتیں ، جب اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے ، اس وقت یہ نمازیں پڑھے اور اگر دیکھے کہ وقت نکل رہا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے تو اعادہ کرے۔ تحریر فرمائیں کہ یہ جو لکھا ہے صحیح ہے یا غلط؟ فقہ حنفیہ کے مطابق جواب دیں آپ کی مہربانی ہوگی نیز علمائے اہل سنت کی مذکورہ کتب مستند ہیں یا نہیں؟

سائل: محمد اسلم قادری

الجواب:-

جن کتابوں کے نام سوال میں لکھے ہوئے ہیں یہ کتابیں مستند ہیں اور ان میں بیان کردہ مسائل صحیح ہیں۔ اس مسئلے میں تمام محدثین اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ فرض اور واجب نماز سواری پر جائز نہیں ہے۔ احادیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سواری سے اتر کر پڑھا کرتے تھے۔

فقہ حنفی میں صاف صاف لکھا ہے کہ کشتی اگر بندرگاہ پر لنگر انداز ہے تو کشتی میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ساحل پر اتر کر پڑھنا ہوگی اگر ساحل سے دور ہو اور اترنا ممکن نہ ہو یا چل رہی ہو تو کشتی میں جائز ہے۔ لوگ کشتی پر قیاس کر کے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز جائز قرار دیتے ہیں ، یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ کشتی اگر لنگر انداز بھی کر دی جائے جب بھی پانی کی حرکت سے اس کی حرکت باقی رہتی ہے اور یہ حرکت انسانی فعل کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کو روک سکتا ہے۔ ٹرین کی حرکت انسان کے فعل سے ہوتی ہے اور جب وہ چاہتا ہے ٹرین روک دیتا ہے اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا ٹرین کو کشتی پر قیاس کرنا غلط ہے۔ ٹرین جب رکے گی اس وقت ٹرین کے اندر یا پلیٹ فارم پر اتر کر فرض اور وتر پڑھنا ضروری ہے اور فجر کی سنتیں سب سے زیادہ موکدہ ہیں اور واجب کے قریب ہیں اس لیے ان کا بھی یہی حکم ہے۔ جب ایسی مجبوری ہو جائے کہ وقت ختم ہو رہا ہو اور ٹرین رک نہیں رہی ہو تو جس طرح ممکن ہو پڑھ لے مگر اس کا اعادہ ضروری ہے۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ہوائی جہاز میں نماز کس طرح پڑھی جائے گی ؟ اگر اڑتے ہوئے ہوائی جہاز میں نماز پڑھ لی جائے تو اس کا اعادہ کرنا کیا ضروری ہے ؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں ۔

سائل : عبد الجبار احمد نقشبندی ، نفیس آباد ، کراچی

الجواب:-

فرض ، واجب جیسے وتر یا نذر مانی ہوئی نماز میں یہ شرط ہے کہ نمازی جس جگہ نماز پڑھ رہا ہے وہ ٹھری ہوئی ہو ۔ مگر استقرار کی یہ شرط زمین اور ان چیزوں میں ہے ، جو زمین سے متصل ہوں ۔ لہذا ایسی چیزوں میں جو زمین پر ہیں مگر زمین سے اتصال قرار نہیں ہے ان پر نماز جائز نہیں ہوتی ہے ۔ مثلاً چلتی ہوئی ریل ، بیل ، اونٹ اور گھوڑا گاڑی میں استقرار نہیں اس لیے ان پر نماز نہیں ہوتی ہے ۔ اور دریا یا سمندر میں یہ نمازیں اس لیے ہو جاتی ہیں کہ وہاں استقرار شرط ہی نہیں ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز جب فضا میں اڑ رہا ہو تو اسے زمین سے اتصال حاصل نہیں ہے تو وہاں بھی استقرار شرط نہیں ہوگا اس میں بھی نماز ہو جائے گی مگر استقبال قبلہ بہر صورت شرط ہے وہ جہاز والوں سے معلوم کر لیا جائے اور جہاز میں کھڑا ہونا اگر ممکن نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھیں ۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ۔

نماز تراویح کا بیان

مسائل تراویح

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

برائے مہربانی مندرجہ ذیل مسائل کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں۔

نماز تراویح کے دوران غالباً چودھویں رکعت پڑھی جارہی تھی کہ سجدہ ادا کرنے کے بعد امام صاحب بجائے قعدہ کے غلطی سے مکمل کھڑے ہو گئے کچھ مقتدی حضرات امام صاحب کے ساتھ کھڑے ہو گئے جبکہ بقیہ قعدہ کے لئے بیٹھ گئے۔ اسی دوران کسی مقتدی نے لقمہ دیکر امام صاحب کو بٹھا دیا امام صاحب دوبارہ قعدہ کے لئے بیٹھ گئے اور سجدہ سہو ادا کرنے کے بعد نماز مکمل کرلی۔ پوچھنا یہ ہے کہ:

(۱) کیا یہ دو رکعت نماز تراویح ادا ہو گئی یا کہ ان دو رکعت کو دوبارہ ادا کرنا چاہیے تھا۔

(۲) کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ امام صاحب جبکہ مکمل کھڑے ہو چکے تھے تو تیسری اور چوتھی رکعت بھی پڑھا کر اور آخر میں سجدہ سہو ادا کرتے اس طرح چار رکعت نماز تراویح مکمل کر لیتے۔

(۳) اس صورت میں اگر یہ دو رکعت ادا نہیں ہوئیں تو ختم قرآن کیلئے جو قراءت ان رکعت میں تلاوت کی گئی تھی کیا اس قراءت کو دہرانے کے لئے یہ دو رکعت دوبارہ پڑھنی پڑیں گی؟

الجواب:-

(۱) تراویح کی نماز دو دو رکعت کے ساتھ بیس رکعت سنت ہے۔ دو رکعت کی نیت کے ساتھ تراویح شروع کرنے سے قعدہ اخیرہ یعنی دو رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھنا فرض تھا۔ قعدہ اخیرہ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جانے سے حکم یہ ہے کہ جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کرے، لوٹ آئے اور تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرے تو یہ نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا امام نے صحیح کیا تھا اگر تیسری کا سجدہ کر لیتا تو پھر چوتھی رکعت بھی پڑھنا ہوتی اور ان میں پہلی دو رکعتیں باطل ہو جاتیں اور پچھلی دو نفل ہو جاتے مگر ان چار رکعت میں جتنی تلاوت کی، اس سب کو دوبارہ پڑھنا ہوتا اور یہ رکعتیں تراویح میں شمار نہیں ہوتیں۔

(۲) امام اور ان مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی، جنھوں نے رکوع اور سجود کر لیا ان کی تراویح مکمل ہوگئی، جن مقتدیوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز فاسد ہوگئی۔ ان لوگوں کو اپنی دو رکعت تراویح علیحدہ علیحدہ یا اپنوں میں سے کسی کو امام بنا کر پڑھنا چاہیے تھیں امام کو دوبارہ پڑھانا مناسب نہ تھا اگر چہ نفل میں امام دو مرتبہ امامت کر سکتا ہے۔ امام نے دو رکعت جو دوبارہ پڑھائیں جن لوگوں کی پہلے تراویح پوری ہو چکی تھی ان کو اور امام کو دو رکعت نفل کا ثواب مل جائے گا اور جن لوگوں کی دو رکعت باطل ہوگئی تھی، انکی تراویح پوری ہوگئی۔ امام کے پیچھے مقتدی کی ایسی غلطی سے جو سجدہ واجب کرتی ہو مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ لیکن فرض چھوڑ دینے سے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کا رکوع چھوٹ گیا ان کی نمازیں باطل ہو گئیں۔

تراویح کی جماعت کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

چند روز بیشتر ایک مجلس میں ایک صاحب نے صلوٰۃ تراویح کے بارے میں کہا کہ یہ بدعت ہے۔ ان سے اس بارے میں عرض کیا گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح ثابت ہے اور اس کے علاوہ آپ کا فرمان موجود ہے:

علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین المهدیین

(مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، صفحہ ۳۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تو آپ اس کو بدعت کیونکر قرار دے سکتے ہیں؟ بعد ازاں انہوں نے اس بارے میں مزید وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ تراویح کو بدعت نہیں کہتے ہیں، لیکن چونکہ اس کی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

مستقلاً ثابت نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کی جماعت کا اہتمام کیا۔ لہذا تراویح کی جماعت بدعت ہوگی۔ ہم نے حدیث کی روشنی میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلے کو مفصل اور مدلل انداز سے واضح فرمائیں۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ وہ شخص جو تراویح کو بدعت قرار دے کر گویا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدعتی قرار دے رہا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل: اعجاز الحق، بفرزون، نارتھ کراچی، کراچی

الجواب:-

ہر بدعت بری نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ خود حدیث شریف میں دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا:

مَن سن فی الاسلام سنة حسنة فعُمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص من اجورهم شیئ

ومن سَنّ فی الاسلام سنة سیئة فعمل بها بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا ینقص من اوزارهم شیئ

(مسلم شریف، جلد (۲) کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، صفحہ: ۳۴۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقے کی اقتدا کی اور انکے بعد اس طریقے پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہ ہوگی اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقہ کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقے پر عمل کیا گیا تو اس طریقے پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

بدعت کے اچھا اور برا پہچانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کام سے احادیث میں ممانعت آگئی، اس قسم کا نیا کام ایجاد کیا جائے تو وہ بری بدعت ہے اور جس کام کی ممانعت نہیں آئی اور مسلمان اسے اچھا سمجھتے ہیں تو وہ بدعت حسنہ ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا:

ما رأه المسلمون حسناً فهو عند الله حسنٌ

(مسند الامام احمد بن حنبل ۱/۳۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

تو تراویح کی جماعت بھی اسی قسم سے ہے، جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے شروع کیا اور خود انہوں نے فرمایا:

نعم البدعةُ هذه

(بخاری شریف، جلد (۱) کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، صفحہ ۲۶۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔

اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا :

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، صفحہ: ۳۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تم پر میرا طریقہ اور خلفائے راشدین مہدیین کا طریقہ لازم ہے۔

اس لئے امت کو اس پر عمل کرنا سنت قرار پایا۔ جس شخص نے تراویح کو بدعت کہا اگر اس کی مراد بدعت حسنہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فرمایا اور اگر اس کی مراد بدعت سیئہ ہے تو پھر یہ گمراہی ہے۔ اس لئے کہ تراویح کی جماعت پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔ جو بدعت سیئہ کہے گا وہ صحابہ کرام پر طعن کرتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

آٹھ رکعات تراویح کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

دیکھا گیا ہے کچھ لوگ تراویح کی صرف آٹھ رکعت پڑھ کر چلے جاتے ہیں کیا اس طرح ان کی تراویح کی نماز مکمل ہو جاتی ہے؟

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین یا چار دن جماعت سے تراویح پڑھائی، اسکے بعد منع فرمایا اور تنہا پڑھنے کا حکم دیا۔ کسی صحیح روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھی تھیں؟ بخاری شریف میں بیان کردہ جس روایت سے غیر مقلدین آٹھ رکعت کا استدلال کرتے ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :

" رمضان اور غیر رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سے زیادہ رکعت قیام لیل نہیں فرمایا "

(بخاری شریف، جلد (۱) کتاب التہجد، باب المداومة علی رکعتی الفجر، صفحہ: ۱۵۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس روایت سے تراویح پر دلیل لانے سے یہ ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہی نہیں اس لئے کہ غیر رمضان میں تراویح ہوتی نہیں ہے نماز تہجد ہوتی ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں تراویح کو جماعت سے پڑھنے کا انتظام کیا اس کے متعلق صحیح روایت سے ثابت ہے کہ بیس رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

حضرت علی سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

شیعہ حضرات سوال کرتے ہیں کہ رمضان شریف کی تراویح کی جماعت کا ثبوت حضرت علی سے نہیں ہے اگر حضرت علی کی روایت سے نماز تراویح کی جماعت کا ثبوت اور بیس رکعات تراویح کا ثبوت کسی کتاب میں ہے تو اس کتاب کا نام اور صفحہ نمبر تحریر فرمائیں۔

الجواب:-

تین دن یا چار دن تراویح جماعت سے پڑھانے کا ثبوت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری و مسلم میں مروی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے اس لئے نہیں پڑھائی کہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔

(بخاری شریف، جلد (۱) کتاب التهجد، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل و النوافل، صفحہ: ۱۵۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے، جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے بیس رکعت تراویح جماعت سے پڑھانے کا انتظام کیا اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خود اپنے زمانہ میں بھی بیس رکعت تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے رہے۔ علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ نے "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں بیہقی سے نقل کیا ہے:

روی البیهقی باسناد صحیح عن السائب ابن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عهد عمر رضی الله تعالی عنه بعشرین رکعة و علی عهد عثمان و علی رضی الله تعالی عنهما مثله و فی المغنی عن علی رضی الله تعالی عنه انه امر رجلاً ان یصلی بهم فی رمضان بعشرین رکعة قال و هذا کالاجماع

(جلد (۷) کتاب التهجد، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلاۃ اللیل، مذاهب الامة فی صلوۃ التراویح، صفحہ: ۱۷۸، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی بیہقی نے اسناد صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت سائب بن یزید صحابی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے وہ بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔

اور علامہ عینی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ روایت کی ہے:

وکیع عن حسن ابن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ امر رجلاً یصلی بھم رمضان عشرین رکعۃ

(عمدۃ القاری، جلد (۱۱) کتاب التراویح، باب من قام رمضان، صفحہ: ۱۲۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت وکیع حسن بن صالح سے اور وہ حضرت عمرو بن قیس سے اور وہ ابو الحسناء سے اور وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قائم کی ہوئی جماعت تراویح اور مسجد میں روشنی دیکھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ دعا دی:

اخرج ابن عساکر عن اسمٰعیل ابن زیاد قال مر علی ابن ابی طالب علی المساجد فی رمضان و فیھا القنادیل فقال نور اللہ علی عمر فی قبرہ کما نور علینا فی مساجدنا

(تاریخ الخلفاء، الخلیفۃ الثانی عمر الفاروق، فصل فی اولیات عمر رضی اللہ عنہ، صفحہ: ۱۳۷، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

یعنی ابن عساکر نے اسمٰعیل ابن زیاد سے روایت کی کہ حضرت علی بن ابی طالب کا گذر رمضان میں مساجد کے پاس سے ہوا تو ان میں روشنی کے لئے قنادیل لگائی گئیں تھیں تو آپ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو قبر میں روشنی عطا فرمائے جیسا انھوں نے ہماری مساجد کو روشن کیا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس رکعات تراویح جماعت سے پڑھنے پر راضی تھے خود پڑھتے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی تراویح کی وجہ سے دعا دیتے تھے۔

پندرہ سال کے لڑکے کا نماز تراویح کی امامت کروانا

الاستفتاء:-

علمائے کرام کی اس مسئلے کے بارے میں کیا رائے ہے کہ:

ایک نوجوان ، جس کی عمر سوا ۱۵ سال ہے وہ حافظ قرآن ہے ۔ تراویح میں امامت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : عظمت علی ، لانڈھی ، کراچی

الجواب :-

شریعت میں اگر کوئی علامت بلوغ نہ بھی پائی جائے جب بھی پندرہ سال کی عمر میں بالغ مانا جاتا ہے ۔ لہذا شخص مذکور کی امامت جائز ہے جبکہ اور کوئی وجہ ممانعت نہ ہو ، فرائض اور تراویح دونوں کی امامت کر سکتا ہے ۔

صرف نماز تراویح کی امامت کیلئے داڑھی رکھنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

بعض حفاظ کرام رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لئے داڑھی منڈوانا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھا سکیں کیا ان کا یہ عمل درست ہے ؟

الجواب :-

مذہب صحیح پر ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے ۔ منڈوانے والا یا کاٹ کر حد شرعی سے کم کرنے والا فاسق ہے ۔ فاسق کی امامت مکروہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے ۔ اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۔ فرض اور تراویح سب کا حکم ایک ہی ہے ۔ جو حفاظ ایسا کرتے ہیں کہ رمضان میں داڑھی رکھتے ہیں اور رمضان کے بعد کٹوا دیتے ہیں وہ عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور شریعت کو دنیا کمانے کے لئے استعمال کرتے ہیں ، ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔ حدیث میں فرمایا :

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین

(بخاری شریف ، جلد (۲) کتاب الادب ، باب لایلدغ المؤمن من جحر مرتین ، صفحہ : ۹۰۵ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی مومن کسی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ۔

یعنی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ دو مرتبہ دھوکہ کھائے۔ لہذا جن حفاظ کا عمل ایسا ہے جیسا سوال میں مذکور ہوا ان کو دوسرے سال نماز تراویح کی امامت کے لئے مقرر کرنا درست نہیں۔

تراویح میں ختم قرآن پر سورۃ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

ماہ رمضان المبارک میں ۲۷ویں شب جب ختم قرآن ہو تو تراویح میں تین مرتبہ "سورۃ اخلاص" ایک ہی رکعت میں پڑھنا کیسا ہے اور اگر کوئی صرف ایک مرتبہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:-

تین مرتبہ "قل ھو اللہ احد" یعنی سورۃ اخلاص کا تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر پڑھنا متاخرین فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

حفاظ کرام کا نذرانہ لینا

الاستفتاء:-

(۱) رمضان المبارک میں حفاظ حضرات کو لوگ ملکر کپڑے، پیسے اور مٹھائی دیتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

(۲) ایسے حافظ صاحب کے پیچھے قرآن پاک سننا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر بلا اجرت تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو کیا اجرت والے کے پیچھے پڑھیں یا الگ سے نماز تراویح پڑھیں؟

(۴) اگر خود نہ مانگے اور محلہ والے مل کر یا کوئی اکیلا آدمی اپنی خوشی سے خدمت کرے اور کہے کہ یہ قرآن کا عوض نہیں ہے یہ فی سبیل اللہ دیتے ہیں؟

(۵) زید جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے وہاں ایسے ہی ہوتا ہے اور زید اس مسجد میں اعتکاف کے لئے

گھٹتا ہے تو کیا کرے؟

(۶) اگر کوئی قاری صاحب شروع سے ہی اعلان کرے کہ میں فی سبیل اللہ پڑھاؤں گا اور میں آپ سے اس کا کوئی بدل نہیں لوں گا مگر بعد میں ۲۷ یا ۲۹ کو محلے والے انھیں کچھ دیں اور وہ قاری صاحب لے لیں تو کیسا ہے؟

(۷) بعض مساجد میں مستقل چندہ اسپیکر پر یا بغیر اسپیکر کیا جاتا ہے کہ قرآن کی خدمت کرو اور پھر وہ چندہ قاری صاحب کو دے دیا جاتا ہے تو اس طرح چندہ کرنا اور دینا کیسا ہے؟

سائل: عبد الرزاق، یو کے اپارٹمنٹ، گلشن اقبال

الجواب:-

تراویح پڑھانے پر اجرت متعین کرنا، لینا اور دینا حرام ہے۔ پڑھانے والا اگر متعین نہ کرے اور نہ ہی اسکی نیت اجرت لینے کی ہو۔ اور نذرانہ نہ ملنے کی صورت میں وہ ناخوش بھی نہ ہوتا ہو، لوگ بخوشی اسکی خدمت کریں خواہ رقم یا لباس وغیرہ کی صورت میں، تو یہ جائز ہے۔ اور ایسے قاری و حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے۔ فی سبیل اللہ بلا اجرت پڑھانے والا نہ ملے تو لوگ اپنے طور پر سورہ تراویح پڑھیں جب لوگوں سے قاری و حافظ کے لئے نذرانے اور ختم قرآن کے مصارف کے لئے چندہ لیا جاتا ہے تو یہ جائز ہے۔

نفل کی جماعت کا بیان

اعلان عام کے ساتھ نفل کی جماعت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

آج کل پاکستان کی مساجد میں، گھروں یا میدانوں میں شبینے کے طور پر قرآن پاک باضابطہ جماعت کے ذریعے سنا اور سنایا جاتا ہے۔ ایسے شبینوں میں اکثر لوگ جماعت کے علاوہ گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں یا آپس میں گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں اور جب امام صاحب رکوع میں جاتے ہیں تو دوڑ کر رکعت حاصل کرنے کے لئے جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ کسی کسی مسجد میں شبینے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ حفاظ کرام بیٹھ کر قرآن پاک پڑھتے ہیں اور سامعین بھی بیٹھ کر ادب سے قرآن پاک سنتے ہیں سوائے سجدہ تلاوت کے رکوع و سجود نہیں کرتے۔ براہ کرم اس مسئلے کی شرعی حیثیت کی تشریح فرما کر ممنون فرماویں۔

سائل: ناظم علی رضوی، بفرزون، نارتھ کراچی، کراچی

الجواب:-

مذھب حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کر کے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے۔ پھر اس طرح شبینہ جیسا سوال میں لکھا ہوا ہے کہ لوگ بیٹھے رہیں اور باتیں کرتے رہیں اور قرآن پڑھا جاتا رہے سخت ناجائز ہے اور یہ سب باتیں کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔ نفل کی جماعت سے صرف نظر بھی

کیا جائے جب بھی شبینہ جائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پڑھنے والے حفاظ اس طرح پڑھیں کہ تمام کلمات و حروف مخارج سے ادا ہو کر متمیز طور پر سنے جائیں اور تمام لوگ تکبیر اولیٰ سے آخر تک شریک جماعت ہوں ۔ قرآن کو اس طرح پڑھنا، جس طرح شبینوں میں حفاظ پڑھتے ہیں کہ صرف یعلمون ، تعلمون سمجھ میں آتا ہے ، اس کے علاوہ کلمات ہی سمجھیں نہیں آتے مخارج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے یہ سخت حرام ہے ۔ اور ایسے قرآن پڑھنے والے کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا کہ قرآن خود ایسے پڑھنے والے پر لعنت کرتا ہے ۔

نفل کی جماعت کے لئے نماز مسجد اقصیٰ (شب معراج) کو دلیل بنانا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

ہمارے محلہ کی مسجد میں معراج کی رات ایک صاحب تشریف لاتے ہیں اور ان کی تقریر ہوتی ہے پھر وہ دو رکعت نماز نفل تمام حاضرین با جماعت پڑھاتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہ السلام کے ساتھ دوگانہ نماز ادا کی تھی ۔ آیا انکا یہ عمل درست ہے یا نہیں ؟ برائے مہربانی وضاحت کے ساتھ جواب دیں ۔ شکریہ

الجواب:-

نفل کی جماعت حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے ۔ شب معراج کی جماعت میں تمام انبیاء سابقین مقتدی تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء کرام شریک جماعت ہوئے یہاں انبیاء کرام کی خصوصیت تھی امتی اس سے استدلال نہیں کر سکتا ۔

صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

صلوٰۃ التسبیح با جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ فتویٰ قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے مرحمت فرمائیں تاکہ لوگوں کی صحیح راہ نمائی ہو جائے ۔ نیز کیا امام اور مقتدی با آواز بلند تسبیح کے کلمات ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:-

صلوٰۃ التسبیح میں ان تمام جگہوں پر، جہاں معین تعداد میں تسبیح پڑھنی ہے ہر نمازی کو وہ تعداد پوری کرنی ہے ۔ جماعت کی صورت میں تمام مقتدی اور امام ساتھ ساتھ تسبیح پوری کریں یہ دشوار ہے ۔ لہٰذا صلوٰۃ التسبیح علیحدہ علیحدہ پڑھنی چاہیے ۔

نماز میں جماعت کی صورت میں ، جن نمازوں میں جہر واجب ہوتا ہے جیسے مغرب ، عشاء ، فجر ، جمعہ ، عیدین اور نماز تراویح کے علاوہ جہر نہیں ۔ اور جہر بھی صرف قراءت میں ہوتا ہے نہ کہ تسبیحات وغیرہ میں ۔ لہٰذا صلوٰۃ التسبیح کی تسبیح کو زور سے پڑھنا ناجائز ہے ۔

صلوٰۃ استسقاء کی جماعت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

استسقاء امام اعظم کے نزدیک صرف استغفار و دعا ہے اور صلوٰۃ استسقاء جائز نہیں جب کہ جماعت کے ساتھ پڑھی جائے ایک مولوی صاحب جو کہ جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں ، ان کا کہنا ہے کہ نماز استسقاء کی جماعت نہیں اور اپنے دعویٰ میں ہدایہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں :

لیس فی الاستسقاء صلوٰۃ مسنونۃ فی جماعۃ

اور جب ان سے کہا گیا کہ صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد) اور دیگر فقہاء کے نزدیک یہ نماز با جماعت جائز ہے تو کہنے لگے میرے لئے امام ابو حنیفہ کا قول حجت ہے اور کہا کہ جو لوگ پڑھتے ہیں وہ غیر مقلد ہیں اور یہ بھی کہا کہ صاحبین بھی غیر مقلد ہیں ۔ لہٰذا مفصل دلائل سے جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب:-

نماز استسقاء کا ثبوت احادیث مبارکہ سے بھی ہے ۔ صحاح کی تمام کتابوں میں حدیثیں مروی ہیں ۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعا کی اور نماز استسقاء نہ پڑھی اس لئے امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ نماز استسقاء سنت موکدہ نہیں ہے ۔ جواز کی نفی ان کا مذہب نہیں ہے ۔ صاحب ہدایہ کی عبارت "لیس فی الاستسقاء صلوٰۃ مسنونۃ فی جماعۃ"

(اولین ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الاستسقاء ، صفحہ: ۱۷۶ ، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

اس میں مسنونۃ فی جماعۃ پر " لیس " داخل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو تو قید کی نفی ہوتی ہے مطلق کی نفی نہیں ہوتی ۔ لہذا صاحب ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ استسقاء میں جماعت سنت نہیں ہے ۔ جواز کی نفی اس عبارت سے نہ ہوئی ۔ چنانچہ صاحب فتح القدیر اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں :

قال شیخ الاسلام فیہ دلیل علی الجواز عندنا یجوز لو صلوا بجماعۃ لکن لیس بسنۃ

(جلد (۲) باب الاستسقاء، صفحہ: ۵۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی شیخ الاسلام نے کہا اس میں ہمارے لئے جواز کی دلیل ہے اگر جماعت سے پڑھیں لیکن جماعت سنت نہیں ہے ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

بلا جماعۃ مسنونۃ بل ھی جائزۃ

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

ای الجماعۃ جائزۃ لا مکروھۃ وھذا موافق لما ذکرہ شیخ الاسلام من ان الخلاف فی السنیۃ لا فی اصل المشروعیۃ

(جلد (۱) باب الاستسقاء، صفحہ: ۶۲۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نماز استسقاء میں جماعت جائز ہے مکروہ نہیں اور یہ بات موافق ہے قول شیخ الاسلام کے اختلاف جماعت کے سنت ہونے میں ہے نہ کہ اصل مشروعیت میں ۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیۃ الطحطاوی علی در المختار میں لکھا :

ھو ما علیہ شیخ الاسلام

(جلد (۱) باب الاستسقاء، صفحہ: ۳۶۰، مکتبۃ العربیہ، کوئٹہ)

یعنی یہ وہ قول ہے جس پر شیخ الاسلام ہیں ۔

لہذا ان تمام عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ امام اعظم کا مذہب یہی ہے کہ نماز استسقاء کی جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کا انہوں نے انکار کیا ہے ویسے جماعت سے پڑھنا ان کے نزدیک بھی جائز ہے ۔ لہذا کوئی مقلد اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتا، جس سے امام اعظم پر احادیث کی مخالفت کرنے کا الزام لگے ۔ صورت مسئولہ میں امام نے جو کچھ کہا وہ اس کی کم علمی اور جہالت پر مبنی ہے ۔

نماز ازالہ دشمنی

الاستفتاء :-

محترمی جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
ازالہ دشمنی چار رکعت نماز کی کیا حقیقت ہے ، کیا یہ نماز پڑھنا یا جماعت سے پڑھانا جائز ہے ؟ ہماری مسجد کے امام صاحب کا کہنا ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کا حق مارے یا اس پر زیادتی کرے تو اس کو اللہ معاف نہیں کرتا جب تک وہی شخص معاف نہ کرے اور اگر وہ ازالہ دشمنی کی چار رکعت نماز پڑھ لے تو وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے امام صاحب نے جمعۃ الوداع کی نماز کے بعد چار رکعت نماز ازالہ دشمنی با جماعت پڑھائی ۔
سائل : عبد المجید غوری ، مسجد عثمانیہ

الجواب :-
اس طرح کی کوئی نماز نہیں ہے اور نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی مکروہ ہے ۔

نماز اوابین

الاستفتاء :-
کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :
(۱) کیا مغرب کے فرض کے بعد دو سنت موکدہ نفل اوابین کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتے ہیں ؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو یہ کس طرح ادا کریں اور اس کی نیت کیسے کی جائے ۔
(۲) اوابین کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعات پڑھی جا سکتی ہیں ؟

الجواب :-
مغرب کے فرض پڑھنے کے بعد کم از کم چھ رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ۔ ان کو " اوابین " کہتے ہیں ۔ یہ چھ رکعتیں خواہ ایک سلام سے یا دو سے یا تین سلام سے پڑھ سکتے ہیں ۔ تین سلام سے پڑھنا افضل ہے ۔ یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیرے ۔ مغرب کے فرض کے بعد دو رکعت سنت موکدہ " اوابین " کے نفل کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتے ہیں ۔ اس میں مطلق نماز کی نیت بھی کی جا سکتی ہے ۔ اور سنت کی بھی ۔ صلاۃ اوابین کی کم از کم چھ رکعات ہیں ۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق بیس رکعتیں ہیں ۔

(ترمذی ، حصہ اول ، ابواب الصلاۃ ، باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب ، صفحہ : ۵۸ ، فاروقی کتب خانہ ، ملتان)

نفل نماز بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہو کر

الاستفتاء:-

نفل بیٹھ کر پڑھنے چاہئیں یا کھڑے ہو کر؟ ثواب کس میں زیادہ ہے؟

الجواب:-

ہر نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے پورا ثواب ملتا ہے۔

لقمہ دینے کا بیان

لقمہ دینے کے مسائل

الاستفتاء:-

بخدمت جناب عالی مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

حضور والا، مندرجہ ذیل مسئلے میں صحیح حکم کیا ہے وہ بتلایا جائے تو بے حد ممنون ہوں گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ:

چار رکعت والی نماز مثلاً ظہر میں دو رکعت کے بعد اگر امام نے ایک طرف سلام پھیر دیا لیکن مقتدیوں کے لقمہ دینے پر امام کھڑے ہو گئے اور بقیہ دو رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر کے نماز کو ختم کیا۔ براہ کرم بتائیں کہ آیا یہ نماز کسی بھی نقص کے بغیر پوری ہو گئی یا اس میں کوئی کسر رہ گئی۔ نیز براہ کرم یہ بھی بتائیں کہ آیا بہار شریعت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں یعنی امام کے سلام پھیر دینے کی صورت میں نماز کو دہرانا چاہیے۔

سائل: احقر قاضی غلام محمد، کراچی

الجواب:-

ظہر کی نماز میں غلطی سے امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو لقمہ دینا چاہیے اور جب مقتدی نے لقمہ دے دیا، تو امام کو نماز پوری کر لینا چاہیے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ بہار شریعت میں اس صورت میں نماز فاسد ہونے کو نہیں لکھا، وہ جو لکھا ہے وہ یہ صورت نہیں ہے بلکہ وہ دوسری صورت ہے۔

بے محل لقمہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ:

امام نے چار رکعت نماز میں بھول کر قعدہ اولیٰ نہیں کیا۔ ایک مقتدی نے امام کو لقمہ دیا لفظ "التحیات" یا "اللہ اکبر" کہہ کر۔ امام نے اس کے لقمہ کو قبول نہیں کیا اس لیے کہ امام کھڑے ہونے کے قریب تھا پھر امام نے قعدہ اخیرہ میں سجدہ سہو کر لیا۔ کیا اس مقتدی کی نماز جس نے لقمہ دیا تھا فاسد ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:-

لقمہ دینے کی اجازت ضرورتاً ہے بلا ضرورت لقمہ دینے سے لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام قعدہ اولیٰ کرنا بھول جائے اور کھڑا ہونے لگے، تو جب تک امام کے گھٹنے زمین سے لگے رہیں، لقمہ دینے کی اجازت ہے اور جب گھٹنے زمین سے اٹھ جائیں تو امام کا خود بھی یاد آجانے پر قعدہ کی طرف لوٹنا جائز نہیں ہے اور مقتدی کا لقمہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ تو صورت مسئولہ میں اگر امام گھٹنے زمین سے اٹھا چکا تھا اس کے بعد مقتدی نے لقمہ دیا تو اس لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو گئی۔

بچے کا لقمہ دینا

الاستفتاء:-

محترم جناب عزت مآب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ

عرض یہ ہے کہ ایک مسئلہ در پیش ہے اس کی وضاحت چاہتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں حافظ صاحب تراویح پڑھا رہے تھے اور ہمارے امام صاحب سماعت کرتے تھے۔ اتفاقاً امام صاحب تین دن کی چھٹی پر چلے گئے، اور ایک بچہ جس کی عمر تقریباً ۸ سال ہے اور ۱۰ پاروں کا حافظ ہے، تراویح کے دوران یہ بچہ حافظ صاحب کی سماعت کرتا رہا۔ تیسرے دن امام صاحب واپس آگئے، تراویح ہو رہی تھی کہ بچے نے غلط لقمہ دیا۔ امام صاحب پیچھے صف میں کھڑے تھے، انھوں نے بچے کا غلط لقمہ دینا سنا تو نماز ختم ہونے کے فوراً بعد وہ خود سماعت کے لیے پہلی صف میں آگئے۔ دوسرے دن انتظامیہ بچے کو امام صاحب کے ساتھ کھڑا کرنے لگی تو امام صاحب نے کہا کہ "یہ بچہ لقمہ نہیں دے سکتا"۔

الجواب:-

بچے کا درمیان صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ صف کے پیچھے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اگر بچے کو قرآن صحیح یاد ہے اور وہ لقمہ صحیح دے سکتا ہے تو لقمہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر لقمہ دینے والے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ صحیح نماز پڑھ رہا ہو اور امام کی اقتداء میں شریک جماعت بھی ہو اگر بچے کو نماز کے فرائض و واجبات کا علم نہیں ہے اور وہ جماعت میں شریک ہو جاتا ہے اور لاعلمی کی وجہ سے ایسے کام بھی کرتا رہتا ہے، جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو یہ بچہ لقمہ نہیں دے سکتا۔ اگر لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو امام کی اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بظاہر آٹھ سال کے بچے کا نماز کے صحیح مسائل جان لینا بہت مستبعد (بعید) ہے اس لیے ایسے بچہ کو لقمہ نہیں دینا چاہیے۔

غیر سامع کا لقمہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

امام صاحب نماز تراویح میں قرآن شریف غلط پڑھ جائیں اور سامع صحیح طور پر لقمہ نہ دے سکے تو کیا کوئی دوسرے حافظ صاحب لقمہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ اگر غلطی ہو تو مجھے نماز کے بعد یا دو رکعت ہو جانے کے بعد بتایا جائے اور لقمہ صرف میرا سامع ہی دے گا۔ کیا یہ شرعاً درست ہے؟ اس ضمن میں یہ بھی بتایا جائے کہ قرآن شریف کی غلطی رہ جانے کی صورت میں ذمہ دار کون ہو گا؟

سائل: زاہد علی زیدی، زکریا کالونی

الجواب:-

قرآن غلط پڑھا جائے گا تو سننے والوں پر واجب ہے کہ وہ اس کی تصحیح کریں۔ اس لیے نماز تراویح اور فرض نمازوں میں بھی جب پڑھنے والا غلطی کرے تو سننے والوں کو لقمہ کی اجازت دی گئی ہے۔ سامع جو مقرر ہے اسے چاہیے کہ وہ لقمہ دے اور اگر وہ لقمہ نہ دے سکے تو پیچھے سننے والوں میں سے جو حافظ ہو یا کوئی اور جو اس غلطی کو سمجھتا ہے اور اسے صحیح الفاظ یاد ہیں تو وہ بھی لقمہ دے سکتا ہے۔ غلطی مختلف طرح کی ہوتی ہے بعض صورتوں میں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے وہاں لقمہ دینا ضروری ہے تاکہ نماز صحیح ہو جائے ورنہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض جگہیں ایسی ہیں کہ حافظ سے کوئی آیت چھوٹ جائے یا کوئی کلمہ پڑھنے سے رہ گیا اور اس سے اگرچہ نماز تو فاسد نہ ہوتی ہو تو قرآن پورا سننے کا ثواب نہیں ملے گا۔ جب تک اس کی تصحیح نہ کرلی جائے بلکہ سلام پھیرنے کے بعد بھی اگر ایسی غلطی یاد آئی یا بتائی گئی تو آئندہ رکعت میں اس کو صحیح کر لیا جائے اس کے بعد قراءت شروع کی جائے۔

مقتدی کا غلط فہمی میں لقمہ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک شخص تراویح پڑھا رہا تھا وہ دو رکعت پر تشہد میں بیٹھا پچھلی صفوں میں سے نمازیوں نے لقمہ دیا، ان کے گمان میں ایک رکعت ہوئی تھی۔ امام نے ان کا لقمہ نہیں لیا بلکہ تشہد پڑھ کر سلام پھیرا اور دو رکعت مکمل کرلیں جن دو شخصوں نے لقمہ دیا تھا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

سائل: عبدالمجید، ڈیرہ غازی خان

الجواب:-

نماز ایسی عبادت ہے کہ حالت نماز میں کسی کو سکھانا یا کسی سے سیکھنا دونوں ناجائز ہیں یعنی کسی کو لقمہ دینا یا کسی سے لقمہ لینا۔ مگر ضرورتاً اصلاح نماز کے قصد سے جائز رکھا گیا ہے اور قاعدہ بھی ہے کہ ضرورتاً جائز ہے اور بغیر ضرورت اگر لقمہ دیا جائے گا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام لے لے گا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

لو کان الامام انتقل الی آیۃ اخری تفسد صلوٰۃ الفاتح و تفسد صلوٰۃ الامام لو اخذ بقولہ لوجود التلقین و التلقن من غیر ضرورۃ

(اولین، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، صفحہ: ۱۳۶، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی اگر امام نے (جہاں قراءت میں بھول رہا تھا وہاں سے چھوڑ کر) دوسرے مقام سے قراءت شروع کردی اور کسی نے لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جائیگی۔ اس اصول کے تحت کہ نماز میں بلا ضرورت کچھ بتانا یا سننا مفسد نماز ہے۔ لہذا اس اصول پر جب امام دو رکعت پر صحیح بیٹھا تھا تو لقمہ دینے والوں نے بلا ضرورت لقمہ دیا۔ لہذا ان کی نماز فاسد ہو گئی۔

فرض قراءت پوری ہونے کے بعد لقمہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر امام تین آیات یا اس سے زیادہ پڑھ چکا ہو پھر اس سے قراءت میں غلطی ہو جائے، تو مقتدی کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

قراءت میں جب امام سے غلطی ہو اور امام کو خود اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اسے چاہیے کہ پیچھے سے پڑھ کر غلطی یا متشابہ کو دور کرلے۔ اعادے کے بعد بھی اگر غلطی دور نہ کر سکے تو اگر بقدر جواز نماز قراءت کر چکا ہے تو رکوع کرلے اور اگر بقدر جواز قراءت نہیں کی ہے تو اس سورت یا آیت کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سے قراءت کرے اور مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ لیکن اگر امام بار بار اعادہ کرتا ہے یا اپنی غلطی پر مطلع ہی نہیں ہوتا ہے اور آگے چلا جاتا ہے تو پھر مقتدی لقمہ دے گا۔ خواہ امام نے بقدر جواز قراءت کرلی ہو یا نہ کی ہو جب قرآن غلط پڑھا جائے گا، اس کی اصلاح کی جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امام کو لقمہ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم و مکرم محسن اہلسنت حضرت علامہ مفتی محمد وقارالدین صاحب! مد ظلک العالی

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ:

اگر امام جہری نماز میں قراءت کر رہا ہو اور اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا موذن یا کسی بھی مقتدی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لقمہ دے؟ برائے مہربانی مکمل تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:-

امام سے قراءت میں غلطی ہو تو مقتدی کو لقمہ دینے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے اور اسے اتنا موقع دیں تاکہ وہ غلطی درست کر سکے۔ امام کو قراءت میں غلطی ہونے کی صورت میں یہ چاہئے کہ اگر وہ بقدر " ما یجوز بہ الصلاۃ " (یعنی جس سے نماز ہو جائے اتنی) قراءت کر چکا ہے تو وہ رکوع کر لے اور اگر اتنا نہیں پڑھا اور جو سورت پڑھ رہا ہے وہاں غلطی ہو رہی ہے اور یاد نہیں آرہا ہے تو دوسری سورت پڑھنا شروع کر دے۔ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے، جب مقتدی یہ دیکھیں کہ امام سے قراءت میں غلطی ہو رہی ہے اور وہ دوسری سورت کی طرف منتقل نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں موذن یا کوئی بھی مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے۔

نماز میں غیر مقتدی سے لقمہ لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں کہ:

امام سے اگر قراءت میں غلطی ہو جائے تو لقمہ دینے کا حق کسے حاصل ہے؟ اگر امام غیر مقتدی سے لقمہ لے لے تو اسکا کیا حکم ہے؟ تراویح میں قرآن سننا اور ویسے قرآن سننا شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اور جو حفاظ کرام نذرانہ طے کر کے تراویح کی امامت کرتے ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سائل: قاضی سید مظفر علی، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

امام کو لقمہ صرف وہ شخص دے سکتا ہے، جو نماز میں اس کا مقتدی ہو۔ جو نماز نہ پڑھ رہا ہو یا علیحدہ نماز پڑھ رہا ہو یا دوسرے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو اگر وہ پہلے امام کو لقمہ دے اور امام اسے لے لے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ تراویح سنت موکدہ ہے اور تراویح کی جماعت مستحب ہے۔ لہذا جماعت میں قرآن سننا بھی مستحب ہے بغیر نماز کے کوئی شخص قرآن پڑھے اور لوگ سنیں اور خاموش رہیں یہ ہمیشہ ثواب کا کام ہے اس کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں اور اجرت طے کر کے قرآن سنانے کے لئے حافظ مقرر کرنا ناجائز و گناہ ہے۔

لباس کا بیان

جناح کیپ پہن کر نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے میں کہ :

جناح کیپ ! جو بکری کے بچے کی کھال سے بنائی جاتی ہے اور یہ کھال غالباً بکری کو ذبح کر کے اس کے پیٹ سے بچہ نکال کر اسے ذبح کر کے اسکی کھال سے بنتی ہے یا پھر بکری کے پیچھے کتے وغیرہ چھوڑ کر بچہ گرا کر حاصل کی جاتی ہے ۔ کیا اس میں نماز ہو سکتی ہے ؟

سائل : صوفی مشتاق احمد قادری ، تحصیلدار سوئی ، کوئٹہ

الجواب:-

دباغت (پکانے) سے کھال پاک ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں کھال کی ٹوپی پہن کر نماز ہو جاتی ہے ۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۲ھ نے ہدایہ میں لکھا :

كل اهاب دبغ فقد طهر جازت الصلٰوة فيه

(اولین، کتاب الطهارات، باب الماء الذی یجوزبه الوضوء و مالا یجوزبه، صفحه : ۴۰ ، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

یعنی ہر کھال پکنے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور اس میں نماز جائز ہو جاتی ہے ۔

ٹوپی، رومال ہوتے ننگے سر نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
جان بوجھ کر ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ سر ڈھانپنے کے لئے ٹوپی رومال کپڑا موجود ہو، کیا ننگے سر نماز پڑھنا احادیث یا کسی صحابی و امام کے عمل سے ثابت ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیا ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت ہوا؟ جواب دے کر مشکور کریں۔

سائل: سید احمد

الجواب:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، علاوہ احرام کے کبھی ننگے سر نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ

(سورۃ (۷) الاعراف، آیت: ۳۱)

اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔
یعنی نماز کے وقت کپڑوں سے آراستہ ہو کر نماز پڑھو۔ اسلامی معاشرہ میں ننگے سر رہنا آداب معاشرت اسلامی کے خلاف ہے۔ اور یہ فعل لاابالی پن میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے فقہائے کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے۔

کیا مسجد کی ٹوپی سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بابت کہ:
ایک امام صاحب! نے نمازیوں کو یہ تلقین کی کہ مسجد میں رکھی ہوئی چٹائی کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جو اکثر مسجدوں میں اس غرض سے رکھ دی جاتی ہیں کہ وقت ضرورت نمازی ان کو استعمال کریں۔ بیشتر، امام کا یہ کہنا نمازیوں کے لئے تشویش کا باعث بن گیا ہے۔ نمازی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اب تک جو نمازیں چٹائی کی ٹوپی پہن کر پڑھی گئیں، وہ سب مکروہ ثابت ہوئیں۔ لہٰذا برائے کرم قرآن و حدیث کی رو سے مع حوالہ جات عنایت فرمائیں کہ مسجد میں رکھی گئی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

سائل: نثار احمد خان، نیو کراچی

الجواب:-

ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، جسے پہن کر کوئی شخص معزز لوگوں کے سامنے جانا گوارہ نہیں کرتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

وصلوته فی ثیاب بذلة یلبسها فی بیته و مهنة ای خدمة

یعنی اور مکروہ ہے اسکی نماز ایسے کپڑوں میں جن کو گھر میں اور کام کاج کیلئے پہنتا ہے۔ اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین صاحب رد المحتار نے لکھا:

قال فی البحر و فسرها فی شرح الوقایة بما یلبسه فی بیته ولا یذهب به الی الاکابر والظاهر ان الکراهة تنزیهیة

(جلد (۱) باب ما یفسد الصلوۃ و ما یکرہ فیها، مطلب فی الکراهة التحریمیة والتنزیهیة، صفحہ: ۴۷۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی بحر میں ہے اور اس کی وضاحت شرح وقایہ میں ہے یعنی جو لباس گھر میں پہنتا ہے اور ایسا لباس پہن کر معززین کے پاس نہیں جاتا اور ظاہر ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔

مسجد میں بید کی یا کھجور کے پتوں کی جو ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں، ان کو پہن کر کوئی مسجد سے باہر نکلنا اور لوگوں کے سامنے جانا گوارا نہیں کرے گا۔ لہٰذا ان کو اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہوگی۔

مردوں کا پتلون، عورتوں کا ساڑھی وغیرہ اور نیل پالش میں نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی۔

آج کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، فیشن پسند ہیں۔ لڑکے بال بڑھا کر اور پینٹ پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔ کیا پینٹ پہن کر نماز ہو جاتی؟ لڑکیاں بال کٹوا کر اور ناخن بڑھا کر نماز پڑھتی ہیں۔ کیا ان کی نماز مقبول ہوگی؟

اسلام میں عورت کو پردے کا حکم ہے۔ مگر بعض عورتیں ساڑھی اور قمیض اس طرح پہنتی ہیں کہ ان کا جسم نظر آتا ہے اور اسی حالت میں گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ عموماً دوپٹہ بھی سر کے بجائے گلے میں پڑا ہوتا ہے۔ آیا کوئی عورت اگر ساڑھی پہن کر اور دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے تو کیا اس کی نماز ہوجائے گی۔ بینوا و توجروا

الجواب:-

جو مرد، عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں یا جو عورتیں، مردوں کی مشابہت اپناتی ہیں، ان کے بارے میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتشبہین من الرجال بالنساء و المتشبہات من النساء بالرجال

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب اللباس، باب المتشبہین بالنساء و المتشبہات بالرجال، صفحہ: ۸۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد، حصہ دوم، کتاب اللباس، باب ما جآء فی الاقبیۃ، صفحہ: ۲۰۳، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔

لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں مسلمان مرد کو عورتوں کی طرح بال بڑھانا اور عورتوں کا بال کٹوانا حرام ہے۔ یونہی غیر مسلموں کی مشابہت میں ناخن بڑھانا، ناخن پالش لگانا، عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح کے لباس پہننا بھی ناجائز ہے۔ عورتوں کو اتنے باریک کپڑے پہننا، جن سے جسم یا بالوں کا رنگ نظر آئے، نہ پہننے کی طرح ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کم من کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ یوم القیامۃ

(بخاری شریف، جلد ثانی، کتاب اللباس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتجوز من اللباس والبسط، صفحہ: ۸۶۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی دنیا میں بہت سی کپڑے پہننے والی عورتیں قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔

ان حدیثوں کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنے لباس و پوشاک وغیرہ کی اصلاح کرنی چاہیے۔ نماز کیلئے حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے ایسی پینٹ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، جو ڈھیلی ڈھالی ہو اور رکوع سجدے میں کوئی تکلیف اور دشواری نہ ہو، مزید بر آں شرٹ پینٹ سے باہر نکال کر نماز پڑھے۔ شرٹ اتنی بڑی ہونی چاہئے کہ سجدے میں اعضائے مستورہ (پردے میں رکھے جانے والے اعضاء) کی ہیئت نظر نہ آئے اور اگر پینٹ تنگ ہے یا شرٹ چھوٹی ہے تو نماز مکروہ ہوگی۔

عورتوں کو ایسا لباس پہن کر، جس سے ان کا جسم نظر آئے یا ایسا دوپٹہ اوڑھ کر جس سے سر کے

بالوں کا رنگ نظر آئے نماز پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ ایسے کپڑوں میں ان کی نماز باطل ہوگی۔ ناخن پالش لگانے سے جب تک اس کو چھڑانہ لیا جائے وضو اور غسل نہیں ہوتے۔ عورتوں کو صرف چہرہ اور کلائی کے گٹے تک ہاتھ اسی طرح ٹخنوں تک پاؤں کھلے رکھنے کی نماز میں رخصت ہے۔ ان اعضاء کو چھوڑ کر باقی تمام بدن کو نماز میں چھپانا فرض ہے۔ اگر "کان" کھلا رہا یا گردن اور بال کھلے رہیں، تو نماز نہیں ہوگی۔

عورت کا جتنا بدن چھپانے کا حکم اوپر لکھا گیا، اتنا جسم نماز کے علاوہ بھی غیر محرم مردوں سے چھپانا فرض ہے۔ لہذا اعضائے مستورہ کو کھول کر غیر محرم مردوں کے سامنے جانا عورتوں کے لئے حرام ہے۔

نماز میں واسکٹ یا شیروانی کے بٹن کھلے رکھنا

الاستفتاء:-

محترم مفتی وقار الدین صاحب!

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر نماز کی حالت میں واسکٹ، شیروانی یا سوئٹر کے تمام بٹن کھول کر نماز پڑھی جائے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیے کہ اگر یہ غلطی بھولے سے ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟ یا صرف ایک بٹن بند کر سکے تو پھر کیا حکم ہے؟

سائل: محمد ابراہیم قادری

الجواب:-

کرتہ یا قمیص پہنے ہوں اور ان کے سب بٹن بند ہوں اور اوپر کوٹ، شیروانی یا واسکٹ وغیرہ پہنے ہوں اور ان کے تمام بٹن کھلے ہوں تو یہ اچھا نہیں ہے کم از کم ایک بٹن لگادینے سے بھی نماز میں کراہت نہ ہوگی۔ البتہ اگر نیچے قمیص و کرتہ نہ پہنے ہوں یا صرف قمیص و کرتہ پہنے ہوں اور ان کے گریبان کے سب بٹن کھلے ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

نماز میں کپڑوں کو سمیٹنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

سجدہ میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے شلوار کو اوپر اٹھانا کیسا ہے؟ اس سے نماز میں کوئی کراہت

ہوتی ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد شاہد ، ملیر ہالٹ ، کراچی

الجواب:-

دونوں ہاتھوں سے شلوار یا کرتے کا دامن اٹھانا ، بعض فقہاء کے نزدیک " عمل کثیر " میں آتا ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ صورت عمل کثیر میں نہیں آتی ۔ اس لئے نماز تو فاسد نہیں ہوگی مگر مکروہ تحریمی ہے ، اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۔

نماز میں شلوار وغیرہ کے پائنچے موڑنا

الاستفتاء:-

ایک آدمی کی شلوار یا پتلون اتنی لمبی ہے کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے ہیں اگر وہ بوقت نماز اپنی شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑ لیتا ہے یا شلوار ازار بند کی جگہ سے اڑس لیتا ہے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی ؟ زید کہتا ہے کہ ٹخنے کھولنے کیلئے شلوار وغیرہ چڑھا لینا مکروہ ہے ، اس سے نماز فاسد ہو جائیگی ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب:-

پائجامہ ، تہبند ، شلوار ، پتلون یا کسی اور کپڑے کو نیچے سے موڑ دینا یا اوپر اٹھا کر اڑس لینا "کف ثوب" ہے ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کف ثوب کے بارے میں ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس باب میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے :

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم لا اکف شعراً و لا ثوباً

(جلد (۱) کتاب الاذان ، باب السجود علی سبعۃ اعظم ، صفحہ : ۱۱۲ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پہ سجدہ کرنے اور بال اور کپڑے نہ سمیٹنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

اسی حدیث کی بناء پر ہمارے تمام فقہاء نے کف ثوب یعنی کپڑے سمیٹنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے ۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ ھ نے در مختار میں لکھا :

وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل

کپڑے کو اڑسنا یعنی اوپر اٹھانا جس طرح آستین اٹھائی یا دامن سمیٹا جاتا ہے، مکروہ ہے۔ اگرچہ مٹی سے بچنے کی خاطر ایسا کیا جائے۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

کمالودخل فی الصلوٰۃ وھومشمر کمہ او ذیلہ واشار بذالک الی ان الکراھۃ لاتختص بالکف وھوفی الصلوٰۃ

(جلد (۱) باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیھا، مطلب مکروہات الصلوٰۃ، صفحہ: ۴۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب در مختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پر ہی موقوف نہیں۔ بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔

یہ خیال رہے کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

شلوار وغیرہ ٹخنے سے نیچے رکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نماز کے دوران اگر شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہیں تو از روئے شرع شریف نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مسئلے کا جواب بحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

سائلین: اراکین کمیٹی، جامع مسجد حنفیہ، لانڈھی

الجواب:-

پائجامہ، لنگی یا جبہ وغیرہ اتنا لمبا پہننا کہ پیروں کے ٹخنے چھپ جائیں، اگر بنیت تکبر ہے تو اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ صحاح کی تمام کتب احادیث میں ایسی حدیثیں مروی ہیں مگر ان میں "خیلاء" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی تکبر کے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، صفحہ: ۲۵۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہٰذا بنیت تکبر ایسے کپڑے پہننا جن سے پیروں کے ٹخنے چھپ جائیں مکروہ تحریمی ہے اور اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ

(جلد (۵) کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع فی اللبس، صفحہ:)

یعنی کسی آدمی کا اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اگر بغرض تکبر نہ ہو تو، مکروہ تنزیہی ہے۔

لہذا جس لباس میں کپڑوں کو نیچے پہننا مکروہ تحریمی ہے اس کو پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی یعنی جب ٹخنے تکبر کی نیت سے ڈھکے ہوئے ہوں اور اگر تکبر سے ڈھکے ہوئے نہ ہوں تو ایسا لباس پہننا مکروہ تنزیہی ہے تو اس صورت میں یہ کپڑا پہن کر نماز بھی مکروہ تنزیہی ہوگی۔ پائنچوں کو نیچے سے موڑلینا یا ازار بند کی جگہ سے گھرس لینا "کف ثوب" ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے اور یہ واضح رہے کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

پاجامہ بیٹھ کر پہننا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

زید نے بہار شریعت اور قانون شریعت پڑھی ہیں۔ دونوں کتابوں میں پاجامہ بیٹھ کر پہننے کو کہا گیا ہے۔ اگر کسی نے کھڑے ہو کر پہنا تو مرض میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ جناب سے عرض ہے کہ اس مسئلے کو ہم سمجھ نہیں سکے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پاجامہ پہننا ثابت نہیں ہے، آپ تہبند باندھتے تھے اور تہبند کھڑے ہو کر صحیح بندھتا ہے اور کھڑے ہو کر ہی باندھا جاتا ہے۔ اس لئے جناب سے عرض ہے کہ آپ مسئلے کی تشریح فرمادیں کہ بیٹھ کر کیوں پہنتے ہیں اور کھڑے ہو کر پہننا کیوں منع ہے؟

سائل: محمد ریاض نقشبندی

الجواب:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پاجامہ پہننا ثابت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام بھی پاجامہ پہنا کرتے تھے۔

(بہار شریعت، جلد (۱۶) لباس کا بیان)

یہ حدیث کہ جو شخص پاجامہ کھڑے ہو کر پہنے گا اور عمامہ بیٹھ کر باندھے گا وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہما نے بھی نقل فرمائی ہے۔ اس لئے بہار شریعت میں اس کو بیان کیا گیا۔ تہبند کا حکم یہ نہیں ہے۔

امام کے کپڑوں کی لمبائی وغیرہ

الاستفتاء:-

عام نمازی کے لئے عموماً اور پیش امام کے لئے خصوصاً "کُرتے" کی لمبائی بلحاظ قد کتنی ضروری ہے؟ نیز یہ کہ ہاف آستین میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی مندرجہ بالا مسائل کا جواب قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں عنایت فرمادیں تاکہ معترضین کو کسی عذر یا عدم اتفاق کا موقع نہ مل سکے۔

سائل: نذر محمد

الجواب:-

عام نمازی اور امام کے لئے کرتے کی لمبائی علیحدہ علیحدہ نہیں ہے۔ کرتہ اتنا لمبا ہونا چاہیئے کہ سجدہ کی حالت میں اعضاء کی ہیئت نظر نہ آئے۔ ہاف آستین والا کرتہ، قمیض یا شرٹ کام کاج کرنے والے لباس میں شامل ہیں اس لئے جو لوگ ہاف آستین والا کرتہ پہن کر دوسرے لوگوں کے سامنے جانا گوارہ نہیں کرتے، ان کی نماز مکروہ تنزیہی ہے اور جو لوگ ایسا لباس پہن کر سب کے سامنے جانے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے، ان کی نماز مکروہ نہیں۔

نماز میں گریبان کا بٹن کھلا رکھنا کیسا ہے؟

الاستفتاء:-

کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا رکھنا کیسا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

الجواب:-

کرتے کا صرف ایک بٹن کھلا رہنے سے اگر ہنسلی کی ہڈی کھلتی ہے تو نماز مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے۔

عمامہ کا بیان

عمامہ باندھنا سنت ہے یا مستحب؟

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب! دار العلوم امجدیہ، کراچی

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ ایک مسئلہ پیش خدمت ہے، جس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں:

عمامہ باندھنا سنت ہے یا مستحب اور اگر نماز عمامہ باندھ کر پڑھی جائے تو کیا نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے؟

الجواب:-

عمامہ باندھنا مستحب ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کی فضیلت آئی ہے کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہے، اس نماز سے جو بغیر عمامہ کے پڑھی ہو۔ لہٰذا عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔

عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ

الاستفتاء:-

عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے ؟

سائل : عبد الرؤف قادری

الجواب:-

عمامہ اس طرح باندھنا سنت ہے کہ داھنی طرف سے پیچ بائیں طرف کو لے جایا جائے ۔

عمامہ باندھنے میں درمیان سے ٹوپی خالی چھوڑنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھنا کہ درمیانی حصہ کھلا رہے کیا یہ طریقہ موافق سنت ہے یا مخالف سنت ؟ وضاحت فرمائیں ؟

الجواب:-

ٹوپی پر اس طرح عمامہ باندھنا کہ سر کے بیچ میں عمامہ کا کوئی لپیٹ نہ ہو " اعتجار " کہلاتا ہے ۔ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے ۔ اگر ایک لپیٹ سر کے درمیان میں ہے اور اس کے ادھر ادھر ٹوپی کھلی رہ گئی تو ایسی صورت میں اعتجار نہیں ہے ۔

عمامہ کی لمبائی ، چوڑائی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :
عمامہ کی لمبائی چوڑائی کتنی ہونی چاہیے ؟ جو سنت کو کفایت کر جائے ؟

الجواب:-

عمامہ کی لمبائی سات ہاتھ یعنی تین گز، سنت ہے۔ امام ھمام ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا:

ظاھر کلام المدخل ان عمامتہ کانت سبعۃ اذرع مطلقاً من غیر تقیید بالقصیر و الطویل

(جلد (۸) صفحہ ۲۵۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حکم العمامۃ و القلنسوۃ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

یعنی حاصل کلام یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ (مبارک) مطلقاً سات ہاتھ ہوتا تھا بغیر لمبائی اور چھوٹائی کی قید کے۔

کیا رومال باندھنے سے عمامہ کی سنت ادا ہوجائیگی؟

الاستفتاء:-

عام ائمہ کرام بوقت جماعت گز سوا گز بھر کا رومال کبھی ٹوپی پر اور کبھی بغیر ٹوپی کے باندھ لیتے ہیں۔ کیا مذکورہ صورت میں سنتِ عمامہ پوری ہو جاتی ہے؟

الجواب:-

رومال باندھنے سے عمامہ کی سنت پوری نہ ہوگی اور نہ ہی عمامہ کا ثواب ملے گا۔

کیا رومال باندھنا بدعت ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

بعض ائمہ حضرات ٹوپی پر رومال باندھ کر نماز پڑھاتے ہیں۔ رومال باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر رومال باندھنے سے عمامہ کی سنت فوت ہوتی ہے تو رومال باندھنے کو بدعت کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:-

بدعت کی مختلف قسمیں ہیں۔ بدعت قبیحہ بھی ہوتی ہے اور حسنہ بھی اور سنت کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ سنت موکدہ بھی ہوتی ہے اور غیر موکدہ بھی۔ لباس وغیرہ کی سنتیں "سنن عادیہ" کہلاتی ہیں، ان پر عمل کرنا باعث ثواب ہوتا ہے اور عمل نہ کرنا گناہ نہیں ہوتا اس لئے عمامہ باندھنے پر ثواب ملے گا اور نہ باندھنے پر گناہ نہیں، تو فقط ٹوپی پہننا یا رومال باندھنا جائز ہے، گناہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

امام کا بغیر عمامہ اور مقتدی کا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے میں فضیلت زیادہ ہے اگر امام نے عمامہ باندھا ہے اور جماعت میں شریک مقتدی نے عمامہ نہیں باندھا تو مقتدی کو امام کے عمامہ کی وجہ سے عمامہ کی فضیلت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

نیز امام صاحب نے جماعت کے وقت عمامہ شریف نہیں باندھا مگر جماعت میں شریک مقتدی نے عمامہ باندھا ہوا ہے۔ تو کیا مقتدی الگ سے فضیلت عمامہ کی وجہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا؟

الجواب:-

جس نے عمامہ باندھا ہے اس کو عمامہ کا ثواب ملے گا۔

امام کے لئے عمامہ باندھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الاستفتاء:-

امام صاحب یا موذن صاحب کو نماز پڑھاتے وقت عمامہ باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:-

عمامہ باندھنا ضروری نہیں ہے، مستحب ہے۔ بغیر عمامہ باندھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔

امامت کے لئے عمامہ اور عمامہ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) اگر کوئی مستقل امام مسجد بغیر عمامہ کے نماز پڑھائے اور امام مسجد کی توجہ اس جانب مبذول بھی کرائی گئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود امام صاحب بغیر عمامہ کے نماز پڑھاتے رہیں۔ تو کیا مقتدیوں کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی یا نماز میں کراہت ہوگی، اگر کراہت ہے تو کیا نمازیوں کو اپنی نمازیں دھرانا پڑیں گی؟

(۲) اگر امام اس سنت کا منکر ہے تو کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب:-

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت حدیث اور فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے:

رکعتان بعمامة خير من سبعين ركعة بغير عمامة

(الجامع الکبیر للسیوطی، جلد (۴) صفحہ: ۴۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

یعنی عمامہ باندھ کر دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب بغیر عمامہ کے ستر رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔

لہذا امام اور مقتدیوں سب کو عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا چاہیے۔ مگر عمامہ نہ باندھنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں ہوتی۔ ہر مستحب کو ترک کرنے سے کراہت ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام عمامہ باندھنے سے انکار کرتا ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے اور اگر سنت ہونے سے انکار کرتا ہے تو اس سے پوچھیں کہ انکار سے اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر سنت مؤکدہ ہونے سے انکار کرتا ہے تو صحیح ہے۔ اور اگر مطلق سنت سے انکار کرتا ہے تو وہ غلط کر رہا ہے، اس لئے کہ عمامہ باندھنا عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

عمامہ بیٹھ کر باندھا جائے یا کھڑے ہو کر؟

الاستفتاء:-

محترم مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، کراچی

میں مندرجہ ذیل سوال کے متعلق تفصیلی جواب چاہتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ عمامہ شریف بیٹھ کر باندھنا چاہیے یا کھڑے ہو کر؟ کیا عمامہ سے ٹوپی کو مکمل طور پر ڈھک دینا چاہیے؟ کیونکہ سنا ہے کہ اگر ٹوپی عمامہ

سے مکمل طور پر ڈھکی ہوئی نہ ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی ۔ کیا کتھئی رنگ کا عمامہ باندھنا جائز ہے ؟

سائل: سید رخسار حسین جعفری قادری

الجواب:-

عمامہ کھڑے ہو کر باندھنا سنت ہے ، خواہ مسجد میں ہو یا گھر میں ۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ :

جو بیٹھ کر عمامہ باندھے گا یا کھڑے ہو کر جامہ پہنے گا تو کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہوگا ، جس سے چھٹکارا مشکل سے ہوگا ۔ عمامہ اس طرح باندھنا چاہیے کہ اس کا ایک پیچ درمیان سر پر ہو ۔ اس سے اعتجار نہیں ہوگا اس ایک پیچ سے ٹوپی کا ادھر ادھر کچھ کھلا رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ کتھئی رنگ کا عمامہ بھی جائز ہے ۔

عمامہ صرف خواص کے لئے ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے

الاستفتاء:-

بشرف نگاہ شیخ الحدیث جناب مفتی وقار الدین صاحب ! مد ظلک العالی

مفتی دار العلوم امجدیہ ، کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ " عمامہ صرف علماء کرام ، مشائخ عظام اور ائمہ مساجد ہی باندھ سکتے ہیں " ۔ کیا عمامہ کی سنت عام مسلمان بھی حتیٰ کہ چھوٹے سمجھدار بچے بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ امید ہے مدلل جواب احادیث مبارکہ کی رو سے عنایت فرمایا جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے ۔

سائل: خاکپائے علماء کرام ، محمد حنیف ، نو آباد ، کراچی

الجواب:-

عمامہ صرف علماء اور مشائخ ہی کے لئے نہیں ، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے سنت ہے ۔ اور عمامہ کی فضیلت اور عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے اس لئے ہر بالغ مرد کے لئے عمامہ باندھنا ثواب کا کام ہے اور اچھے کام کی عادت ڈالنے کے لئے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دینی چاہیے ۔

سبز رنگ کا عمامہ اور اسے سنت جاننا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

سبز عمامہ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ دعوت اسلامی والے اس کو پہنتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ ان کا قول کہاں تک درست ہے؟ زید کہتا ہے کہ "سبز عمامہ باندھنا دیندار انجمن والوں سے مشابہت ہے اور کبھی کہتا ہے کہ محرم الحرام میں مبتدعین (بدعت کرنے والوں) کا شعار ہے" دعوت اسلامی والے جواب دیتے ہیں کہ "اب تو دیندار سبز عمامہ میں نظر نہیں آتے اور نہ ہی محرم میں مبتدعین اسے پہنتے ہیں۔ لہٰذا اگر بالفرض کسی دور میں شعار رہا ہو اور اکا دکا کوئی پہنتا بھی ہو تو دعوت اسلامی کے ہزاروں لوگوں کے پہننے سے دوسروں کا شعار خود ہی ختم ہو چکا ہے"۔

براہ کرم ارشاد فرمایا جائے کہ زید کا اعتراض بجا ہے یا دعوت اسلامی والوں کا جواب؟ مدلل جواب ارشاد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل: عبد الجبار احمد نقشبند، نفیس آباد، کراچی

الجواب:-

عمامہ کے بارے خلاصۃ الفتاویٰ جلد ثالث کے آخر میں فارسی میں ایک رسالہ ضیاء القلوب فی لباس المحبوب لگا ہوا ہے۔ غالباً شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس میں عبارت یہ ہے:

مسئلہ دربستن دستار سنت آنست کہ سفید باشد بے آمیزش رنگ دیگر و دستار مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات سفید بود و گاہے دستار سیاہ و احیاناً سبز

(خلاصۃ الفتاویٰ، جلد (۳) صفحہ: ۱۵۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی پگڑی باندھنے میں سنت یہ ہے کہ بالکل سفید ہو بغیر دوسرے رنگ کی آمیزش کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی مبارک اکثر اوقات سفید ہوتی تھی اور کبھی کالی اور کبھی کبھی ہری۔

اس کے علاوہ صحاح کی اکثر احادیث میں اس مضمون کی روایات ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس پسند تھا اور سفید لباس پہننے کا حکم فرمایا اور مُردوں کو سفید کفن دینے کی ہدایت فرمائی۔

(ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب البیاض من الثیاب، صفحہ: ۲۵۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہٰذا عمامہ میں سنت تو سفید رنگ ہے۔ سیاہ اور سبز سنت نہیں بلکہ جائز ہیں۔ اور ان رنگوں میں اگر کسی بد مذہب سے مشابہت پیدا ہو جائے تو یہ ناجائز ہو جائے گا جیسا کہ صدر الشریعہ حکیم ابو العلاء محمد امجد علی

اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ نے بہار شریعت میں لکھا:

محرم کے زمانہ میں کالے رنگ کے کپڑے پہننا شیعوں کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہیں اور سرخ رنگ کے کپڑے خوارج کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہیں اور سبز رنگ کے کپڑے جاہل تعزیہ بنانے والوں کی مشابہت کی وجہ ناجائز ہیں۔

(حصہ (۱۶) لباس کا بیان، صفحہ: ۶۲، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اس وقت دیندار کے نام سے ایک جماعت کام کر رہی ہے اس کا ہر ممبر سبز رنگ کا عمامہ باندھتا ہے وہ قادیانیت اور دوسرے گمراہ فرقوں کا مجموعہ ہے۔ ان پر سب نے کفر کا حکم لگایا ہے۔ سبز رنگ کا عمامہ باندھنا ان سے مشابہت ہوگی۔ لہذا یہ ناجائز ہے۔ حدیث میں فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد، حصہ (۲) کتاب اللباس، باب ما جاء فی الاقبیۃ، صفحہ: ۲۰۳، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

لہذا اہل سنت کو، ان بے دینوں کی مشابہت سے بچنا چاہیے ورنہ ان بے دینوں کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بہانہ مل جائے گا کہ وہ جاہلوں کو دکھا کر یہ بتائیں گے کہ ہمارے مذہب کے ماننے والے اتنے ہو گئے اس لئے اس رنگ کے عمامہ سے بچنا چاہیے۔ دیندار جماعت والے اپنا مذہب پھیلانے میں دن رات مصروف ہیں اور اپنی مسجدیں بھی بنا رہے ہیں۔ نیو کراچی میں ابھی حال ہی میں ایک نئی علیحدہ مسجد بنائی ہے۔

عمامہ کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟

الاستفتاء:-

عمامہ کے لئے کونسا رنگ بہتر ہے۔ کیونکہ بعض حضرات اس پر زور دیتے ہیں کہ کتھئی رنگ کا عمامہ باندھنا چاہیے اور اس کے متعلق یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کو کھونٹی پر ٹنگا رہنے کی وجہ سے رنگ لگ گیا تھا اس مناسبت سے کتھئی رنگ کا عمامہ باندھنا چاہیے اور ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ کتھئی رنگ کا عمامہ باندھا جائے یا نہیں؟ نیز کالے رنگ کا عمامہ باندھنا کیسا ہے؟

الجواب:-

کتھئی رنگ کا عمامہ جائز ہے جو بھی رنگ چاہیں سب اچھے ہیں۔ سوال میں جو روایت ذکر کی گئی ہے ہمارے علم میں نہیں۔ کالے رنگ کا عمامہ بھی جائز ہے مگر ایام محرم میں کالے رنگ کا استعمال نہ کریں۔

کتاب المساجد

مسجد اور مسائل مسجد

مسجد کا نام " المجید " رکھنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
مسجد کا نام " المجید " رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :-

مسجد کا نام " المجید " رکھنا جائز ہے ۔

داخل مسجد اور خارج مسجد کی تعریف

الاستفتاء :-

داخل مسجد اور خارج مسجد کی مختصر تعریف کیا ہے ؟

الجواب:-

نماز پڑھنے کے لیے جو جگہ مختص کی گئی ہے وہ داخل مسجد ہے۔ خواہ وہاں کوئی عمارت ہو یا نہ ہو۔

مسجد کی دیواروں پر کچھ تحریر کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

مسجد کے اندر دیوار پر کلمہ، آیات یا درود شریف لکھنا، اسٹیکر لگانا یا طغریٰ لگانا درست ہے یا نہیں؟

سائل: محمد اشفاق، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

مسجد کے اندر آیات کا لکھنا جائز ہے۔ مگر مسجد کے قبلہ کی جانب ایسی جگہ کہ خاشعین (خوف خدا سے ڈرنے والے) کی طرح نماز پڑھنے میں نظر نہ پڑے۔

محراب مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

محراب مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟

سائل: محمد عمر، لیاقت آباد

الجواب:-

محراب مسجد میں داخل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محراب مسجد کا وسط مسجد میں ہونے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

اگر کسی مسجد کا محراب وسط مسجد کے حساب سے نہ بنایا گیا ہو، یا مسجد کی بناوٹ ایسی ہو کہ دائیں طرف کم مقتدیوں کی گنجائش ہو اور بائیں طرف زیادہ تو آیا اس صورت میں امام و مقتدی کی نماز میں کوئی خلل آتا ہے یا نہیں ؟

سائل : عبد الستار، شاہ نواز بھٹو کالونی، کراچی

الجواب:-

محراب مسجد شریعت میں درمیان مسجد کو کہتے ہیں۔ مسجدوں میں جو محراب بنائی جاتی ہے وہ درمیان مسجد بتانے کے لیے بنائی جاتی ہے اور درمیان مسجد میں امام کا کھڑا ہونا سنت ہے درمیان سے ادھر ادھر کھڑا ہونا خلاف سنت ہے۔ سنت کو ترک کرنے کی عادت بنا لینا سخت محرومی اور موجب عتاب (عذاب) ہے۔ لہٰذا محراب اگر وسط مسجد کے حساب سے نہ بنایا گیا ہو تو اسے توڑ کر صحیح طور پر درمیان میں بنایا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں شیشے کے دروازے لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مسجد کے برآمدے میں دروازوں پر شیشے لگے ہوئے ہیں، اس میں مقتدی اور بعض وقت امام کی بھی پوری تصویر نظر آتی ہے، اس صورت میں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ اور اگر نماز پڑھی جائے تو کیا اسے لوٹانا ضروری ہے یا نہیں ؟

سائل : عبد القیوم

الجواب:-

نمازیوں کے آگے اتنی اونچائی تک کہ خاشعین کی طرح نماز پڑھنے میں جہاں تک نظر آجاتا ہے شیشے لگانا یا کوئی ایسی چیز لگانا جس سے نمازی کا دھیان اور التفات ادھر جاتا ہو، مکروہ ہے۔ لہٰذا اتنی اونچائی تک کے شیشے ہٹالینا چاہئیں۔ ان شیشوں میں اپنی شکل جو نظر آتی ہے اسکے احکام تصویر کے نہیں۔ لہٰذا نماز مکروہ تحریمی نہ ہوگی مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اہل حدیث کی مسجد کو گوردوارا کہنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میں نے اپنے گھر انڈیا سے آئے ہوئے علمائے کرام کو دعوت دی۔ جس میں مقامی حضرات بھی شریک ہوئے۔ رات کو محمدی مسجد سے، جو اہل حدیث کی ہے۔ اذان عشاء کی آواز آئی جس پر ایک مہمان نے کہا عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ تو ایک مقامی مہمان نے کہا یہ تو گوردوارے کی ہے۔ عرض یہ ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا کیسا ہے؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: احقر محمد یونس شاکر القادری رضوی

الجواب:-

مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ مسجد نہیں ہے خواہ وہ کلمہ پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو۔ جس طرح قادیانیوں کی بنائی ہوئی عمارت مسجد نہیں ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہتے ہیں ان کی بنائی ہوئی عمارت بھی مسجد نہیں ہے۔ تو جس شخص نے اس کو گوردوارے سے تعبیر کیا، یہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کہ وہ مسلمانوں کی عبادت گاہ نہیں ہے۔ کہنے والے نے اذان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے بلکہ جس جگہ سے اذان کی آواز آرہی تھی اس جگہ کے بارے میں کہا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں ذکر و نعت کی محفل اندھیرے میں منعقد کرنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

کیا مسجد میں ذکر و نعت وغیرہ کی محافل اندھیرے میں منعقد کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

سائل: اسلم احمد قادری، 5-F نیو کراچی

الجواب:-

اندھیرے میں مسجد کے اندر ذکر و نعت کی محفل و مجلس منعقد کرنا جائز ہے۔

نعت اور تقاریر کی کیسٹ مسجد میں بجانا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ پر نعتیں اور علماء کرام کی تقاریر سننا کیسا ہے؟

سائل: اسلم احمد قادری، 5-F نیو کراچی

الجواب:-

مسجد کی بجلی سے ٹیپ ریکارڈ پر نعتیں اور علمائے کرام کی تقاریر سننا ممنوع ہیں۔ ہاں اگر اپنے پیسوں سے سیل ڈال کر مسجد میں نعتیں سنیں تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ عموماً جب لوگ عبادت میں مصروف ہوں تو ان کی عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔

یہ حکم کسی شخص کا خود اپنے ٹیپ ریکارڈ کا ہے اگر مسجد کی کمیٹی مجالس کا انعقاد کرتی ہے تو وہ مسجد کی بجلی استعمال کر سکتی ہے۔

غیر سنی کو مسجد میں تبلیغ کی اجازت دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
اہل سنت کے عقائد کی مسجد میں کیا دوسرے عقائد کے لوگ تقریر یا تبلیغ کر سکتے ہیں اور اگر انھیں منع کیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : محمد یوسف ، خطیب مسجد طیبہ ، منظور کالونی ، کراچی

الجواب:-

جس شخص کے عقیدے میں خرابی ہو ، اس کا وعظ سننا اس کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنا ، اس سے میل ملاپ رکھنا اور اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں ۔ حدیث میں فرمایا :

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم، باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملھا، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی ان کو اپنے سے جدا رکھو اور تم ان سے جدا رہو تاکہ وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور کسی فتنہ میں مبتلا نہ کریں ۔

سنن دارمی میں ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اجلہ تابعین میں سے ہیں ۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے پاس دو آدمی آئے اور انھوں نے کہا کہ ہم آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتے ہیں ۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ میں نہیں سنوں گا انھوں نے کہا کہ ہم آپ کو قرآن پاک کی ایک آیت سنانا چاہتے ہیں ۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ میں نہیں سنوں گا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں وہ دونوں چلے گئے ۔ تو لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ آپ کا اس میں کیا نقصان تھا وہ حدیث سنا رہے تھے تو آپ نے انکار کیا وہ قرآن سنا رہے تھے تو آپ نے انکار کر دیا اس کی کیا وجہ ہے ؟ ابن سیرین نے جواب دیا کہ ان لوگوں کا عقیدہ خراب تھا اس لیے ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرآن و حدیث سناتے وقت اس میں کچھ کمی زیادتی کر دیتے اور میرے دل میں وہ بات بیٹھ جاتی تو میرا ایمان برباد ہو جاتا اس لیے میں نے ان کی زبان سے قرآن و حدیث سننے سے منع کر دیا ۔

(سنن دارمی، جلد اول، باب اجتناب اھل الاھواء والبدع والخصومۃ، صفحہ: ۱۲۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے عالم اور محدث تھے ، ان کو گمراہ کرنا آسان نہیں تھا پھر صرف قرآن و حدیث سناتا تھا اس کا ترجمہ اور مفہوم سمجھانا نہ تھا ، وہ سننے کو تیار نہ ہوئے ۔ آج کل کے عام مسلمان

جب عربی زبان سے نا واقف اور مذہبی تعلیم سے بے بہرہ ہیں گمراہ لوگوں کی زبان سے قرآن و حدیث کے نام پر ان کے اعتقادات سنیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اہل سنت کے اعتقادات محفوظ رکھنے کے لیے ایسے لوگوں کو جن کے عقیدوں میں خرابی ہے اہل سنت و جماعت کی مساجد میں تقریر کرنے سے روک دیا جائے۔ اور انتظامیہ کو سختی سے ان لوگوں کو تقریر کرنے سے منع کر دینا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں لڑائی جھگڑا اور فحش کلامی کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

جو مسلمان مسجد میں نمازیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ بھی کرے نیز مسجد میں بیہودہ اور فحش گالیاں بھی دے، تو اس آدمی پر کیا جرم عائد ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح طور پر تحریر کریں۔

سائل: ریاض احمد، تحصیل و ضلع ڈیرہ غازی خان

الجواب:-

حدیث شریف میں فرمایا:

سِبابُ المسلمِ فسوقٌ

(بخاری، جلد (۲) کتاب الادب، باب ماینھی عن السباب واللعن، صفحہ: ۸۹۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

اور مسجد میں گالی دینا اور زیادہ گناہ ہے۔ وہ جھگڑا کس بات پر کرتا ہے اور اس کی نوبت کیوں پیش آتی ہے، سوال میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ اگر اس کی دینی وجہ ہے تو حق کے لیے اختلاف کرنا جائز ہے۔ مگر گالی گلوچ پھر بھی نا جائز ہے۔ اور اختلاف کرنے والا اگر حق پر ہے تو اس کو اختلاف کی وجہ سے مسجد سے روکا تو نہیں جائے گا۔ مگر اسے سمجھایا جائے گا کہ وہ شائستہ رویہ اختیار کرے۔ اور دلیل سے حق کو واضح کرے۔ اور اگر اختلاف کرنے والا غلطی پر ہے اور اس کے شور مچانے سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویمنع منه وکذا کل مؤذ ولو بلسانه

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا، مطلب فی الغرس فی المسجد، صفحہ: ۴۸۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی (جس شخص سے نمازیوں کو تکلیف ہو اس کو) مسجد میں آنے سے روکا جائے گا اور ایسے ہی ہر تکلیف دینے والے کو اگرچہ اپنی زبان سے تکلیف دے۔

مسجد میں بھیک مانگنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:

اگر کوئی شخص ضرورتاً مسجد میں سوال کرے یا کوئی پیشہ ور فقیر بھیک مانگے تو مسجد کے سائل یا گداگر کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شریعت کی رو سے مسجد میں بھیک مانگنا کیسا ہے؟ وضاحت سے جواب دیں۔

المستفتی: محب اللہ رضوی

الجواب:-

مسجد میں کسی صاحب کا اپنے ذاتی کام کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ اور سائل کو مسجد میں دینا مکروہ ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقاً

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، مطلب فی انشاد الشعر، صفحہ: ۴۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور مسجد میں سوال کرنا (اپنی ذاتی ضرورت کے لیے) حرام ہے اور دینا بھی مطلقاً مکروہ ہے۔

لہٰذا مسجد میں سوال نہ کیا جائے اور دینے والے مسجد کے باہر دیں۔ بلکہ بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ مسجد کے سائل کو اگر ایک پیسہ دیا تو ستر پیسے اور خیرات کرے کہ اس ایک پیسہ کا کفارہ ہو۔

عورتوں کا مسجد میں باپردہ آنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

آج کل بے پردگی عام ہو گئی ہے۔ عموماً عورتیں بے پردہ گھروں سے باہر نکلتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جن کو توفیق بخشی وہ بیمار پرسی، نماز، روزہ اور دیگر دینی کام پردے میں رہتے ہوئے کرتی ہیں اسی طرح آجکل خواتین پردے میں رہتے ہوئے مختلف جلسوں میں جاکر علمائے کرام کی تقاریر سنتی ہیں اور محفل نعت اور دیگر کئی ایک دینی اجتماعات میں بھی شرکت کر رہی ہیں۔ ان تمام صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے محلے کی مسجد میں خواتین آیت کریمہ کے ختم میں شرکت کرتی ہیں، جہاں مکمل پردے کا انتظام ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کیا عورتیں مسجد میں آ جاسکتی ہیں۔ بینوا و توجروا

سائل: محمد ریاض نقشبندی

الجواب:-

عورتوں کو بلا ضرورتِ شرعی پردے کے ساتھ بھی گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ نماز باجماعت پڑھنے کے لیے صحابہ کرام کے زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کو دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکتے۔ اسی بناء پر ہمارے فقہاء نے بعض چیزوں میں جیسے حالات بدلتے رہے احکام شرعیہ میں تبدیلی فرمائی۔ امام اعظم کے زمانہ میں ہی جوان عورتوں کو دن کی نمازوں میں مسجد میں جانے سے منع کیا گیا۔ اسکے کچھ زمانہ بعد جوان عورتوں کو مطلقاً منع کر دیا گیا اس کے بعد تقریباً پانچ چھ سو سال سے پہلے بوڑھی عورتوں کو بھی مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کر دیا گیا تو جب نماز جیسے اہم فرض کے لیے عورتیں مسجد میں نہیں جاسکتیں تو آیت کریمہ کے ختم کے لیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا گھروں میں بیٹھ کر یہ کام کرسکتی ہیں۔

مسجد الحرام کی حدود اور عبادت کا ثواب

الاستفتاء:-

محترمی و مکرمی جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دار الافتاء، دار العلوم امجدیہ، کراچی

عرض ہے کہ کچھ مسائل حل طلب ہیں، پرچہ سوالات منسلک ہے امید ہے کہ جوابات جلد عنایت

فرمائیں گے۔ جزاک اللہ فی الدارین۔

(۱) مسجد الحرام کعبہ کے ارد گرد کتنی دور تک شمار کی جائے گی؟ کیا خانہ کعبہ کے ارد گرد جو مسجد بنی ہوئی ہے، پوری مسجد الحرام ہے اور کیا ہم مسجد الحرام میں کوئی بھی عبادت کریں، تو ایک لاکھ گنا اجر کے مستحق ہوں گے؟ نیز کیا مسجد الحرام میں خیرات کرنا جائز ہے؟

(۲) میں، میری والدہ اور میری بیوی، رمضان المبارک میں عمرہ کرنے جارہے ہیں۔ انشاء اللہ رمضان کا آخری عشرہ مسجد نبوی میں اور بقیہ وقت حج تک مکہ مکرمہ میں گزرے گا۔ چند باتیں دریافت طلب ہیں:

(الف) میں مسجد الحرام میں ایک فرض نماز ادا کروں تو مجھے ایک لاکھ نماز کا ثواب ملے گا۔ اگر میں با جماعت نماز ادا کروں تو کیا ۲۷ لاکھ گنا ثواب ملے گا؟

(ب) میں سنن و نوافل گھر پر ادا کروں تو زیادہ ثواب ہوگا یا مسجد الحرام میں؟ مسجد الحرام میں اگر ایک رکعت نفل ادا کی جائے تو کیا ایک لاکھ نفل کا ثواب ہوتا ہے؟ جبکہ گھر پر پڑھنے سے یہ ثواب ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم یہی سنتے آئے ہیں کہ سنن و نوافل گھر پر ادا کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

سائل: شیخ غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

(۱) مسجد حرام وہ عمارت ہے، جو کعبہ کے ارد گرد بنی ہوئی ہے۔ اسکی حدود، اس کی مکانیت تک محدود ہیں جبکہ حدود حرم کی وسعت اسکے علاوہ بھی ہے۔ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں میں جو ثواب ملتا ہے اس سے ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

ان حسنات الحرم كل حسنة بمائة الف حسنة

یعنی حرم میں کی گئی ہر ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ اسی طرح با جماعت نماز ادا کرنے کا ثواب جبکہ جماعت صحیح میسر ہو تو ایک رکعت پر ستائیس لاکھ رکعات کا ثواب ملے گا۔

نوٹ:-

یہ فضیلت پورے حرم اور ہر نیکی کے لئے ہے۔

(۲) بظاہر نوافل بھی مسجد حرام میں ادا کرنے پر یہ ثواب ملے گا۔

الاستفتاء:-

(۱) میں نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ " رمضان المبارک میں جو شخص عمرہ کرے اسکا یہ عمل ویسا ہی ہے جیسے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج مبرور ادا کیا " ۔ کیا رمضان المبارک میں عمرہ کرنے سے مراد بحالت روزہ عمرہ ادا ہے یا رات کے وقت بھی عمرہ ادا کرنے کی یہی فضیلت ہوگی ؟

(۲) کیا عمرہ ادا کر کے اس کا ثواب ہم کسی زندہ یا فوت شدہ عزیز کو بخش سکتے ہیں ؟

(۳) کیا داڑھی ، مونچھوں اور سر کے بالوں پر خضاب لگانا جائز ہے ؟ اور کیا مہندی لگانا افضل ہے ؟

(۴) میں بریلوی مسلک رکھتا ہوں ۔ مسجد الحرام و مسجد نبوی کے امامین غالباً وہابی مسلک کے ہیں ۔ اب میں ان کے پیچھے باجماعت نماز ادا نہ کروں تو بہتر ہے ، ان کے پیچھے پڑھ کر دہرالوں تو بہتر ہے یا اپنی کوئی جماعت علیحدہ کروں ؟ اور اگر علیحدہ جماعت کا موقع نہ مل سکے تو کیا اکیلے ہی اپنی نماز پڑھ لوں ؟

سائل : شیخ غلام سرور ، سرگودھا

الجواب:-

(۱) رمضان کے مہینے میں دن یا رات ، میں جس وقت بھی عمرہ کریں ، اس حدیث کی بشارت میں داخل ہے ۔

(۲) جس کو ثواب بخشنا ہے اس کی جانب سے عمرہ کرنے کی نیت احرام باندھتے وقت ہی کرلیں وہ زندہ ہو یا وفات پاچکا ہو ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

(۳) کالا خضاب مردوں کے لئے ناجائز ہے البتہ مہندی لگانا جائز ہے ۔

(۴) حرمین کے امام سنی نہیں ہیں ۔ لہذا سنی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ۔

مسجد الحرام میں عورتوں کا نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں ، میری والدہ ، اور میری بیوی ، رمضان المبارک میں عمرہ کرنے جارہے ہیں ۔ انشاء اللہ آخری عشرہ رمضان مسجد نبوی میں اور بقیہ وقت حج تک مکہ مکرمہ میں گزرے گا ۔ عرض یہ ہے کہ :

میری والدہ اور بیوی فرائض باجماعت مسجد الحرام میں ادا کریں تو بہتر ہے ، بغیر جماعت بہتر ہے یا گھر

پر بہتر ہے؟

سائل: شیخ غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

مسجد حرام میں تنہا نماز پڑھیں۔

مسجد الحرام میں علیحدہ جماعت کروانا

الاستفتاء:-

کیا میں مسجد الحرام یا مسجد نبوی وغیرہ میں علیحدہ جماعت کرا سکتا ہوں؟ میں امامت کروں اور صرف میری والدہ اور بیوی اقتداء کریں تو کیا جماعت صحیح ہوگی؟

سائل: شیخ غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

دوسری جماعت کرنے کی گورنمنٹ کی طرف سے اجازت نہیں ہے اس لیے آپ بغیر جماعت کے علیحدہ نماز پڑھ لیا کریں۔

مسجد کے چندے کا بیان

چندہ کی رقم کے متعلق اصول

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک لاوارث میت کے کفن و دفن کے لیے چندہ کیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے ورثاء ہیں اور کفن و دفن کا انتظام ہو گیا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ اب اس جمع شدہ چندے کی رقم کا کیا جائے، کیا یہ رقم مسجد کے شامیانے یا اور کسی مصرف میں لگائی جا سکتی ہے؟

سائل: حافظ محمد صادق

الجواب:-

چندہ کرنے میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جس کام کے لیے چندہ کیا گیا ہے، صرف اسی کام میں خرچ کیا جائے۔ لہٰذا جب میت کے کفن و دفن کے لیے چندہ کیا گیا اور وہاں خرچ نہ ہوا تو اب دو صورتیں ہیں یا تو جن لوگوں سے چندہ لیا گیا تھا ان کو واپس کر دیا جائے یا ان سے اجازت لے کر جہاں وہ کہیں وہاں خرچ کیا جائے۔ چندہ وصول کرنے والے اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شاہراہوں، بسوں اور ٹرینوں میں مسجد کیلئے چندہ کرنا

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!
دار العلوم امجدیہ، کراچی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ایک اہم مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

عرض یہ ہے کہ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ کے دین کے لیے کام کرنا ہمارا فرض ہے۔ مساجد کی تعمیر بھی دین کی خدمت ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر اور اسے خوبصورت بنانے کا حکم دیا ہے۔ مگر آج کل عجیب صورت حال دیکھنے میں آرہی ہے جو کہ مسلمان قوم کے لیے باعث شرم وعار ہے کہ کچھ بھائی حضرات سڑکوں، ٹرینوں اور بسوں وغیرہ میں تعمیر مساجد کے لیے چندے مانگتے نظر آتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں اس سے ہمارے دین کی عزت مجروح ہوتی ہے۔ بعض لوگ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں اور کچھ چندہ دے دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں عیسائی، ہنود، سکھ اور دوسرے بہت سے مذاہب کے لوگ بستے ہیں، کبھی کسی نے اپنی عبادت گاہ کے لیے اس طرح بھیک مانگنے کے انداز میں چندے کی اپیل نہیں کی۔ کیا شرعی لحاظ سے اس طرح تعمیر مساجد وغیرہ کے لیے کسی مسلمان کو چندہ مانگنا جائز ہے؟ برائے کرم جواب سے مستفیض فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

سائل: محمد عرفان، سعید آباد، کراچی

الجواب:-

نیک کام کے لیے چندہ کی اپیل کرنا جائز ہے۔ مگر جس صورت سے چندہ مانگنے والے چندہ مانگتے پھرتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں، جو کسی مدرسہ یا مسجد کے نمائندہ نہیں ہوتے۔ بلکہ جعلی رسیدیں چھپوا کر مسجد و مدرسہ کے نام سے چندہ وصول کر کے خود کھاتے پیتے ہیں۔ یہ تو جعل ساز اور دھوکہ باز ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو کمیشن پر چندہ کرتے ہیں یہ کمیشن عام طور پر نصف ہوتا ہے کبھی اس سے بھی زیادہ، اس طرح کمیشن دیکر چندہ کروانا بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے، جس کے لیے چندہ کرنا ضروری ہو، تو مسجد میں چندہ کی اپیل کی جائے۔ اس طرح سے بھیک مانگنا جیسا آپ نے سوال میں لکھا ہے، یقیناً اسلامی اقدار کے خلاف ہے۔

مسجد کے لئے کمیشن پر چندہ کروانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :
مسجد کے لیے چندہ کیا جاتا ہے چندہ کرنے والے کو فی صد کے حساب سے کمیشن ملتا ہے یا پھر اسے تنخواہ دی جاتی ہے ۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

چندہ کرنے والوں کو تنخواہ پر رکھنا جائز ہے ۔ لیکن کمیشن پر چندہ کروانا نا جائز ہے ۔ حدیث شریف میں ہے :

نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قفیز الطھان
اجیر نے جو آٹا پیسا ہے اس سے اجرت لینے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ۔
اس کا مقصد یہ ہے کہ اجیر سے جو چیز حاصل ہو گی اس میں سے اجرت مقرر کر کے مزدوری پر کام کروانا نا جائز ہے ۔

بھیک مانگنے والوں کا چندہ مسجد میں لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :
جو لڑکیاں بھیک مانگتی پھرتی ہیں اور پیشہ بھی کرتی ہیں ۔ انکا دیا ہوا چندہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی موجود ہو اس کو سوال کرنا جائز نہیں ہے ۔ حدیثوں میں

پیشہ ور بھیک مانگنے والوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں ۔ لیکن ان کے سوال کرنے پر جب لوگ انہیں کچھ دے دیں تو وہ اس چیز کی مالک تو ہو جاتی ہیں ۔ اور مالک ہو جانے کے بعد اس مال میں ان کے تصرفات بھی جائز ہیں ۔ لہٰذا اگر وہ مسجد کو چندہ دیتی ہیں ، تو ان سے چندہ لینا جائز ہے ۔ یہ تو بھیک مانگنے اور اس مانگے ہوئے روپے پیسے کے مصرف کا حکم ہے ۔

لیکن آپ نے جو یہ بات تحریر کی کہ وہ پیشہ بھی کرتی ہیں ۔ اگر چار عینی گواہوں سے ان کا زنا کرنا ثابت ہو جائے تو ان پر زنا کا مقدمہ قائم کر کے سزا دلانا چاہیے ۔ اور اگر چار گواہ نہیں ہیں تو یہ کہنا کہ وہ پیشہ کرتی ہیں ، حرام ہے ۔ اور ایسا الزام لگانے والے کو شریعت میں " قاذف " کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں اس کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر کی گئی ہے اور فرمادیا کہ ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو ۔

(سورۃ (۲۴) النور ، آیت : ۴)

اور اگر گواہوں سے پیشہ کرنے کا ثبوت مل جائے تو وہ حرام کی آمدنی سے کسی کام کے لیے بھی چندہ دیں تو چندہ لینا حرام ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قادیانیوں کا دیا ہوا چندہ مسجد میں لگانے کا حکم

الاستفتاء :-

جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے بصد احترام گزارش ہے کہ درج ذیل معاملہ سے متعلق سوالات کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دے کر رہنمائی فرمائیں ۔

پاکستان ٹول فیکٹری ایک قومی ادارہ ہے ۔ یہاں ملازمین نے انتظامیہ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ ملازمین کی تنخواہ سے ماہانہ ایک طے شدہ رقم کاٹی جائے اور اتنی ہی رقم انتظامیہ ملائے ، جس سے فیکٹری کی حدود میں ایک مسجد تعمیر کی جائے ۔ لہٰذا تمام ملازمین کی تنخواہوں سے طے شدہ رقم کاٹی جاتی رہی اور اسی طرح انتظامیہ بھی رقم ملاتی رہی ۔ بعد ازیں مسجد کی تعمیر ہوئی جو کہ " مسجد طیبہ " کے نام سے موسوم ہے ۔ فیکٹری ملازمین میں غیر مسلم بھی ہیں ، ان کی تنخواہ سے بھی رقم کاٹی گئی ۔ لیکن بعد میں ماسوائے قادیانیوں کے تمام غیر مسلموں کی رقوم واپس کردی گئیں ۔

مسجد کے امور کی نگرانی کے لیے انتظامیہ اور کارکنان کے نمائندوں پر مشتمل ایک انجمن (کمیٹی) بنائی گئی۔ کچھ عرصہ قبل چند افراد نے کمیٹی کی توجہ قادیانیوں کی طرف دلائی جو کہ جماعت کے اوقات کے علاوہ اپنی مذہبی رسومات (بقول ان کے نماز) مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ اور مطالبہ کیا کہ انہیں منع کیا جائے اور ان کے لیے علیحدہ انتظام کر دیا جائے۔ آپ سے گزارش ہے کہ درج ذیل سوالات کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمائیں، تاکہ اس کے مطابق معاملہ نمٹایا جا سکے۔

(۱) قادیانی حضرات کا دیا ہوا چندہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) کیا قادیانی اس مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟

(۳) ہمارا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟

(۴) کیا دیگر غیر مسلم بھی اپنی عبادت کے لیے مساجد میں آ سکتے ہیں؟

(۵) اگر قادیانیوں کی رقم کا مسجد میں لگانا ناجائز ہو تو کیا ہم انہیں ان کی رقوم واپس کر دیں یا اس کی ضرورت نہیں ہے؟

(۶) اس سے متعلق دیگر کوئی اور وضاحت جسے آپ ضروری سمجھتے ہوں بیان فرمائیں۔ ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔

سائل: چیئرمین مسجد کمیٹی، پاکستان مشین ٹول فیکٹری، لانڈھی

الجواب:-

قادیانیوں کے کافر ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ ان کا پیسہ مسجد میں لگانا ناجائز ہے۔ ان کو مسجد میں داخل ہونے دیا جائے گا اور نہ ہی مسجد کے نام سے انھیں اپنی عبادت گاہ بنانے کی اجازت دی جائے گی۔ اور نہ کسی غیر مسلم کو مسجد بنانے دی جائے گی۔ قادیانی کا لیا ہوا چندہ اس کو واپس کر دیا جائے۔

مسلمان کا غیر مسلم کی عبادت گاہ کے لیے چندہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک مسلمان کی تنخواہ سے جبری کٹوتی کر کے مندر، گرجا گھر یا امام باڑہ تعمیر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: کمال الدین

الجواب:-

مسلمان کو کافروں کی عبادت گاہ بنانا کفر ہے ۔ لہذا مسلمان اپنی تنخواہ میں سے پیسے کاٹ کر مندر وغیرہ میں لگانے پر احتجاج کرے اور اپنی تنخواہ میں سے اس کام کے لیے نہ کاٹنے دے ۔

سود کی رقم مسجد میں لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ :

ہم نے اپنی مسجد کا نفع نقصان شراکت والا کھاتہ کھلوا لیا ہے ۔ کبھی رقم زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی کم ۔ اس درمیان میں ایسے حالات بھی آئے کہ بہت تھوڑی رقم بنک میں رہ جاتی تھی یعنی اصل رقم مع سود کے مسجد میں خرچ ہو جاتی تھی ۔ اب جبکہ ہم پر یہ واضح ہو گیا کہ بنک کا نفع سود ہے ، تو نادانستہ جو رقم سود کی مسجد میں لگ گئی ہے اس کا کیا بنے گا ، اور جو کچھ ہو چکا ہے ، اس کا کیا تدارک ہے ؟

الجواب:-

بنک سے جتنی سودی رقم لے کر خرچ کی ہے ، اس کا حساب کر کے اتنی رقم کسی غیر سید مستحق زکوٰۃ کو بغیر نیت ثواب دے دیں ۔ اور یہ رقم منتظمین اپنی جیب خاص سے ادا کریں مسجد کے فنڈ سے نہیں ۔

مسجد کی تعمیر کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگا کر چندہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین و شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

مسجد زیر تعمیر ہے ۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے روزانہ صبح ۸ تا ۱۰ بجے تک تعمیر مسجد کے لیے چندہ کیا جاتا ہے اور ہر چندہ دینے والے کے نام کا باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے ۔ کہ کس نے کتنا چندہ دیا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح چندہ دینے والے کا نام لے کر اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد سلیم الدین قریشی ، کورنگی

الجواب:-

مسجد کے مائک سے تعمیر مسجد و ضروریات مسجد کے چندے کی اپیل کرنا جائز ہے ۔ اور چندہ دینے والوں کے ناموں کا اعلان اگر اس لیے ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی شوق ہو اور وہ بھی چندہ دیں ، تو جائز ہے ۔ اس لیے کہ خود اپنی نیکی کی تشہیر کرنا تو ریا کاری ہے ۔ لیکن دوسرے کا ، نیکی کرنے والے کے فعل کو بیان کرنا " ریا " میں داخل نہیں ہے ۔ ہاں چندہ دینے والوں کو اپنی نیت اچھی رکھنا چاہئے اور صرف رضاء الٰہی مقصود ہونی چاہئے ۔ اپنے ناموں کا اعلان سن کر غرور اور خود پسندی پیدا نہ ہونے پائے ۔

اور اگر مائیک کو مسجد کی حدود سے باہر نکال کر اعلان کرے گا تو یہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ مسجد کی چیز کو ضروریات مسجد کے علاوہ کسی شخصی کام میں استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

متعینہ چندہ کسی دوسرے کارِ خیر میں صرف کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کوئی شخص اللہ کے نام پر رقم جمع کرتا ہے ، جس میں سے ضرورت مند ، نیاز ، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس و نیاز یا گیارہویں کی نیاز و وعظ وغیرہ میں وہ رقم خرچ کرتا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ آیا وہ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

چندہ کا حکم یہ ہے کہ جس کام کے لیے چندہ جمع کیا جائے گا صرف اسی کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے کسی دوسرے کام میں خرچ نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کام میں خرچ کرنے کے بعد رقم بچ جائے تو جن لوگوں سے چندہ لیا گیا تھا ان کو واپس لوٹا دیا جائے یا ان لوگوں سے اجازت لے کر اسے دوسرے کام میں خرچ کیا جائے ۔

مسجد کی رقم کو بینک میں رکھنا یا مروجہ اسکیموں میں لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک مسجد کی رقم جو بنک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی ہے جس پر کوئی منافع وغیرہ نہیں ملتا۔ کیا اس کو بینکوں کے نفع نقصان کے کھاتے میں رکھا جا سکتا ہے تاکہ مسجد کو فائدہ ہو یا اس رقم کو نفع نقصان کی بنیاد پر رائج موجودہ بچت اسکیموں یا نیشنل انویسٹمنٹ ٹرسٹ جو حکومتی ادارہ ہے، کے یونٹ میں کہ جس پر ہر سال منافع دیا جاتا ہے، لگایا جا سکتا ہے؟

سائل: محمد یعقوب صالح، بولٹن مارکیٹ، نیو میمن مسجد، کراچی

الجواب:-

نفع نقصان کے اکاؤنٹ سودی اکاؤنٹ ہیں۔ اس کے علاوہ جتنی اسکیموں کا تذکرہ سوال میں ہے، یہ سب بھی سودی اسکیمیں ہیں ان میں مسجد کا پیسہ لگانا ناجائز و حرام ہے۔

مسجد میں بھیک مانگنا اور دیگر اعلانات کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) مسجد میں بھیک مانگنا آیا جائز ہے یا ناجائز اور مانگنے والے کو بھیک دینا کیسا ہے؟

(۲) کسی گمشدہ چیز مثلاً کسی انسان، جانور یا جوتے وغیرہ کا اعلان مسجد سے کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

برائے کرم مندرجہ بالا مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

الجواب:-

(۱) مسجد میں بھیک مانگنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں کہ ان میں بھیک مانگی جائے۔ مسجد میں بھیک دینا بھی ممنوع ہے۔ مسجد سے باہر دے سکتے ہیں۔

(۴) مسجد میں کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا:

من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا

(مسلم، جلد (۱) کتاب المساجد، باب النھی عن نشد الضالة فی المسجد و ما یقولہ من سمع الناشد، صفحہ: ۲۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جو کسی شخص سے سنے کہ وہ مسجد میں گمی ہوئی چیز کو تلاش کر رہا ہے تو کہہ دے کہ اللہ تیری چیز کو واپس نہ کرے اس لیے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں ہیں۔

لہٰذا مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے گمی ہوئی چیز کا اعلان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

مسجد میں مہمان کے قیام اور عطیات کے اعلانات کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) بارات کو قیام و طعام اور نکاح کے لیے مسجد میں ٹہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی تعمیر، جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شب قدر یا کسی اور ایسے موقع پر مسجد میں ڈیکوریشن یا دیگر اخراجات مثلاً شیرینی وغیرہ کے خرچ کے لیے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر بذریعہ اعلان چندہ یا عطیات وصول کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

برائے کرم مندرجہ بالا مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

الجواب:-

(۱) بارات کو قیام و طعام کے لیے مسجد میں ٹھرانا جائز نہیں ہے۔ البتہ مسجد میں نکاح جائز ہے، جبکہ مسجد کے آداب و احترام اور تقدس کا لحاظ رکھا جائے اور خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ ہو۔

(۲) مسجد میں، اس کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے امر خیر (نیک کام) کے لیے چندہ کا اعلان کرنا اور عطیات وصول کرنا جائز ہے۔

تعمیر مسجد کا بیان

بابری مسجد کا انہدام اور مسلمانوں کی ذمہ داری

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ میں کہ:

وشلوہری ڈالمیا جو کہ ہندو پریشد کے صدر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ "بابری مسجد کو ایودھیا سے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے" آیا اسلام میں اس کی اجازت ہے جبکہ ہمارا دعویٰ زمین پر ہے مسجد کی چہار دیواری پر نہیں اور یہ بات اسلام کے حوالہ سے غالباً اس ہندو لیڈر نے اس لئے کہی ہے کہ ایک صاحب اصغر عباس جو انڈیا میں شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر ہیں، انہوں نے حال ہی میں ہندوؤں کی ہمنوائی میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ بابری مسجد کو "ایودھیا" سے اسی کیفیت میں جدید مشینوں کے ذریعہ اٹھا کر قریبی علاقہ "شوا" میں منتقل کر دیا جائے اور بابری مسجد کی جگہ پر رام چندر جی کا مندر بنانے دیا جائے، اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس فعل کے جواز کے لئے نجف اشرف سے فتویٰ لینے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ مسلمان اور ہندو محققین کی تحقیقات کی رو سے یہ مسجد کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی بلکہ ایک غیر آباد جگہ پر ۹۳۵ھ بمطابق ۱۵۲۸ء میں ایک سنی مسلمان بادشاہ بابر نے میر باقی کو حکم دے کر بنوائی تھی۔

سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں مسجد اور زمین دونوں کی ایک حیثیت ہے یا دونوں کی حیثیت جداگانہ ہے؟ کیا جدید مشینوں کے ذریعہ مسجد کو اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے اور اس کی زمین کسی اور

کام میں لی جاسکتی ہے؟

کیا بابری مسجد کا صرف صحن مندر بنانے کیلئے ہندوؤں کے حوالے کیا جاسکتا ہے؟ کچھ عرصہ قبل بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے کنوینر سید شہاب الدین اور دیگر افراد نے مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ بابری مسجد جس پر آج کل ہندوؤں کا کنٹرول ہے اس کے حصول کیلئے ملک بھر سے مسلمان جتھوں اور جلوسوں کی شکل میں اس کی طرف مارچ کریں اور مسجد پر قبضہ کر کے نماز ادا کریں (یہی تجویز اب پھر سننے میں آرہی ہے) لیکن مستند علماء اور اہل علم حضرات نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ احتجاج کے صرف ایسے طریقے اپنائے جائیں جس میں مسلمانوں کی جان کا اتلاف نہ ہو۔ مخالفت کی وجوہات یہ تھیں۔

ہندوستان دار الحرب کی دوسری قسم دار الامن ہے جب مولانا امیر علی نے ۱۸۵۵ء میں مسجد کے لئے جہاد اعلان کیا تھا اس وقت یہ دار الاسلام تھا۔ ایودھیا جہاں یہ مسجد واقع ہے وہاں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے ہندوؤں نے اعلان کیا ہے اگر مسلمان اس علاقہ میں داخل ہوئے تو، ان کا ہر طریقہ سے مقابلہ کیا جائے گا اس صورت میں مقامی و غیر مقامی مسلمانوں کی جانوں کو شدید خطرہ ہے۔

حکومت اور انتظامیہ میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے قتل عام میں حصہ لیا ہے (حالیہ بھاگل پور کا قتل عام P.A.C اور فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام اس کی زندہ مثالیں ہیں) اسلام میں مسلمانوں کی جان بے حد قیمتی ہے اسی وجہ سے جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر تک کہنے کی اجازت دی گئی (جبکہ اسکے دل میں ایمان قرار پذیر ہو)۔ مسلمانوں کی جان بچانے کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ (جہاں کعبۃ اللہ ہے) چھوڑ کر مدینہ چلے گئے، اور اسی طرح کی دیگر مثالیں موجود ہیں۔ اس صورت حال میں فرمایئے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور مسجد کی بقا کے لئے کیا کیا اقدامات کئے جاسکتے ہیں؟ مثلاً جہاد، احتجاجی ریلی، عدالتی جنگ یا اور کوئی مناسب تجویز؟ برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مستند حوالہ جات کے ساتھ جواب تحریر فرمایئے۔..... سائل: صلاح الدین ثانی، اورنگی ٹاؤن

الجواب:-

وقف در اصل زمین ہی کا ہوتا ہے اور زمین مسجد ہو جاتی ہے۔ صاحب عالم گیری ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا:

وذكر الصدر الشهيد رحمه الله تعالى فى الواقعات فى باب العين من كتاب الهبة والصدقة رجل لساحة لا بناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة فهذا على ثلثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلوة فيها ابداً نصاً بان قال صلوا فيها ابدا او امرهم بالصلوة مطلقاً ونوى الابد ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً لومات لا يورث عنه واما ان وقت الامر باليوم او الشهر او السنة ففى هذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لومات يورث عنه كذا فى الذخيرة

(جلد (۲) کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، صفحہ: ۴۵۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بیان کیا صدر شہید نے واقعات کی کتاب الھبۃ و الصدقۃ کے باب العین میں کہ ایک شخص کے لئے زمین

کا حصہ تھا اس میں کوئی تعمیر نہیں تھی اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، تو اس کی تین صورتیں ہوں گی ان میں ایک یہ ہے یا تو اس نے ان کو ہمیشہ کے لئے اس میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اس طرح کہ لوگو اس جگہ پر ہمیشہ نماز پڑھو! یا مطلقاً نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور نیت ہمیشہ کی تھی تو ان دونوں صورتوں میں وہ زمین مسجد ہو گئی اگر وہ شخص انتقال کر گیا تو وراثت میں تقسیم نہ ہوگی۔ (اور تیسری صورت یہ ہے) اگر اس نے نماز کی اجازت دیتے وقت دن، مہینہ یا سال کا کہا تھا پس اس وجہ سے وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں آئے گی اگر وہ انتقال کر گیا تو وہ جگہ ورثاء میں تقسیم کی جائے گی۔ اس حصہ زمین کو ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔

اور کسی جگہ پر عام مسلمانوں کا نماز پڑھنا ہی مسجد کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور مسجد بندوں کی ملکیت سے نکل کر ملک خدا بن جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ

(سورۃ (۷۲) الجن، آیت ۱۸)

اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

اور جو جگہ مسجد ہو جاتی ہے، اس کی فضا آسمانوں تک اور اس کی زمین "تحت الثریٰ" تک مسجد ہوتی ہے اس کے اوپر یا نیچے کوئی دوسرا کام نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا بابری مسجد کا بھی حکم یہی ہے۔ اس زمین پر کوئی دوسرا کام نہیں کیا جا سکتا۔ عمارت منہدم بھی ہو جائے جب بھی وہ جگہ مسجد ہی رہے گی یا عمارت کو ادھر ادھر منتقل کریں تب بھی وہ جگہ مسجد ہی رہیگی اور مسجد کا صحن بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ وہاں نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا جا سکتا ہے۔

انڈیا حکومت مسلمانوں پر آئے دن طرح طرح کے مظالم ڈھاتی رہتی ہے یہ صرف اجودھیا کے ہی مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانونی طور پر اس مسجد کی حفاظت کی کوشش کریں اور ہندو متعصب جماعتوں کے مسجد ڈھانے کے منصوبے کو روکیں اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں کو ان مظالم کی خبر دے کر بھارت کی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ مسلمانوں کی عبادات کی جگہوں کی حفاظت کرے۔ پاکستان میں ہندوؤں کے مندر، سکھوں کے گوردوارے، آتش پرستوں کی مذہبی عمارتیں ابھی تک محفوظ رکھی گئی ہیں وہ اپنی عمارتوں میں پوجا کرتے ہیں اور حکومت ان کی نگرانی و حفاظت کرتی ہے۔ اجودھیا میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے اس سے بحث نہیں اگر تمام مسلمان بھی وہاں سے ہجرت کر جائیں جب بھی وہ مسجد باقی رہے گی۔

مال وقف سے مسجد کی نقش ونگاری کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے میں کہ :

میں ایک مشہور وقف کا متولی ہوں ۔ مسجد میں گنبد اور مینار کی نقش ونگاری کے لئے کئی سالوں سے ہم نے ایک مستری اور ایک مزدور روزانہ کی اجرت پر رکھا ہوا ہے ۔ مستری کام میں بہت ہوشیار ، دین دار ، نمازی ، بزرگ صفت اور خوش اخلاق ہے ۔ مجھے اور محلے والوں کو اس سے بڑی محبت ہے ۔ البتہ اس کی ایک کمزوری ہے وہ یہ کہ صبح اکثر دیر سے آتا ہے دوپہر کی چھٹی میں دیر تک کھانا کھاتا رہتا ہے اور لمبی نماز پڑھتا ہے ۔ شام کو کسی نہ کسی کام کی وجہ سے جلدی گھر چلا جاتا ہے اگر حساب لگایا جائے تو وہ روزانہ اوسطاً صرف چار گھنٹے کام کرتا ہے ، جو معاہدہ کا نصف ہے ۔ لیکن چونکہ شریف ہے ہم سب اس کی بزرگی کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ اگر ایسا آدمی چلاگیا تو کوئی دوسرا مستری ایسا نہ مل سکے گا جبکہ وہ یومیہ آدھی اجرت کا حقدار بنتا ہے ۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں ۔

(۱) کیا ہمارا یہ عمل یعنی آدھی اجرت کے بجائے پوری اجرت دینا احسان ہے یا ظلم ؟

(۲) اگر ظلم ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے یا مستری پر یا دونوں پر ؟

(۳) اب سے اگر اس کی اجرت آدھی کر دیں یا وقت کی پابندی کرائیں تو کیا گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے ؟

(۴) اگر نہیں تو اس کا کفارہ کیا ہے ؟ مستری سے گزشتہ دیئے ہوئے سارے زائد پیسے واپس لئے جائیں یا میں اپنی جیب سے ادا کروں ؟

(۵) اگر میں اپنی جیب سے ادا کروں تو کیا مستری بھی اپنے گناہ سے خود بخود بری ہو جائے گا ؟

(۶) مستری کہتا ہے تمام مستری اسی طرح کام کرتے ہیں اور بڑے بڑے مستریوں کے نام گنواتا ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب مستری کام سے غائب رہتا ہے تو اس کا مزدور (جو وقت کا بہت پابند ہے اور مستری کا تھوڑا بہت کام جانتا ہے) مستری کا کام کرتا رہتا ہے ۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اپنی مزدوری کے کام کے علاوہ مستری کا کام بھی سنبھالتا ہے اس لئے مستری گیری کی اجرت اتنے اوقات کے لئے جب مستری غیر حاضر رہتا ہے اس کو اضافی دی جائے یا کم از کم اس کا نصف ، کیا مزدور کا یہ مطالبہ حق ہے ؟

(۸) اگر حق ہے تو اس کا پیسہ مستری سے لے کر دیا جائے یا وقف سے ؟

(۹) اگر میں حق فیصلہ نافذ نہ کر سکوں تو کیا تولیت سے مستعفی ہو جاؤں ؟

امید ہے کہ تفصیلی نمبروار جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے ۔

الجواب:-

سائل نے مستری کے کام اور اس کی اجرت کے بارے میں تو سوالات کیے ہیں مگر جو سوال کرنا تھا وہ نہیں پوچھا سوال یہ تھا کہ متولی کے لئے وقف کے مال سے مسجد اور اسکے دروازوں وغیرہ پر نقش ونگار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا ہم پہلے اسی سوال کا جواب دیتے ہیں۔ متولی مسجد میں نقش ونگار کا کام وقف کے مال سے نہیں کرواسکتا۔ اگر نقش ونگار وغیرہ کروائے گا تو اس کے اخراجات اپنے پاس سے ادا کرنے ہوں گے۔

بخاری وغیرہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے دور خلافت میں جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر جدید اور اس کی توسیع کروا رہے تھے اور پتھروں کو تراش کر خوبصورت ستون بنوا رہے تھے اور چھت میں لگوانے کے لئے ہندوستان سے عمدہ لکڑی منگوائی اس فعل پر حضرات صحابہ میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ مسلمانوں کے مال کو خلیفۃ المسلمین اس طرح خرچ کر رہے ہیں۔ جب یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے تقریر فرمائی اور صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تمہاری چہ میگوئیاں مجھ تک پہنچیں اس لئے میں اعلان کر رہا ہوں کہ مسجد کی تعمیر میں بیت المال کا پیسہ خرچ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ تعمیر میں اپنے ذاتی مال سے کر رہا ہوں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

من بنی مسجداً للّٰہ بنی اللہ لہ فی الجنۃ مثلہ

(مسلم شریف، جلد (۱) کتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد والحث علیہا، صفحہ: ۲۰۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جو اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالٰی اس کی مثل جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی خوبصورتی پر بیت المال کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے اسی لئے انہوں نے اعتراض کیا تھا یہی بات ہمارے فقہاء نے بیان فرمائی کہ مال وقف سے مسجد کے نقش ونگار اور آرائش پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ولا باس بنقشہ بجص وماء ذہب لو بمالہ الحلال لا من مال الوقف فانہ حرام وضمن متولیہ لو فعل

یعنی چونے اور سونے کے پانی سے مسجد کے نقش ونگار کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر متولی اپنے حلال مال سے کرائے نہ کہ مال وقف سے کیونکہ مال وقف سے کرانا حرام ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو متولی اس کا ضامن ہے۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

و ارادوا من المسجد داخلہ فیفید ان تزیین خارجہ مکروہ و اما من مال الوقف فلا شک انہ لا یجوز للمتولی

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا، مطلب فی احکام المسجد، صفحہ: ۸۶،۴۸۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اور فقہاء نے مسجد سے اس کا اندرونی حصہ مراد لیا ہے۔ لہذا اس سے سمجھ میں آگیا کہ مسجد کا بیرونی حصہ آراستہ کرنا مکروہ ہے۔ لیکن مال وقف سے مسجد کو آراستہ کرنا متولی کے لئے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

صاحب عالمگیری ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا:

و لا یکرہ نقش المسجد بالجص و ماء الذھب کذا فی التبیین و ھذا اذا فعل من مال نفسہ اما المتولی یفعل من مال الوقف ما یرجع الی احکام البناء دون ما یرجع الی النقش حتی لو فعل یضمن کذا فی الھدایۃ

(جلد (۱) کتاب الصلوٰۃ، الباب السابع، فصل کرہ غلق باب المسجد، صفحہ: ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مسجد کو چونے اور سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ نہیں ہے ایسا ہی تبیین میں ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ نقش و نگار کرانے والے نے اپنے ذاتی مال سے کرایا ہو لیکن متولی وقف سے وہ کام مسجد کے کر سکتا ہے، جن سے مسجد مضبوط اور مستحکم ہو نا کہ وہ کام جو نقش و نگاری کے ہوں یہاں تک کہ اگر متولی نے نقش و نگاری کرائی تو وہ ضامن ہوگا ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

لہذا مسجدوں میں جو عام چندہ کیا جاتا ہے اس کو متولی ضروریات مسجد ہی میں خرچ کر سکتا ہے، آرائش و نقش و نگاری میں یہ مال خرچ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ لیکن اگر چندہ کرتے وقت یہ کہہ کر چندہ کیا گیا کہ اس رقم سے مسجد کی آرائش و نقش و نگاری کرائی جائے گی تو اس چندہ سے یہ کام جائز ہے۔ مگر چندہ مانگتے وقت اجازت ضروری ہے۔ متولی خرچ کرنے کے بعد اجازت طلب کرے تو وہ ضمان سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔

جو سوالات سائل نے کیے ہیں، ان کا اجمالی جواب یہ ہے کہ متولی مستری و مزدور سے اتنے ہی وقت کام لے گا جتنا معمول ہے اور اتنی ہی مزدوری دے گا اگر معمول سے زیادہ مزدوری دی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر متعارف چھٹے حصے سے "کم" بڑھا کر دیا اور عرف عام میں اتنی زیادتی کو معیوب نہ جانتے ہوں تو یہ جائز ہے۔ مثلاً جس مستری کی مزدوری ساٹھ روپیہ یومیہ ہے اگر اسے دس روپے بڑھا کر دی تو متولی پوری دی گئی مزدوری ستّر روپے کا ضامن ہوگا اسے اپنے پاس سے یہ وقف کی آمدنی میں جمع کرانے ہوں گے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

لو زاد المتولی دانقاً علی اجر المثل ضمن الکل

یعنی اگر متولی نے مزدوری کا چھٹا حصہ بڑھا کر دیا تو متولی کل مزدوری کا ضامن ہوگا ۔ اس پر علامہ شامی نے لکھا :

صورتہ استاجر المتولی رجلا فی عمارۃ المسجد بدرھم و دانق و اجرۃ مثلہ درھم ضمن جمیع الاجرۃ من مالہ لانہ زاد فی الاجر اکثر مما یتغابن فیہ الناس فیصیر مستاجراً لنفسہ فاذا نقد الاجر من مال المسجد کان ضامناً

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی قطع الجہات لاجل العمارۃ، صفحہ: ۴۱۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی متولی نے کسی شخص کو مسجد کا کام کرنے کے لئے اجیر رکھا ایک درھم اور چھٹے حصہ درھم کی اجرت پر حالانکہ واجبی اجرت ایک درھم بنتی ہے تو ساری اجرت متولی کو اپنے پاس سے دینی پڑے گی اس لئے کہ متولی نے واجبی اجرت سے اتنا بڑھا کر دیا کہ لوگ دھوکہ کھا کر بھی اتنی زیادہ اجرت نہیں دیتے ۔ جسے اپنے لئے مزدور رکھا ہو ۔ پھر جب متولی نے مسجد کے مال سے مزدوری ادا کی تو متولی اس کا ضامن ہوگا ۔

(۱) کام کم لینا اور مزدوری پورے وقت کی ادا کرنا وقف کے مال میں خیانت ہے ۔ کیا اپنے گھر کا کام کرانے کے لئے بھی متولی اس طرح مزدوری دے سکتا ہے ؟ لہٰذا اس طرح جتنی مزدوری دی گئی ہے اس سب کا متولی ضامن ہے ۔

(۲) دونوں پر گناہ ہے ۔

(۳) پچھلا گناہ اب اصلاح کرنے سے معاف نہیں ہوگا ۔ مالی معاملات میں بغیر مال ادا کئے ہوئے توبہ ہو ہی نہیں سکتا ۔

(۴) مسجد کا مال تو متولی پر ادا کرنا ضروری ہے لیکن متولی اب مستری سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ متولی کو علم تھا کہ مستری تساہل سے کام لے رہا ہے پھر بھی مزدوری پوری دے دی ۔

(۵) متولی اگر ادا کرے گا تو مسجد کے مال وقف سے بری ہو جائے گا مستری نے اگر کام میں بد دیانتی کی تھی اور متولی کے علم میں لائے بغیر کم کام کیا تھا تو وہ گناہ گار تھا اور اگر متولی کے علم میں لاکر کم وقت میں کام کیا تھا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا ۔

(۶) مستری کا یہ قول نہ مانا جائے گا بلکہ رواج اور چلن کو دیکھا جائے گا ہمارے یہاں مستری آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں ۔

(۷) اس مزدور سے جو مزدوری طے کی گئی ہے وہی اس کو دی جائے گی ۔ اگر مستری کا کام کرنے سے پہلے مزدوری طے کر لے کہ جس وقت میں مستری کا کام کروں گا زیادہ پیسے لوں گا تو جتنا وقت وہ مستری کا کام کرے گا طے شدہ مزدوری لے گا اور اس نے پہلے طے نہیں کیا تو کام کرنے کے بعد اضافی مزدوری کا مطالبہ نہیں کر سکتا ۔

(۸) اگر طے کر لیا تھا تو یہ پیسہ وقف سے دیا جائے۔

(۹) جو متولی وقف کا کام دیانتداری سے پوری طرح نہیں کر سکتا ہے تو اسے متولی نہیں رہنا چاہیے۔

تعمیر مسجد اور متولی کی ذمہ داری

الاستفتاء:-

قبلہ جناب مفتی وقار الدین صاحب! مد ظلک العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے تفصیلی فتویٰ مجریہ بتاریخ ۲۱ اکتوبر کا بہت شکریہ جزاک اللہ خیرا۔ اس فتویٰ نے ہمارے پیر تلے سے زمین نکال دی، ہم سمجھ رہے تھے کہ تولیت (متولی ہونے) سے اجر آخرت ملے گا۔ لیکن یہاں تو ضمان کے بوجھ سے دب گئے اور " خسر الدنیا و الاخرۃ " کے مصداق بن گئے۔ اللہ تعالیٰ اس ضمان کے بوجھ سے ہم سب کو سبکدوش کرے اور ایسی تولیت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کچھ اور سوال اور الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں امید ہے کہ آپ ان کو بھی حل کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔ استفتاء و فتویٰ کی فوٹو کاپیاں ساتھ لگادی ہیں۔

(۱) آپ نے فرمایا کہ نقش و نگاری پر وقف کا پیسہ خرچ کرنا حرام ہے اور متولی اس کا ضامن ہے کیا گنبد و مینار کا بھی یہی حکم ہے؟

(۲) اس وقف کے سات متولی ہیں، جن کا میں صدر (چیرمین) ہوں۔ کیا ضمان صرف مجھ پر ہوگا یا تمام متولیان پر، اگر تمام متولیان پر تو ضمان کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(۳) متولی مال وقف کا ضمان کس طرح ادا کرے، کیا نیت وقف کی نیت کر کے پیسہ قسطوں میں دیتے رہنا کافی ہے یا ضمان کے نام سے وقف کی رسید کاٹی جائے؟

(۴) جواب نمبر ۵ میں آپ نے لکھا " مستری نے اگر کام میں بد دیانتی کی تھی اور متولی کے علم میں لائے بغیر کم وقت کام کیا تو وہ گناہ گار تھا " لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مستری کے اس گناہ کا کفارہ کیا ہوگا اگر زائد لی ہوئی اجرت کا واپس کرنا اس کا کفارہ ہے اور مستری یہ ادا کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں کیا متولی ضمان سے بری ہو جائے گا؟

(۵) اسی جواب نمبر ۵ میں آپ نے لکھا " اگر متولی کے علم میں لا کر کم وقت میں کام کیا تھا وہ گناہ گار

نہیں ہوگا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، مستری اپنی اجرت ہمیشہ وقف کے واؤچر پر دستخط کرکے وقف کے خزانچی سے لیتا ہے اور وقف کا ماہانہ حساب، جس میں مستری کی اجرت کا اندراج بھی ہوتا تھا بہت دنوں سے مسجد میں لٹکایا جاتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے روزانہ ۸ گھنٹے کام کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہے اور اس کو کبھی یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ متولی کا ذاتی نوکر ہے کیا ایسی صورت میں مستری اپنے کام چوری کی وجہ سے گناہ گار اور زائد لی ہوئی اجرت کا ضامن صرف اس لئے نہ ہوگا کہ اس کی کام چوری متولی کے علم میں ہے۔

(۶) اگر ایسا ہے تو کیا حکومت اور بڑی فیکٹریوں میں اور اداروں کے ملازمین جو اپنے افسروں کے سامنے کام چوریاں کرتے ہیں وہ بھی گناہ و ضمان سے بری ہیں؟

(۷) آپ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ۸ گھنٹے کی ڈیوٹی میں ۸۰ منٹ کی چھوٹ ہے۔ اگر کوئی روزانہ ۸۰ منٹ کم کرتا ہے تو کیا اجیر و متولی پر مطلقاً کوئی گناہ و ضمان نہیں ہوگا؟

(۸) اگر مستری کو بجائے روزانہ مزدوری کے ماہانہ اجرت پر رکھا جائے تو چھوٹ کا حساب ماہانہ بنیاد پر ہوگا یا یومیہ مثلاً ۷۵۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے ۳۰ دن کا ماہ ہے ۵ دن عام تعطیل کے نکل گئے، ۲۵ دن بچے۔ جن میں مستری پر کام کرنا واجب ہے (روزانہ آٹھ گھنٹے کے حساب سے)

سوال (الف) اگر مستری چار دن ۸۰ منٹ یومیہ کم کام کرتا ہے تو متولی پر کتنا ضمان ہوگا؟

(ب) اگر مستری ۵ دن ۸۰ منٹ یومیہ کم کام کرتا ہے تو متولی پر کتنا ضمان ہوگا؟

(ج) اگر مستری ۲۵ دن ۸۰ منٹ یومیہ کم کام کرتا ہے تو متولی پر کتنا ضمان ہوگا؟

(د) اگر مستری چار دن صرف آدھ گھنٹے کام کرتا ہے تو متولی پر کتنا ضمان ہوگا؟

(ھ) اگر مستری چار دن بالکل غیر حاضر رہتا ہے تو متولی پر کتنا ضمان ہوگا؟

(۹) اس وقف میں ایک امام، موذن، تین اساتذہ برائے حفظ قرآن و تجوید اور دو خادم بھی اپنی خدمات ماہانہ تنخواہ پر انجام دے رہے ہیں۔ ان حضرات کو تنخواہ کے علاوہ مفت مکان، بجلی، گیس، پانی اور ۲۰ دن کی سالانہ چھٹی یا اس کے عوض تنخواہ بھی مہیا کی جاتی ہے۔ کیا ان محترم حضرات پر بھی یہی حکم نافذ ہوگا، جو آپ نے مستری کے بارے میں تحریر کئے ہیں، اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر فرق کن کن معاملات میں ہوگا؟

(۱۰) کیا ان حضرات کی اجرت میں کرایہ مکان، بجلی، گیس، پانی اور سالانہ چھٹی کی تنخواہ بھی شامل سمجھی جائے گی؟

(۱۱) کیا ان حضرات کے ۱/۶ حصہ کام میں کمی کرنے کی صورت میں بھی متولی ان کی پوری تنخواہ کا ضامن ہوگا؟

(۱۲) کیا یہ حضرات بھی کام سے زائد لی ہوئی تمام گزشتہ اجرت کے مالک ہیں اور ان پر کوئی گناہ یا ضمان نہیں؟

(۱۳) اساتذہ اکثر اپنے ذاتی دوستوں سے گفتگو کرتے ہیں، اخبار بینی میں اور ذاتی کام میں وقت خرچ کرتے

ہیں۔ اگر اس کی مقدار ۱/۶ حصہ ہو جائے تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

(۱۴) اگر موذن پانچ وقتوں میں سے ایک وقت اذان نہ دے تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

(۱۵) امام صاحب کے ذمہ پانچ وقتہ نمازوں کی امامت، روزانہ ایک درس قرآن، ایک درس حدیث اور جمعہ کی خطابت ہے۔ کن حالات میں ان کے کام میں ۱/۶ حصہ کی کمی متصور کی جائے گی اور متولی ان کے مشاہرے کا ضامن ٹھہرے گا؟

(۱۶) کیا اس کیلئے ہر نماز و ہر درس کا تناسب طے کیا جائے اگر ہاں تو مندرجہ ذیل مثالوں میں سے یا اس کے علاوہ کونسی صورت شریعت کے مطابق ہے؟

فجر	۱/۷	۱/۶	۱/۶
ظہر	۱/۷	۱/۶	۱/۱۲
عصر	۱/۷	۱/۶	۱/۱۲
مغرب	۱/۷	۱/۶	۱/۶
عشاء	۱/۷	۱/۶	۱/۶
درس قرآن	۱/۷	۱/۱۲	۱/۶
درس حدیث	۱/۷	۱/۱۲	۱/۶

(۱۷) آج کل امام و موذن کی اجرت مثل کیا ہے؟

(۱۸) متولی کی حیثیت بالمقابل امام و موذن اور اساتذہ کے کیا ہے؟ خادم یا امیر کے؟ اگر امیر کے ہے تو کیا متولی کی اطاعت ہر مباح امر میں ان حضرات پر واجب ہے۔

(۱۹) آج کل ائمہ کرام و مدرسین صاحبان عموی طور پر اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کم از کم ۱/۶ حصے تک کی تو ضرور کرتے ہیں اور منع کرنے کو اپنے وقار اور مرتبے کے خلاف سمجھتے ہیں۔ تنخواہ کاٹنا تو بہت بڑا جھگڑا مول لینا ہے ایسی صورت میں متولیان بڑی مصیبت میں ہیں اگر ضمان سے بچنے کے لئے خود مستعفی ہوتے ہیں تو مساجد پر بد عقیدہ لوگوں کے قبضہ کا ڈر ہے اور اگر ائمہ و مدرسین کو سبکدوش کرتے ہیں تو دین کا کام رک جاتا ہے اس کا کیا حل ہے؟ علمائے متقدمین کے نزدیک امامت و موذنی پر اجرت بالکل ناجائز تھی۔ لیکن علمائے متاخرین نے اس کو جائز کر دیا تاکہ دین کے کاموں میں خلل نہ پڑے کیا بالکل اسی طرح علمائے زمانہ ھذا کو ائمہ و مدرسین کی خیانتوں کو جائز نہ قرار دینا چاہیے تاکہ دین کا کام نہ رکے۔ بصورت دیگر متولیان کے لئے مستعفی ہو کر آخرت کو برباد ہونے سے بچانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

والسلام مع الاکرام، خادم شجاع الدین

الجواب:-

(۱) آپ نے پہلے مستری کے بارے میں سوالات بھیجے تھے، ان کے جوابات دے دیئے گئے تھے۔ آپ نے ان کو غور سے نہ پڑھا اور امام و مؤذن اور مدرسین کو بھی راج مستری اور مزدوروں کے زمرے میں شمار کر کے اور کچھ سوالات بھیج دیئے ان کے جواب سے پہلے دو باتیں سمجھ لیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں یہ صورت نہ تھی، جو آج کل ہے کہ آجکل اکثر لوگ دنیا کے کام میں مشغول اور دین کے کام سے غافل ہیں۔ کچھ غرباء اپنی زندگی دین کی تعلیم واشاعت افتاء اور امامت میں گزار رہے ہیں۔ اُس زمانہ خیر میں ہر مسلمان سپاہی، مفتی اور امامت کی صلاحیت بھی رکھتا تھا، جب ضرورت پڑتی تھی امامت بھی کرلیتا تھا، اس وقت امامت وغیرہ کیلئے متعین اشخاص نہ تھے۔ اور ان کے خصوصی وظائف بھی نہ تھے مال غنیمت اور خمس و فئی وغیرہ سب مسلمانوں کو تقسیم کیا جاتا تھا، ان لوگوں کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے باقاعدہ بیت المال کا نظام شروع ہوا تو مجاہدین، ائمہ، مؤذنین، قرآن کے معلمین نیز غرباء و مساکین اور خود خلیفۃ المسلمین اور ان کے معاونین و شرکاء، سب کے وظائف مقرر کئے گئے۔ اور مساجد کی کثرت ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چار ہزار مسجدیں بنوائیں اور تعلیم قرآن کیلئے بہت سے مدارس قائم کیے تو اس زمانہ میں بھی امام، مدرس اور مؤذن کو نوکر و مزدور سمجھ کر تنخواہ مقرر نہیں کی گئی بلکہ جس طرح خلیفۃ المسلمین کا وظیفہ مقرر تھا اسی طرح ان لوگوں کے وظائف مقرر تھے، جو دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔

اسکے بعد جب خلافت کا نظام ختم ہوگیا اور اس کی جگہ بادشاہت قائم ہوگئی اور بیت المال کا وہ نظام باقی نہ رہا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قائم کیا تھا اور وہ لوگ جن کو دین کی خدمت کی مشغولیت کی بناء پر دنیا کمانے کا وقت نہ ملتا تھا اس وقت بھی جو لوگ دین کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ سرمایہ دار مسلمان ان کے مصارف پورے کرنے کے لئے ان کی خدمت میں تحفے اور ہدیے پیش کیا کرتے تھے نہ وہ ان پر کسی قسم کا کوئی احسان جتاتے تھے اور نہ انہیں اپنا ملازم سمجھتے تھے۔

پھر معاشرے کی حالت اور بدلی، سرمایہ دار دین سے غافل ہو کر دنیا داری میں لگ گئے فقط غرباء میں سے کچھ علم دین حاصل کرنے لگے اور دینی خدمات یعنی امامت و مؤذنی اور تدریس کے فرائض انجام دینے لگے اب یہ صورت ہوگئی ہے کہ اگر غرباء دین کی خدمت کریں تو معاشی ضروریات کس طرح پوری کریں اور اگر وہ بھی دنیا داروں کی طرح دنیاوی کاروبار میں مصروف ہو جائیں تو یہ دینی خدمات بند ہوجائیں گی اس لئے ہمارے فقہاء نے امامت، مؤذنی اور تدریس کی خدمات انجام دینے والوں کے لئے تنخواہ مقرر کرنا جائز قرار دیا۔ اس لئے کہ اگر تنخواہ مقرر نہ کی جاتی تو یہ خدمات انجام دینے کے لئے کوئی نہ ملتا مگر اس تنخواہ مقرر کرنے میں بھی کسی فقیہ نے یہ نہ کہا کہ ان کی دینی وقعت باقی نہ رہے گی۔ عام مزدور ملازمین کی طرح ان سے برتاؤ کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ اجارہ تو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا اور ان کے منصب دینی کو بھی ملحوظ رکھا۔ مگر یہ بدقسمتی ہے کہ اوقاف کے منتظمین ان لوگوں کے ساتھ

اپنے ملازمین کا سا برتاؤ کرنے لگے اس میں غلطی ان جاہل ائمہ، موذنین اور مدرسین کی بھی ہے، جن پر حرص غالب آگئی اور انہوں نے دنیا کو اپنا مقصود بنا لیا۔

اجارہ کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی ملازمت و مزدوری کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اجیر عام

(۲) اجیر خاص

"اجیر عام" وہ ہے، جس کے لئے کسی وقت میں کسی ایک شخص کا کام کرنا ضروری نہ ہو۔ بلکہ وہ دوسرے لوگوں کا کام بھی کرے جیسے دھوبی، درزی اور حجام وغیرہ۔

اجیر خاص ایک وقت میں ایک ہی شخص کا کام کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے اجیر عام میں اجارہ کا تعلق کام سے ہے کام کرے گا تو مزدوری لے لے گا۔ اسی لئے وہ بہت سے لوگوں کے کام کر سکتا ہے اور اجیر خاص اپنے وقت کا منافع دوسرے شخص کو اجرت پر دے چکا ہے۔ لہٰذا اس وقت میں وہ دوسرے شخص کا کام نہیں لے سکتا تو اجیر عام کا اجارہ بھی کام کرنے پر ہے کام کردے گا تو مزدوری ملے گی کام نہیں کرے گا تو مزدوری بھی نہیں ملے گی اور اجیر خاص کا اجارہ وقت پر ہے وہ وقت مقرر میں اپنے نفس کو ان لوگوں کے سپرد کردے گا جنہوں نے اجارہ پر رکھا تھا اگرچہ کام نہ کیا ہو، جب بھی اجرت کا مستحق ہو جائے گا عام طور پر کتابوں میں یہ تفصیل اور تقسیم مذکور ہے۔ شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا:

الاجراء علی ضربین اجیر مشترک و اجیر خاص فالمشترک من لا یستحق الاجرۃ حتی یعمل کالصباغ و القصار

اجرت پر کام کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ اجیر مشترک اور اجیر خاص، اجیر مشترک وہ اجیر جس کے لئے کسی وقت میں ایک ہی شخص کا کام کرنا ضروری نہیں جیسے رنگ ساز اور حجام۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والاجیر الخاص الذی یستحق الاجرۃ بتسلیم نفسہ فی المدۃ و ان لم یعمل

(آخرین، کتاب الاجارات، باب ضمان الاجیر، صفحہ:۳۰۸، ۱۰، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

اور اجیر خاص مدت کے اندر محض اپنے آپ کو حوالے کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے ابھی کام نہ کیا ہو۔

اگر اس وقت مقررہ میں کسی دوسرے کا کام کرے گا تو اسی حساب سے اس کی اجرت کم ہو جائے گی راج مزدور اور امام و موذن اور معلم سب اجیر خاص ہیں اسی لئے پہلے سوال میں آپ نے یہ لکھا تھا کہ مستری چار گھنٹے کام کرتا ہے اس لئے وہ جواب دیا تھا کہ عرف عام میں راج مستری جتنی دیر کام کرتے ہیں اتنی دیر کام کرنا ہوگا

اس سے کم وقت کام کرے جتنے وقت کام نہیں کیا ہے اتنے وقت کی مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔ آپ نے امام و مؤذن اور معلم کی نماز اور اذان کی گنتی کر کے ان پر اجرت تقسیم کرنے کا حساب بتایا ہے اور سوالات کئے یہ بات ہی غلط ہے کیونکہ یہ لوگ ماہانہ تنخواہ پر ملازم ہیں ان کو مہینے بھر میں کسی اور جگہ امامت اور اذان کا کام کرنا شرائط اجارہ کے خلاف ہے ان لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ اوقات نماز میں مسجد میں حاضر رہیں اور اگر کسی وجہ سے نماز میں حاضر نہ ہوں تو کوئی عذر شرعی کی وجہ سے غیر حاضری ہو تو یہ گناہ نہیں ہے اور اگر قصداً بلا عذر خدمت انجام نہ دی تو قابل مواخذہ بھی ہے اور اجرت بھی نہیں پائیں گے یہاں حساب کرنے کے لئے وہی قاعدہ ہے جو ہم نے پہلے مسئلہ میں لکھا تھا یہاں پورے مہینے کے اوقات صلوۃ میں سے حساب کر کے اگر بقدر چھٹے حصے کے غیر حاضری ہوں گی تو پوری تنخواہ کے مستحق نہیں ہوں گے اور اگر متولی پوری تنخواہ دے گا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر چھٹے حصے سے کم غیر حاضری ہوں گی اور متولی پوری تنخواہ دے دے گا تو ضامن نہیں ہوگا امامت کے بارے میں علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

امام یترک الامامة لزیارة اقربائه فی الرساتیق اسبوعاً او نحوه او لمصیبة او لاستراحة لا باس به و مثله عفو فی العادة و الشرع

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی الغیبة التی یستحق بها العزل عن الوظیفة وما لا یستحق، صفحہ: ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کوئی امام امامت سے غیر حاضر رہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے گیا دیہاتوں میں ایک ہفتہ یا ان کے مثل یا کسی بیماری یا مصیبت کی وجہ سے امامت کو چھوڑ دیا یا آرام کے لئے تو کوئی حرج نہیں اور اتنی غیر حاضری معاف ہے شرعاً اور عرفاً۔

اس معاملہ میں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ اجارہ میں جو شرائط طے کی جائیں گی ان کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے علاوہ عرف کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔ مثلاً مزدور کو روزانہ مزدوری پر رکھا گیا تو حقیقی طور پر روز کے معنی دن ہیں اور دن سورج نکلنے سے سورج غروب ہونے تک کہلاتا ہے۔ مگر مزدوری کے عرف میں یہ پورا وقت مراد نہیں ہوتا ہے ہر ملک میں علیحدہ علیحدہ عرف ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں آٹھ گھنٹہ کام کرنے کا عرف ہے اس آٹھ گھنٹے میں بھی کھانا کھانے نماز پڑھنے یا حقہ سگریٹ پینے کے اوقات عرفاً مستثنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا جو اوقات عرفاً مستثنیٰ ہیں، ان میں کام نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ماہانہ تنخواہ پر ملازمت کرنے والوں کے اوقات میں مہینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے ہر وقت کام کریں گے۔ بلکہ جیسا عرف ہے کہ دن میں محدود وقت کام کریں گے، چھٹی کے دن کام نہیں کریں گے۔

اسی طرح امام و مؤذن کو ماہانہ تنخواہ پر مقرر کرنے میں رات دن مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اوقات نماز میں نماز پڑھانا اور اذان دینا ہے اسی لئے درس دینا یا بچوں کو پڑھانا اگر منظور ہوتا ہے تو اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

لہذا یہ مسائل جو اوقات کے بارے میں پہلے صفحہ پر لکھے گئے اس سے مقصد فقہاء کا یہ ہے کہ متولیان مسجد کو اوقاف کے اموال کو خرچ کرنے پر پابند بنایا جائے تاکہ لوگ بے جا تصرف کر کے اوقاف کے اموال ضائع نہ کریں اس لئے یہ معیار مقرر کیا تھا کہ چھٹے حصے سے کم مزدوری دے دینے سے تاوان لازم نہیں آئے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مزدور و ملازم جان بوجھ کر قصداً اتنا حصہ کام میں کمی کریں اور ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

عمارت مسجد میں یہ پابندی نہیں ہے کہ کتنی بڑی اور کیسی دیواریں اور چھت وغیرہ بنائیں شریعت میں اس کا کوئی معین نقشہ نہیں ہے، ہمارے یہاں مسجد کی پہچان کے لئے مساجد میں مینار و گنبد بنائے جاتے ہیں۔ لہذا ان کا بنانا تو تعمیر مسجد میں داخل ہے مگر نقش ونگار کرنے کا حکم تعمیر میں شامل نہیں۔

(۲) نا جائز مصارف کرنے میں اگر چیئرمین تمام ممبران سے مشورہ کر کے ان کی رضا مندی حاصل کر کے خرچ کرتا ہے تو ضمان اور گناہ میں سب شریک ہوں گے اور اگر ان کے مشورے اور رضا مندی حاصل کیے بغیر چیئرمین اپنی رائے سے خرچ کرتا ہے تو وہی ضامن ہے۔

(۳) متولی نے جتنا روپیہ نا جائز طریقہ پر خرچ کیا اتنا روپیہ وقف کے حساب میں تاوان کے نام سے رسید کاٹ کر جمع کر دے گا۔ اگر ساری رقم بیک وقت نہیں دے سکتا ہے تو اقساط میں دے لیکن جلد از جلد ادا کرے۔

(۴) مستری نے اگر بد دیانتی سے کم وقت کام کیا اور متولی نے لاعلمی کی وجہ سے پوری مزدوری دے دی تو مستری نے جتنی زیادہ مزدوری لی ہے اس کو لوٹانا ضروری ہے اگر وہ لوٹا دے گا تو اس مال کا متولی ضامن نہ ہوگا۔

(۵) جب متولی کے علم میں لا کر مستری نے کم وقت کام کیا اور متولی نے اس کو کچھ نہ کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ متولی اس کے اس کم کام کرنے پر راضی ہے اور اسی کام پر وہ اسے پوری مزدوری دے رہا ہے اس لئے متولی اس کا ضامن ہوگا۔

(۶) اگر افسروں کے سامنے یہ لوگ کام نہیں کرتے ہیں اور افسر انہیں کچھ نہیں کہتے تو افسر ذمہ دار ہوگا اور ملازم بھی گناہ گار ہیں مگر متولی اور افسر میں فرق یہ ہے کہ فیکٹریوں اور دفاتر میں کام کرنے والے اپنے افسروں کے ملازم نہیں ہیں بلکہ فیکٹریوں کے مالک یا حکومت کے ملازم ہیں افسروں کو اپنے ماتحتوں کو کام کم کرنے کی اجازت دینے کا کوئی حق نہیں ہے اگر فیکٹری کے مالک کے سامنے مزدور کم کام کرتے ہیں اور وہ جانتے کے باوجود کچھ نہیں کہتا ہے تو یہ کم وقت کام کرنے کی رضا مندی سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اوقاف میں کام کرنے والوں نے متولی سے شرائط طے کی ہیں اور ان سے کام لینے کا ذمہ دار متولی ہے اس لئے متولی ضامن ہوتا ہے۔

(۷) اوپر ہم نے بیان کر دیا کہ یہ احکام اس لئے بیان کیے گئے ہیں کہ متولی وقف کے مال کو بے جا صرف نہ کرے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مزدور و ملازم کو ۱/۶ حصہ کم کام کرنے کی اجازت دے۔

(۸) ملازم روزانہ اجرت پر ملازم ہوگا تو روزانہ کام کے اوقات کا حساب کیا جائے گا اور اگر ماہانہ تنخواہ پر مقرر

ہوگا تو پورے مہینہ کا حساب کیا جائے گا۔

(۹) امام و موذن و اساتذہ سے ملازمت کی جو شرائط طے کی جائیں ان پر عمل کیا جائے۔ عام طور پر امام و موذن کو مکان فراہم کیا جاتا ہے اور تمام سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور چھٹی بھی سالانہ مقرر کی جاتی ہے امام و موذن کے متعلق غیر حاضری کے احکام یہ ہیں جو علامہ شامی نے بیان کیے ہیں کوئی امام امامت سے غیر حاضر رہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے گیا دیہاتوں میں ایک ہفتہ یا اس کے مثل یا کسی بیماری یا مصیبت کی وجہ سے امامت سے غیر حاضر رہا یا آرام کے لئے تو کوئی حرج نہیں اور اتنی غیر حاضری معاف ہے شرعاً و عرفاً۔

(۱۰) جیسا طے ہوگا ویسا ہی عمل ہوگا۔

(۱۱) اس کا جواب نمبر ۹ میں گزر گیا۔

(۱۲) ان حضرات کی ملازمت کا حکم وہی ہے کہ اجارہ وقت پر ہے اور قصداً کام نہ کرنا ناجائز ہے اور مجبوری کی وجہ سے حکم وہی ہے، جو جواب نمبر ۹ میں لکھ دیا گیا۔

(۱۳) تدریس کا کام ایسا نہیں ہے کہ پورے اوقات کار میں مسلسل پڑھاتا رہے اور کسی سے بات بھی نہ کرے۔ یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ تمام پیریڈ کسی بھی استاد کے مشغول نہیں ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ چھٹیاں اسکولوں یا کالجوں میں اسی لئے رکھی گئی تھیں کہ درس و تدریس کا دماغی کام مسلسل نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اگر اوقات تعلیم میں کچھ وقت کسی سے گفتگو کرنے یا اخبار دیکھنے یا چائے پینے میں صرف کیا جائے اور وقت اتنا زیادہ نہ ہو کہ جس سے قصداً کام چوری کا شبہ ہو جائے، تو جائز ہے۔ اگر ان کاموں میں اتنا وقت لگتا ہے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ قصداً اوقات کار ضائع کئے جارہے ہیں، تو یہ ناجائز ہے۔ یہی وہ معیار ہے، جس کو فقہاء نے غبن فاحش شمار کیا ہے۔

(۱۴، ۱۵، ۱۶) ان کا جواب نمبر ۹ میں گزر چکا ہے۔

(۱۷) امام و موذن کی اجرت میں ہم نے پہلے وضاحت کردی، جو آپس میں طے پا جائے گا، وہی دیا جائے گا۔ ایک امام دوسرے امام کی مثل اسی طرح ایک موذن دوسرے موذن کی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ایک کی صلاحیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب امام و موذن ایک دوسرے کے مثل نہیں ہو سکتے، تو اجرت مثل بھی متعین نہیں ہو سکتی۔

(۱۸) متولی حقیقت میں خادم وقف ہے۔ جب امام و موذن یا مدرس کے ساتھ اجارہ طے پایا تو زیادہ سے زیادہ اجیر و مستاجر کا سا تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کام کے لئے اجارہ ہے۔ مثلاً نماز پڑھانا اور درس دینا اس میں متولی شرائط یا عرف کے مطابق جو حکم دے گا امام اس پر عمل کرے گا، ان افعال کے علاوہ متولی حکم دے سکتا ہے نہ امام اس کا پابند ہے۔ ہم نے شروع میں جیسا لکھا ہے کہ بیت المال سے جس طرح خلیفۃ المسلمین اپنے مصارف کے لئے روپیہ لیتے تھے اسی طرح ائمہ، موذنین اور معلمین بھی روپیہ لیتے تھے اور خلیفۃ المسلمین کے حکم سے ان لوگوں کو روپیہ ملتا تھا مگر خلیفہ یا امیر نے ان کو اپنا ملازم نہ سمجھا۔

(۱۹) ہم نے جیسا اوپر لکھا کہ ان احکام کا مقصد یہ نہیں ہے کہ امام و مؤذن اور معلمین قصداً ۶/۱ کام کم کریں یہ احکام صرف اوقاف کے مال کو محفوظ رکھنے کے لئے متولیوں کو دیئے گئے تھے۔ امام و مؤذن یا ملازم کے لئے یہ جائز نہیں کہ جان بوجھ کر وہ نماز نہ پڑھائے، اذان نہ دے، اپنا کام نہ کرے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ گناہ گار ہوں گے اور متولی کو ان سے پابندی کا مطالبہ کرنا صحیح ہے، جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا۔

ائمہ و مؤذن وغیرہ کی تنخواہیں متاخرین فقہاء نے جائز کیں آج کل علماء و مجتہدین فقہ کے احکام میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ آج کل مفتی کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ فقہ کی مستند کتابوں سے فقہاء کے راجح اقوال کو نقل کر دے۔

قبرستان میں چھت بنا کر مسجد کا درجہ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

مظفر آباد شہر جو کہ آزاد کشمیر کا "دار الخلافہ" ہے۔ اس میں ایک مرکزی جامع مسجد "حمام والی" کے نام سے بنی ہوئی ہے اس مسجد میں نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز جمعہ بھی ادا کرتے ہیں۔ نمازی حضرات کی تعداد کے پیش نظر جو دن بدن بڑھتی جا رہی ہے مسجد شریف کی توسیع ضروری ہو گئی ہے۔ لیکن آس پاس کی جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے توسیع مشکل ہے سوائے یہ کہ اس مسجد کے صحن کے ساتھ قبرستان ہے اور انتظامیہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے مالکان کی رضا مندی سے قبرستان پر تقریباً دس فٹ اونچی چھت ڈالی جائے، جس سے مسجد میں وسعت ہو جائے گی چونکہ معاملہ قبرستان کا ہے اس لئے شرعی لحاظ سے اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا اس چھت پر جس کے تقریباً دس فٹ نیچے قبرستان ہو اس پر نماز کی ادائیگی جائز ہے یا نہیں؟

والسلام: خواجہ محمد، صدر انتظامیہ کمیٹی

الجواب:-

اگر یہ قبرستان وقف شدہ ہے تو اس پر مسجد کو توسیع دینا جائز نہیں اور اگر قبرستان کسی کی شخصی ملکیت ہے تو اس کی اجازت سے اس طرح مسجد کی توسیع کی جا سکتی ہے کہ کوئی ستون قبر پر نہ بنایا جائے قبروں کے درمیان خالی جگہ پر ستون بنائے جائیں اور چھت قبروں سے جدا ہو اگرچہ ایک فٹ یا آدھا فٹ ہو اس چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

قبریں مسمار کر کے مسجد بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

اگر کسی مسجد کے ارد گرد یا مسجد کے صحن کے متصل قبریں ہوں اور مسجد کی توسیع مقصود ہو تو ایسی صورت میں مسجد کی توسیع ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ جبکہ اگر ستون کھڑے کئے جائیں تو کچھ قبریں کھدیں گی ۔ مدلل جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں ۔

سائل : قاری احمد نواز الحسنی ، خطیب مسجد معصوم شاہ بخاری ، کھارادر ، کراچی

الجواب:-

قبر پر بیٹھنا ، قدم رکھنا نا جائز ہے ۔ قبر کی جانب نماز پڑھنا ، قبر پر نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے ۔ اور مسلمانوں کی قبر کو خواہ وہ کتنی ہی پرانی ہو جائے کھودنا بھی نا جائز ہے ۔ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا کہ اگر نئی میت دفن کرنے کے لئے کسی ایسی جگہ پر قبر کھودی گئی ، جہاں قبر کے نشانات تو نہ تھے اور پرانی قبر ہونے کا علم بھی نہ تھا اس میں سے مردے کی ہڈیاں نکل آئیں تو ان کو وہیں دفن کر کے قبر کو بند کر دیا جائے ۔ نئی میت وہاں پر دفن نہیں کی جائے گی لہذا اس طرح سے مسجد کی توسیع کرنا نا جائز ہے ۔ قبروں پر دیوار یا ستون آ جائے یا قبروں پر نماز پڑھنا پڑے یا لوگ ان پر سے گزریں یا قبروں کے سامنے نمازی کو کھڑا ہونا پڑے ان سب صورتوں میں مسجد کی توسیع نا جائز ہے ۔ ہاں قبر کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے تو پھر یہ کر سکتے ہیں کہ قبروں کے اوپر اس طرح چھت بنائیں کہ اندر جگہ خالی رہے اور اس چھت کے اوپر مسجد کا صحن کر دیں تو توسیع جائز ہو جائے گی ۔

مسجد کی نئی تعمیر میں نیچے دکانیں بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر ایک جگہ پہلے مسجد بنی ہوئی تھی پھر اس کو شہید کر کے اگر دوبارہ بنانا چاہیں تو نیچے دوکانیں اور اوپر مسجد وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں وضاحت فرمائیں ۔

سائلین : اراکین مسجد کمیٹی ، مدینہ مسجد ، حیدر آباد

الجواب:-

جس جگہ پہلے مسجد بن چکی اب اس میں سے ایک انچ بھی دوسرے مصرف میں نہیں لائی جاسکتی ۔ لہذا جس جگہ اب مسجد ہے اس میں کمی نہ کی جائے البتہ اضافہ کیا جاسکتا ہے اور مسجد کی جگہ میں کوئی دوکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع

(برحاشیہ شامی ، جلد (۳) کتاب الوقف ، مطلب فی احکام المسجد ، صفحہ : ۴۰۶ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اگر کسی مسجد کی مسجدیت پوری ہو جائے پھر عمارت بنانا چاہے تو روک دیا جائے گا ۔

مسجد کے محراب پر کسی کے مکان کا چھجہ ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر مسجد کے محراب پر کسی بلڈنگ یا عمارت کا چھجہ آ جائے یا اسے راستہ بنا دیا جائے ، تو اسکے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:-

کسی شخص کو دوسرے کی زمین پر چھجہ لگانا نہ شرعاً جائز ہے نہ قانوناً ۔ اور مسجد کی زمین پر تو بطریقہ اولیٰ ناجائز و حرام ہے ۔ جتنی جگہ پر مسجد تعمیر ہے اس کی محاذات میں آسمان تک اور تحت الثریٰ تک سب مسجد ہے ۔ تو محراب پر چھجہ لگانا مسجد میں چھجہ لگانا ہے ۔ لہذا یہ سب بھی ناجائز ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی جگہ وضو خانہ تعمیر کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مسجد میں وضو کی جگہ پہلے عارضی طور پر تھی اور وہ جو عارضی جگہ ہے خراب ہے ۔ جب وضو کرتے ہیں تو وضو کرنے والے کے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں اور اس وضو کا پانی ایک آدمی کے مکان میں جاتا ہے اور وہ بھی ناراض ہوتا ہے ۔ اب اسی مسجد میں پہلے بھی ایک جگہ تھی اس کو مسجد میں شامل کر دیا اور یہ بولا کہ جس

وقت ہمارے پاس پیسے اور ٹائم ہوا تو یہاں وضو خانہ بنائیں گے اور اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جگہ مسجد میں شامل ہوگئی ہے۔ لہٰذا یہاں وضو خانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں کہ اس جگہ پر وضو خانہ بنانا کیسا ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

المستفتی: محمد حبیب اللہ ہزاروی، سبزی منڈی، کراچی

الجواب:-

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہوگئی۔ اور اس جگہ میں سے ایک انچ جگہ بھی کم کر کے کسی دوسرے مصرف میں نہیں لگائی جاسکتی ہے۔ تو صورت مسئولہ میں پہلے ہی یہ پروگرام تھا کہ یہاں حوض بنائیں گے، یہاں وضو کی جگہ بنائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ جب تو اس جگہ پر وضو خانہ بنا سکتے ہیں۔ اگر چہ عارضی طور پر وہاں نماز پڑھی جاتی رہی ہو۔ لیکن اگر پہلے یہ پروگرام نہ تھا اور اس پوری جگہ کو مسجد بنا لیا گیا تھا۔ اب پڑوسی کی شکایت کی وجہ سے یہاں وضو کی جگہ بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کے پلاٹ سے گلی دینا

الاستفتاء:-

مسجد کے پلاٹ سے گلی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

مسجد کے نام جو پلاٹ لیا گیا اور اس پر چہار دیواری بھی بنا کر اس کا احاطہ کیا گیا تو اب اس میں سے مسجد کے کاموں کے علاوہ دوسرے کسی کام کے لئے جگہ کم نہیں کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ گلی بنانا جائز نہیں ہے۔

مسجد کے وضو خانہ کی چھت مالکانہ حقوق پر دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک مسجد کی توسیع کرنی ہے۔ مسجد کی پہلی منزل جہاں نماز ہوتی ہے اسکے بالکل نیچے وضو خانہ ہے۔ مسجد کی ملحقہ عمارت کو انتظامیہ نے مسجد کی توسیع کے لئے خرید لیا ہے۔ اس عمارت کی دکانوں میں ایک ٹرول ایجنسی ہے اور ٹرول ایجنٹ کا رہائشی فلیٹ اسی عمارت میں ہے۔ موصوف اپنا فلیٹ اس شرط پر خالی کرنے کے لئے تیار ہیں کہ انھیں مسجد کے وضو خانے کی چھت مالکانہ حقوق پر دے دی جائے تاکہ لوگ وہ وہاں اپنی ٹرول ایجنسی چلا سکے آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

مسجد اور فناءِ مسجد اور مسجد کے لئے جو مکان یا زمین بعد کو خریدی جائے وہ سب وقف ہوتی ہے۔ اور وقف کی تعریف ہی ہے کہ کوئی بندہ اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کمیٹی کو یہ اختیار ہے کہ وقف کی کوئی چیز کسی کو مالک بنا کر دے دے بلکہ عاریتاً (ادھار) بھی نہیں دے سکتے۔ لہٰذا کسی کرایہ دار کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مسجد کی زمین کسی کو مالکانہ حقوق پر دے دے۔ پگڑی پر دوکان، مکان لینا حرام ہے اور پگڑی پر لینے والا مالک نہیں ہوتا کرایہ دار ہوتا ہے۔ کرایہ دار کو زیادہ لمبی مدت کے لئے وقف کے مکان و دکان دینا ہی جائز نہیں اور جب مسجد کی توسیع کے لئے ضرورت ہو اور مسجد نے پگڑی پر دیا نہیں ہے تو کرایہ دار کو خالی کرنا ہوگا، جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

قادیانیوں کو مسجد بنانے کی اجازت دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

لاہور کے ایک جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ غیر مسلم قادیانی مسجد کے نام سے اپنی عبادت گاہ تعمیر کر سکتے ہیں اور اس میں اذان و اقامت اور جماعت اسلامی طور پر ادا کر سکتے ہیں۔ اس فیصلے کی کاپی سوال کے ساتھ منسلک ہے کیا یہ فیصلہ شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے؟

المستفتی: محمد شریف جالندھری

الجواب:-

صورت مسئولہ میں لفظ مسجد اصطلاحاً مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ اور قرآن کریم میں مسجد اور مسجد کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ایمان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ دیگر عبادت گاہوں صوامع وغیرہ کو غیر مسلم کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی غیر مسلم کو اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد دینا صراحتاً قرآن

کریم اور حدیث پاک اور مسلمہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے ۔

قادیانی مرتد ہیں اور مرتد کا وقف ، وقف نہیں ہے ۔ اور مسجد وقف ہوتی ہے ۔ اس لئے مرتد ہونے کی بنا پر قادیانی اپنے وقف کا اسلامی نام رکھنے کے مجاز نہیں ہیں ۔ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں لکھا :

الحادي عشر ان يكون للواقف ملة فلا يصح وقف المرتد ان قتل او مات على ردته و ان اسلم صح و يبطل وقف المسلم ان ارتد

(جلد (۵) کتاب الوقف، صفحہ: ۱۸۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی وقف کی (شرائط میں سے) گیارھویں شرط یہ ہے کہ وقف کرنے والا کسی دین سماوی کا ماننے والا ہو ۔ لہٰذا مرتد کا وقف صحیح نہیں ہے اگر اسے قتل کر دیا جائے یا ارتداد کی حالت میں مرجائے ۔ اور اگر اسلام لے آئے تو وقف صحیح ہے اور مسلمان کا وقف باطل ہو جاتا ہے اگر وہ مرتد ہو جائے ۔

بحرالرائق کی عبارت مذکورہ کا خلاصہ یہی ہے کہ مرتد کا وقف درست نہیں اور عبادت گاہ وقف ہوتی ہے ۔ لہٰذا جب اس کا وقف ، وقف نہیں تو پھر اس وقف کا مسجد ہونا تو درکنار عبادت گاہ ہونا ہی درست نہیں ۔ رہا عدالتی فیصلہ تو شریعت مطہرہ کی رو سے اس کی حیثیت شرعی فیصلہ کی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ شریعت مطہرہ کے اصول کے مطابق اس کی حیثیت اصول دین میں مقید نہیں ۔ علاوہ ازیں اگر غیر مسلم اور مرتد اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھیں تو مسلمانوں کا شعار مذہبی مجروح ہوگا اور اس میں وہی لوگ عبادت کریں گے ۔ اس عبادت کو عام مومنین نماز قرار دیں گے حالانکہ ایمان کے بغیر کوئی عبادت ، عبادت نہیں ہے اور نہ اس کو نماز کہنا درست ہے ۔

مسجد کی نچلی منزل پر مسافر خانہ بنوانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان متین اس مسئلے میں کہ :

موضع پتھر گلی کلنگ میں ایک قدیم جدی پشتی مسجد ہے ۔ جو کہ بوسیدہ ہو گئی تھی ۔ اور از سرِ نو تعمیر کی گئی ہے ۔ اس کے نیچے مسافر خانہ بنایا گیا ہے اور اوپر نمازیں پڑھی جاتی ہیں ۔ آیا دین اسلام میں مسجد کے نیچے مسافر خانہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ اس طرح قیامت تک مسجد ہو جاتی ہے کہ اوپر عرش تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد ہے۔ اس میں ایک انچ جگہ کم نہیں کی جاسکتی نہ اس جگہ میں نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مسافر خانہ بنانا حرام ہے، اس کو فوراً مسجد میں تبدیل کر دیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اہل محلہ کو تکلیف میں ڈال کر مسجد بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایسی مسجد جو مسلمانوں کے عام راستے کو تنگ کر کے بنائی جا رہی ہے، جس کی تعمیر میں اہل محلہ کی اکثریت ناخوش ہے اور کم جگہ کی وجہ سے مسجد کئی منزلہ تعمیر کی جا رہی ہے، جس کی اوپر کی منزلوں میں اطراف میں بڑی بڑی کھڑکیاں رکھی جا رہی ہیں، جن سے مسجد کے چاروں اطراف میں پڑوس میں دور دور تک بے پردگی ہوگی۔ تعمیر کے سلسلے میں کسی قانونی تقاضے کو پورا نہ کیا گیا نیز اس مسجد کے ۱۰۰ گز کے فاصلے پر بہت بڑی جامع مسجد موجود ہے۔ آیا ایسی جگہ مسجد تعمیر کرنا شرعی نقطہ نظر سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائلین: امیر عالم شاہ ہمدانی، زرحسان نیازی،

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(سورۃ (۹) التوبۃ، آیت: ۱۰۷)

اور وہ جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھیج کر اس مسجد ضرار کو منہدم کروا کے جلوا دیا۔ اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کا حکم دیا۔

جب اس محلے میں پہلے سے جامع مسجد موجود ہے اور اس نئی مسجد اور پرانی مسجد کے درمیان زیادہ فاصلہ

بھی نہیں ہے تو بظاہر یہ نئی مسجد بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسجد محض تفریق بین المسلمین کی بنیاد پر بنائی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس نئی مسجد کا حکم مسجد ضرار کا ہے۔ دوسرا یہ کہ مسجد قریب ہوتے ہوئے بغیر الاٹمنٹ کسی زمین پر مسجد بنانا ناجائز ہے۔ اس کو مسجد کہنا بھی غلط ہے۔ اور غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے۔ اور مزید یہ کہ راستہ کو مسجد میں شامل کر کے اس کو تنگ کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

اور احادیث میں پڑوسیوں کے حقوق جو بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چند بیان کیے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، عرض کی گئی کون یا رسول اللہ؟ فرمایا وہ شخص کہ اس کے پڑوسی اس کی تکلیف سے محفوظ نہ ہوں"۔

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہٗ بوائقہٗ، صفحہ:۸۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ایک اور حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" وہ جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کی آفتوں سے امن میں نہ ہو"۔

مزید ایک حدیث میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

" ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ مجھے یہ کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کیا یا برا کیا؟ فرمایا جب تم اپنے پڑوسیوں سے یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے اچھا کیا تو بے شک تم نے اچھا کیا اور جب یہ کہتے سنو کہ تم نے برا کیا تو بے شک برا کیا"۔

لہٰذا درمیان محلہ جہاں دائیں بائیں مکان بنے ہوئے ہیں۔ انکے درمیان کئی منزلہ ایسی مسجد بنانا کہ جس کی چھت پر چڑھنے سے اور بڑی بڑی کھڑکیاں لگانا، جن سے بے پردگی ہو۔ پڑوسیوں کو ایذا دینے والوں کے لئے جو وعیدیں ہیں وہ اس عمارت بنانے والوں پر بھی صادق آتی ہیں۔ لہٰذا اہل محلہ کو چاہیے کہ وہ اس عمارت کو منہدم کروانے کے لئے گورنمنٹ سے رجوع کریں۔

مسجد کی خالی جگہ پر کوئی جائز کام کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد کے متصل بچی ہوئی جگہ پر کوئی جائز تقریب کرنا جیسے شادی اور عقیقہ وغیرہ کی تقریب اور اس جگہ کو تقریبات کے انعقاد کے لئے مخصوص کر دینا کیسا ہے ؟ جبکہ مسجد کی کمیٹی اس جگہ پر کچھ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ۔ براہ کرام آپ وضاحت فرمائیں ۔

سائل : شکیل ہاشمی

الجواب :-

مسجد کی جگہ کا اگر یہ مطلب ہے کہ مسجد بنانے کے لئے خالی پڑی ہے تو اس جگہ میں مسلمان کوئی بھی جائز کام کر سکتے ہیں ۔ اگر خالی جگہ کا یہ مطلب ہے کہ مسجد بنانے کے بعد اس سے متصل خالی جگہ ہے ۔ جس کو فنائے مسجد کہتے ہیں ۔ تو اس میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ جبکہ گانا ، باجا اور فوٹو گرافی جیسے ناجائز کام نہ ہوں ۔ اور نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد کرنا تو مستحب ہے ۔ مگر آج کل عقیقہ ، شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں جو ہنگامے ہوتے ہیں یہ فنائے مسجد میں جائز نہیں ہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

پرانی جگہ چھوڑ کر نئی جگہ مسجد بنانا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ :

گاؤں میں عرصہ دراز سے ایک مسجد آباد ہے ۔ علاقہ پہاڑی ہے ۔ مسجد کا محل وقوع کچھ یوں ہے کہ ایک طرف رہائشی مکان اور دوسری طرف قبرستان ہے ۔ باقی جگہ بھی اونچی نیچی ہے ۔ گاؤں کے لوگ چاہتے ہیں کہ مسجد نئی جگہ بنائی جائے ۔ پرانی مسجد کی توسیع ممکن نہیں تو کیا نئی جگہ پر مسجد کی تعمیر جائز ہے ؟ جبکہ آبادی کم ہونے کی وجہ سے ایک ہی مسجد آباد ہو سکتی ہے ۔

سائل : واجد نثار احمد ، مظفر آباد

الجواب :-

جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہو گئی ۔ اس کے اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثری تک یعنی (زمین کے نیچے تک)۔ لہٰذا پرانی مسجد کو باقی رکھا جائے گا اور اسے ویران نہیں کیا جائے گا ۔ پرانی مسجد کو ویران کرنا اللہ تعالیٰ کی اس وعید میں داخل ہے :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

(سورة (٢) ، البقرة ، آیت : ١١٤)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ؟ جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی بربادی میں کوشش کرے۔

بڑی مسجد بنانے کے لئے چھوٹی مسجد شہید کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

ہاشوانی ہوٹل لمیٹڈ نے بغرض تعمیر " ہالی ڈے ان ہوٹل " سرکاری زمین کا ایک قطعہ حکومت سے خریدا ، جس پر سرکاری دفاتر اور ملازمین کی کچھ عارضی رہائش گاہیں تعمیر تھی ۔ اور ملازمین قطعہ کے ایک حصہ پر ایک چھوٹی سی مسجد بنا کر نماز ادا کرتے تھے ۔

اب جبکہ ہوٹل (ہالی ڈے ان) تقریباً مکمل ہو چکا ہے ، قطعہ مذکورہ پر حکومت کے احکام کے مطابق ہوٹل میں مسجد کا ہونا ضروری ہے ۔ چنانچہ ہوٹل کی انتظامیہ ایک وسیع اور خوب صورت مسجد بنوانا چاہتی ہے ۔ چھوٹی مسجد سے متصل اسی پلاٹ پر تعمیر ہوگی اور متبادل مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد چھوٹی مسجد کو شہید کرنا چاہتے ہیں ۔ لہٰذا اس کے انہدام میں شریعت کی رو سے کوئی قباحت تو نہیں ہے ۔ وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں ۔

سائل : اکبر علی ہاشوانی ، ڈائریکٹر ہاشوانی ہوٹل لمیٹڈ ، کراچی

الجواب:-

ہوٹل کے لئے اس پلاٹ کو خریدنے سے پہلے وہاں جن مسلمانوں کے کوارٹر وغیرہ تھے ، انہوں نے جس زمین پر مسجد بنائی تھی زمین پر جو کسی شخصی ملکیت میں نہ تھی بلکہ حکومت کی ملکیت تھی ۔ اور ایسی زمین پر جو کسی کی شخصی ملکیت میں نہ ہو وہاں کے رہنے والے مسلمان اگر مسجد بنالیں تو اس کے احکام مسجد ہی کے ہو جاتے ہیں ۔ اور جو جگہ مسجد بن جاتی ہے اس جگہ پر تا قیامت کوئی دوسری عمارت نہیں بنائی جا سکتی ہے ۔ اس لئے ہوٹل کی انتظامیہ پر لازم ہے کہ وہ نئی مسجد اس طرح تعمیر کریں کہ پرانی مسجد پوری اس کے اندر آ جائے ۔ اور اس کا کوئی حصہ نئی مسجد سے باہر نہ ہو ۔ پرانی مسجد سے بڑھا کر اور زمین شامل مسجد کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کس صورت میں شہید کی جاسکتی ہے ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ :

منوڑہ میں واقع مسجد اویس قرنی جو عرصہ دراز سے قائم ہے ۔ اسکی عمارت بوسیدہ ہو چکی ہے ، مسجد قابل تعمیر ہے ۔ کیا اس کی موجودہ تعمیر ختم کر کے دوسری مسجد اسی جگہ بنا سکتے ہیں یا نہیں ؟ یا اس مسجد کو کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی : تنظیم اہل محلہ ، منوڑہ

الجواب:-

اسی جگہ مسجد گرا کر دوبارہ تعمیر کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ جب عمارت پرانی ہو کر قابل تعمیر ہو یا نمازیوں کے لئے تنگ ہو یا دو منزلہ بنانا ہو اس لئے کہ بنیادوں کو مضبوط کرنا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محراب مسجد اور منزلوں کو کم کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) توسیع شدہ مسجد کے گراؤنڈ فلور کی لمبائی دوکانوں کی وجہ سے اوپر والی منزلوں کی لمبائی سے کم ہے ۔ بتایا جائے کہ محراب جو کہ مسجد کے وسط میں ہوتا ہے گراؤنڈ فلور کی لمبائی کے حساب سے ہر منزل پر بنائی جائے یا ہر منزل پر اس کی لمبائی کے حساب سے وسط میں بنائی جائے ۔ برائے کرم ان مسائل کا جلد جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں ۔ بینوا و توجروا

(۲) نئی مسجد کی تعمیر میں منزلوں کو کم کر دیا جائے تو اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے ؟

المستفتی : محمد یوسف قادری ، نور مسجد ، کاغذی بازار ، کراچی

الجواب:-

(۱) امام کا درمیان مسجد میں کھڑا ہونا سنت ہے ۔ شریعت میں اسی درمیانی حصہ کی جگہ کو محراب کہتے

ہیں۔ اس درمیان کو ظاہر کرنے کے لئے یہ طاق کی شکل بنا دی جاتی ہے جسے محراب کہتے ہیں. جس منزل میں امام کھڑا ہوگا وہاں کے درمیان کے مقام کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہذا ہر منزل میں اس کی درمیانی جگہ دیکھ کر محراب بنائی جائے۔

(۲) منزلوں کی تعداد کم وبیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عارضی مسجد کا حکم

الاستفتاء:-

علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ:

گورنمنٹ کا ایک پلاٹ مسجد کے لئے الاٹ شدہ ہے، جس میں نماز نماز ہوتی رہی اور بعد میں اس سے ہٹ کر عارضی طور پر دوسری جگہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنائی۔ اب نقشہ بنانے کے بعد نئی مسجد تعمیر ہو گئی ہے۔ پرانی جگہ پر مدرسہ و لائبریری دینی کتب کی تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: عبد الحمید شافعی، خطیب نورانی جامع مسجد، کراچی

الجواب:-

جب کوئی پلاٹ مسجد کے لئے الاٹ ہوتا ہے تو عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ کسی جگہ عارضی مسجد بنائی جاتی ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ نقشہ وغیرہ بنا کر اس کے مطابق مسجد بعد میں تعمیر کی جائے گی۔ اور یہ عارضی مسجد توڑ دی جائے گی۔ اس صورت میں عارضی مسجد، مسجد نہیں ہوتی۔ لہذا اس جگہ پر ملحقات مسجد یعنی امام اور موذن کے مکانات، مدرسہ و دینی لائبریری بنائی جا سکتی ہے۔ اور اگر پہلی مسجد بناتے وقت یہ قصد نہ تھا بلکہ وہ مستقل مسجد بنائی تھی اس کے بعد مسجد کی توسیع کے قصد سے پہلی مسجد سے علیحدہ عمارت بنائی۔ تو پہلی مسجد کو بھی اس میں شامل کرنا ہوگا اور اس جگہ پر مسجد کے علاوہ کوئی دوسری عمارت نہیں بنائی جا سکتی۔

گھر میں مسجد بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے متعلق کہ:

ایک صاحب مکان نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں اپنے نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنائی اور یہ جگہ مسجد کے لئے وقف نہیں کی۔ اور نہ ہی جگہ وغیرہ خریدتے وقت مسجد کے بنانے کی نیت تھی۔ اب دس سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے کہ اس کے ایک دروازہ کے باہر کھلنے کی وجہ سے بیرونی لوگ بھی یہاں نماز پڑھنے لگے۔ پھر اس میں جمعہ بھی شروع کر دیا گیا۔ پنج وقتہ نماز اور جمعہ پابندی سے ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن اب یہ مسجد نمازیوں کے لئے کافی نہیں اور اس کی توسیع کی کوئی صورت نہیں اس کے متبادل صاحب مکان کی اور زمین بھی ہے جو کہ اس سے اچھی اور کشادہ بھی ہے۔ اس زمین اور مسجد مذکورہ کے درمیان بازار کی سڑک گزر رہی ہے۔ صاحب مکان کا خیال ہے کہ اگر شریعت اجازت دے تو مسجد مذکور کو مکان میں شامل کر لیا جائے۔ اور اس کے متبادل دوسری جگہ پر کشادہ اور بہترین مسجد تعمیر کر دی جائے جو کہ نمازیوں کے لئے کافی بھی ہو جائے۔

سائل: غلام الدین، آزاد کشمیر

الجواب:-

گھر میں بھی مسجد بنا کر جب لوگوں کو نماز پڑھنے کی عام طور پر اجازت دے دی جاتی ہے اور اس کا راستہ بھی علیحدہ کر دیا جائے تو یہ وقف شدہ مسجد ہو جاتی ہے۔ صاحب عالمگیری ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا:

فلو جعل وسط داره مسجداً و اذن للناس فی الدخول و الصلوٰة فیه ان شرط معه الطریق صار مسجداً

(جلد (۲) کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، صفحہ: ۴۵۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

پس اگر کسی شخص نے اپنے وسط گھر کو مسجد بنا دیا اور لوگوں کو داخلے اور اس میں نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے دی تو اگر اس کا راستہ علیحدہ سے ہے تو وہ مسجد ہو جائے گی۔

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جاتی ہے وہ تا قیامت مسجد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس مسجد کو نہ بند کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔

غیر الاٹ جگہ کو مسجد میں شامل کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسجد سے ملحق ایک عوامی گلی تھی۔ اور عوام نے ہی متفقہ طور پر اسے مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ

کیا۔ گلی جس زمین پر بنی ہوئی تھی وہ غیر الاٹ شدہ ہے اور کسی شخص کی ملکیت میں نہیں ہے۔ اسے مسجد میں شامل کر لینے سے مسجد کشادہ ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس گلی والی زمین کو مسجد میں شامل کرنا کیسا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیں۔

سائل: ممتاز حسین انصاری

الجواب:-

جب کسی جگہ مسلمانوں کی آبادی ہو تو انہیں مسجد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ زمین کے مالک سے اجازت لے کر مسجد بنائے جائے۔ مگر جب پوری آبادی انخرائز ہے اور مسجد بھی اس طرح بنائی گئی تو یہ مسجد ہو گئی۔ اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جب تنگ ہو گئی تو اس کی توسیع کی جائے گی۔ گلی جس نے بنائی تھی اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہو اور پانی کے نکلے لگنے کی وجہ سے اہل محلہ کو بھی اس گلی کی ضرورت نہیں ہے تو اسکو مسجد میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غیر الاٹ مسجد کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک مسجد لیاقت آباد، کراچی میں عرصہ ۲۰ سال سے قائم ہے۔ جس میں برابر نماز ہو رہی ہے۔ لیکن اس کا الاٹمنٹ نہیں ہوا ہے۔ اس صورت میں اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

مسلمان کسی بھی جگہ مسجد بنالیں تو وہ مسجد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب بیس سال سے مسجد بنی ہوئی ہے اور لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ مسجد ہو چکی ہے۔ وہ توڑی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا اب اسے الاٹ کرالیں۔ کراچی کی اکثر مساجد اسی طرح سے بنی ہوئی ہیں۔

کسی کی اراضی پر مسجد تعمیر کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

کسی کی زمین میں مسجد تعمیر کی گئی - آیا وہ مالک زمین اس مسجد کو منہدم کر سکتا ہے یا نہیں ؟ جبکہ اس شخص نے خود اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی ہوئی ہے - مگر چند آدمیوں نے مل کر دوسری جگہ مسجد بنانا شروع کر دی ہے - اب اس مسجد کا حکم از روئے شرع کیا ہوگا ؟ مفصل تحریر فرمائیں -

سائل : عبد الحلیم ، متعلم ، دار العلوم امجدیہ

الجواب:-

کسی شخص کا اپنی شخصی ملکیت میں مسجد بنانا جائز ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص بنالے تو وہ مسجد نہ ہوگی اس کے توڑ دینے کا مالک کو اختیار ہے اس لئے کہ مسجد وقف ہے اور وقف مالک ہی کر سکتا ہے - علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے شامی میں لکھا :

ذکر فی البحران مفاد کلام الحاوی اشتراط کون ارض المسجد ملکا للبانی

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب اذا وقف کل نصف علی حدۃ صارا وقفین، صفحہ ۴۰۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بحر میں ذکر کیا حاوی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسجد بنانے والے کا اس زمین کا مالک ہونا شرط ہے -

بغیر اجازت مالک کسی کی زمین پر قبضہ کرنا غصب کرنا ہے - اور فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ غصب کی ہوئی زمین پر نماز مکروہ ہے - لہٰذا ایسی مسجد جو مالک کی اجازت کے بغیر بنائی گئی ہو ، اس میں تو نماز پڑھنا ہی مکروہ ہے -

واللہ تعالیٰ اعلم

کسی کی ذاتی ملکیت پر زبردستی مسجد بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

میں مسمی صابر حسین ولد محمد جان ساکن E-304 کورنگی ، کراچی ! نے ایک پلاٹ A-112 سیکٹر بی ، کورنگی رقبہ ۶۰ گز اس کی الاٹی محترمہ شیریں رشید زوجہ مبارک علی ساکنہ ۲۰۰ بلاک L - 1 پی ای سی ایچ ایس سے خرید کر مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۸۹ء کو کے ڈی اے سے اپنے نام ٹرانسفر کرایا - یہ پلاٹ ایک رہائشی پلاٹ ہے جو ایک

مسجد کے نزدیک واقع ہے ۔ مسجد اور پلاٹ کے درمیان ایک ۱۲ فٹ کی گلی ہے ۔ یہ پلاٹ میرے نام منتقل ہو جانے کے بعد مسجد کمیٹی اور اس کی انتظامیہ کے ارکان نے گلی کی سمت واقع مسجد کی دیوار کو شہید کر کے اور میرے پلاٹ پر زبردستی قبضہ کر لیا ۔ مسجد کمیٹی اور انتظامیہ کا یہ اقدام از روئے شرع کیا حیثیت رکھتا ہے ؟ اس کے مطابق فتوی جاری فرمایا جائے ۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح اور درست ہے ، اس میں کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی گئی ہے ۔

سائل : صابر حسین

الجواب:-

کسی زمین پر اسکے مالک کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے ۔ اور مسجد جو وقف ہوتی ہے وہ بغیر اجازت مالک کے بنانا صحیح نہیں ہے ۔ بلکہ وہ غصب شدہ زمین ہے ۔ فقہ حنفی میں غصب شدہ زمین پر نماز مکروہ ہے ۔ لہٰذا اس جگہ پر نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہوگا ۔ جن لوگوں نے اس زمین پر زبردستی قبضہ کیا ہے ، ان کے لئے حدیث میں سخت وعید ہے ۔ مسلم شریف میں متعدد سندوں کے ساتھ عمر بن نفیل روایت کرتے ہیں

انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یقول من اخذ شبرا من الارض بغیر حق طوقہ فی سبع ارضین یوم القیامۃ

(جلد(۲) کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب تحریم الظلم و غصب الارض و غیرھا، صفحہ: ۳۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص ناحق طریقہ پر کسی شخص کی زمین میں سے ایک بالشت لے گا قیامت کے دن ساتوں طبقوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا ۔
لہٰذا مسجد کمیٹی کو یہ زمین فوراً واپس کر دینی چاہیے ۔

سرائے میں نماز کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک سرائے یعنی مسافر خانے میں مالک مسافر خانہ نے مسجد نہیں بنوائی تھی بلکہ وہاں کے مسافر نمازیوں نے اپنی سہولت کے لئے ایک چھوٹی سے چار دیواری بنا کر مسجد کی شکل بنا لی تھی اور وہاں نماز پڑھنے لگے ۔ مالک سرائے نے بھی ان کو وہاں نماز پڑھنے سے نہ روکا ۔ اب اس سرائے کے نزدیک سو قدم پر ایک جامع مسجد بھی

ہے۔ اور اس سرائے کو اب مڈل اسکول میں تبدیل کر دیا ہے۔ کیا اب وہ چھوٹی سی مسجد کو اس شکل میں چھوڑ دیں گے یا اس کو شہید کر دیں گے؟ آیا وہ مسجد، مسجد کے حکم میں نہیں ہے؟ برائے مہربانی اس مسئلے کو دلائل کے ساتھ واضح کریں۔

سائل: عبد الغفور نقشبندی، خطیب جامع مسجد جھٹ پٹ، بلوچستان

الجواب:-

مسجد ہونے کے لئے اولین شرط تو یہ ہے کہ مالک زمین مسجد بنانے اور لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اور زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے یہ مسجد بنا دی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط بھی لگائی کہ اذان و اقامت کے ساتھ اس میں امام مقرر باجماعت نماز پڑھانے لگے تو مسجد ہوگی۔ اور اگر مالک زمین ہی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنادی اور لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو اگر مسجد کا راستہ بالکل علیحدہ کر دیا جب تو یہ مسجد ہو جائے گی۔ اور اگر راستہ وہی رہا جو گھر میں آنے کا تھا تو مسجد نہ ہوگی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

و يزول ملكه عن المسجد و المصلى بالفعل و بقوله جعلته مسجداً عند الثانی و شرط محمد و الامام الصلوة فيه بجماعة

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب لو کان فی القسمة، صفحہ: ۵۴۴،۰۰۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عملاً نماز پڑھنے سے یا مالک کے اس قول کے ساتھ کہ میں نے اسے مسجد بنایا اسکی ملکیت ختم ہو جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق امام محمد نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہاں امام کا تقرر ہو اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ہو۔ تو وہ مسجد ہو جاتی ہے۔

در مختار ہی میں ہے:

كما لو جعل وسط داره مسجداً و اذن للصلوة فيه حيث لا يكون مسجداً الا اذا شرط الطريق

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، صفحہ: ۴۰۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جیسا کہ اس نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنادی اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دے دی اس وقت تک مسجد نہ ہوگی جب تک کہ اس کا راستہ علیحدہ سے نہ ہو۔

صورت مسئولہ میں سرائے والے نے مسجد نہیں بنائی۔ ٹھہرنے والے مسافروں نے نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ مقرر کر لی۔ پھر وہاں مسجد کی شکل کی عمارت بنادی تو یہ مسجد نہیں ہو سکتی بلکہ مسجد بیت ہے۔ یعنی گھر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ مقرر کر لی جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرائے کے مالک نے اس کو منع نہیں کیا۔ تو در مختار کی اوپر جو عبارت نقل کی ہے اس میں تو وہ خود اپنے مکان کے اندر مسجد بنانے کی اجازت

بھی دے دے اور راستے جدا نہ کرے تو مسجد نہیں ہوتی ہے۔ تو جب اس کا خود بنانا اس جگہ کو مسجد نہیں کرتا ہے تو دوسروں کے بنانے پر منع نہ کرنا بھی اس جگہ کو مسجد نہیں بنائے گا۔ لہٰذا اس کو توڑنا جائز ہے۔ جس طرح گھر والے ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کریں پھر پورا گھر توڑ دیں یا اس جگہ کو توڑ کر کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے لگیں تو یہ جائز ہے۔ ایسے ہی اس مسجد کو بھی توڑ دینا جائز ہے۔

مسجد کے سمت قبلہ میں فرق

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

ہمارے محلے کی مسجد کے قبلہ رخ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ توسیع کرنے اور قبلہ رخ کرنے کی وجہ سے مسجد کی محراب اور تقریباً پوری ایک صف مسجد سے باہر ہو جاتی ہے۔ کیا شرعاً اس جگہ کو مسجد سے باہر چھوڑ سکتے ہیں اور اس جگہ پر کوئی دوسری عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ شرعاً اس جگہ کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

سائل: کیپٹن زوار حسین، اسلام آباد

الجواب:-

جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہوگئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہوگئی۔ اس کے اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثریٰ تک ایک انچ جگہ بھی مسجد کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا پرانی مسجد کی جو جگہ باقی رہ جاتی ہے، اس کو مسجد کے احاطہ کے اندر ہی رکھیں اور مسجد کے فرش کے برابر وہاں تک فرش بنائیں تاکہ نمازی وہاں نفل نمازیں پڑھ سکیں۔ اعتکاف کرنے والے وہاں بیٹھ کر عبادت کر سکیں۔

غیر لیز مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

اگر مسجد لیز نہ ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

نماز کے جواز کے لئے مسجد کا لیز ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا اس مسجد میں جو لیز نہ ہو، نماز جائز ہے۔

مسائل وقف

مسجد کو ذاتی ملکیت قرار دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

مسجد کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ ایک شخص اگر کسی مسجد کا مالک ہونے کا دعوی کرے اور مسجد کو اپنی ذاتی ملکیت بنانے کی غرض سے مسجد کو اپنے نام پر لیز کروالے اور حکومت اس شخص کے نام پر لیز کردے تو آیا وہ شخص مسجد کا مالک بن جائے گا یا نہیں ؟ اور حکومت کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں ؟ واضح رہے کہ مسجد کی زمین عوام کے مشترک چندے سے خریدی گئی ہے ، کسی خاص فرد نے اس کی زمین وقف نہیں کی ہے نہ ہی کسی ایک شخص نے تعمیر کی ہے ۔

الجواب:-

جب مسلمانوں نے چندہ کر کے زمین خرید کر مسجد بنائی اور عام طور پر مسلمانوں نے اس میں نماز پڑھنا شروع کر دی تو اتنی ہی بات سے وہ مسجد بن جاتی ہے اور یہ زمین وقف ہو جاتی ہے ۔ وقف مکمل ہونے کے بعد اس وقف کا نہ کوئی مالک بن سکتا ہے ، نہ کوئی خرید سکتا ہے اور نہ ہی اسے رہن رکھا جا سکتا ہے ۔ جس شخص نے اپنے نام لیز کروائی ہے وہ سخت گناہ گار ہے اور یہ لیز باطل ہے ۔ اور وہ مسجد اسی طرح مسجد باقی ہے ، جس طرح

پہلے تھی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

فاذا تم ولزم لا یملک و لا یملک و لا یعار و لا یرھن

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب التابید معنی شرط اتفاقاً، صفحہ: ۴۰۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جب وقف تام ہو جائے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی خرید سکتا ہے اور نہ ہی عاریت (ادھار) پر دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی رھن رکھا جا سکتا ہے۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

و لا یملک ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع و نحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ و لا یعار و لا یرھن لاقتضائھا الملک

(حوالہ بالا)

یعنی اور مالک نہیں بنا سکتا یعنی غیر کو فروخت کرنے وغیرہ سے اس چیز کی ملکیت قبول نہ کی جائے گی کیونکہ جس چیز کا ملک نہیں اس کا کسی غیر کو مالک بنانا محال ہے اور نہ عاریتاً (ادھار پر) دیا جائے گا اور نہ رہن رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب ملکیت کو چاہتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس جگہ کی مسجدیت کو باقی رکھیں اور لیز کو باطل کرائیں اور جس شخص نے اپنے نام مسجد کی جگہ کو لیز کرایا ہے، اس کا فعل وقف کے منافی ہے۔ شخصی ملکیت میں کوئی مسجد اور وقف کی جگہ نہیں آسکتی ہے۔

وقف چیز کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

(۱) وقف کا سامان نیا یا پرانا جبکہ موقوف علیہ (وہ چیز جس کے لئے وقف کیا گیا ہے) کے لیے کار آمد نہ ہو اس نیت سے "فروخت کیا جائے" کہ اس کی قیمت پھر موقوف پر لگائی جائے گی، فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں یعنی جبکہ فروخت کیا جا سکتا ہے تو پھر "الوقف لا یملک" (یعنی وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا) کا کیا مفہوم ہوگا؟ دوسری صورت میں یعنی اگر فروخت نہیں کیا جا سکتا ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ ضائع ہونے کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے مثلاً موقوف چیز مسجد ہے اب اس کے دروازے، کھڑکیاں، شہتیر، کڑیاں، اینٹیں، پرانی چٹائیاں پرانے پنکھے اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ اشیاء جو کار آمد نہیں رہے اب ان کا کیا کیا جائے؟

(۲) اگر فروخت ہو سکتے ہیں تو مسجد کی اشیاء کو خریدنے والا، ان کو کہاں استعمال کر سکتا ہے؟ یعنی

ہیٹرن وغیرہ کے لیے استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

وقف کئے ہوئے سامان میں سے جو چیزیں ایسی ہو جائیں کہ جو فی الحال یا آئندہ کبھی بھی استعمال میں نہیں آ سکیں گی تو ان کو بیچ دینا جائز ہے۔ اور تعمیراتی سامان کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت تعمیرات ہی میں خرچ کی جائے گی۔ علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

و فی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اہل قریۃ رحلوا و تداعی مسجدھا الی الخراب و بعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ و ینقلون الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الی ھذا المسجد قال نعم

(جلد(۳) کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد او غیرہ، صفحہ: ۴۰۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور فتاوی نسفی میں ہے شیخ الاسلام سے ایک گاؤں کے متعلق سوال کیا گیا کہ لوگ وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے اور مسجد کو ویران چھوڑ گئے اور کچھ ظالم (زبردستی کرنے والے) لوگ اس مسجد کی لکڑیوں پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں تو اہل محلہ میں سے کسی شخص کو یہ حق ہے کہ وہ مسجد کی ان لکڑیوں کو قاضی کے حکم سے فروخت کر دے اور اس کی قیمت محفوظ کرے تاکہ دوسری مسجدوں یا اسی مسجد میں خرچ کر دے تو شیخ الاسلام نے اجازت دے دی۔ لیکن تعمیراتی سامان کی قیمت تعمیرات ہی میں خرچ ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف شدہ اشیاء میں سے کسی چیز کا کوئی شخص بلا معاوضہ مالک نہیں ہو سکتا۔

واقف کا وقف کے بعد کوئی شرط عائد کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید نے اپنا مکان بلا کسی شرط کے مسجد کے لئے وقف کر دیا اور مسجد کمیٹی نے تمام قانونی کارروائی مکمل کر لی۔ اس واقعہ کے تقریباً ۶ ماہ بعد زید نے یہ شرط پیش کی کہ مجھے انتظامیہ ۴۰۰ روپے ماہوار تا حیات ادا کرتی رہے۔ کیونکہ میں نادار اور بیمار آدمی ہوں میرا کوئی سہارا نہیں ہے اور میری کوئی مستقل آمدنی بھی نہیں ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ کا حل تحریر کریں۔ عین نوازش ہوگی۔

مذکورہ شخص نے مکان کے کاغذات مسجد کمیٹی کے سپرد کر دیئے ہیں۔
سائلین : اراکین مسجد کمیٹی، محمدی مسجد، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-
اس سوال کے ساتھ جو وقف نامہ کی کاپی ہے وہ بھی دیکھی گئی وقف نامہ ۲ میں اس مکان کے وقف کو واقف نے کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا۔ لہذا صورت مسئولہ میں جب یہ وقف مکمل ہوگیا تو اب اس کے بعد وقف کرنے والا اس میں کسی قسم کی شرط نہیں لگا سکتا اور کسی قسم کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ نے فتاویٰ قاضی خان میں لکھا:

رجل وقف ضیعتہ فی صحتہ علی الفقراء واخرجھا من یدہ الی المتولی ثم قال لوصیہ عند الموت اعط من غلۃ تلک الضیعۃ لفلان کذا ولفلان کذا و قال لوصیہ افعل ما رایت من الصواب فجعلہ لاؤلئک باطل لانھا صارت حقاللفقراء اولا فلا یملک ابطال حقھم الا اذا کان شرط الواقف ان یصرف غلتھا الی من شاء

(بر حاشیہ عالمگیری، جلد (۳) کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً، صفحہ: ۲۹۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کسی نے اپنی صحت کی حالت میں فقراء پر کوئی زمین وقف کردی اور اس زمین کو اپنے قبضہ سے متولی کے قبضہ میں دے دیا پھر اپنے وصی کو موت کے وقت کہا کہ اس زمین کا غلّہ فلاں فلاں کو اتنا اتنا دے دو اور اپنے وصی سے کہا اپنی صواب دید پر کردو تو اس (وصی) نے ان لوگوں کے لیے ویسا ہی کردیا تو یہ تقسیم کرنا باطل ہے۔ کیونکہ یہ پہلے ہی فقراء کا حق ہوگیا پس کسی کو فقراء کا حق باطل کرنے کا حق نہیں مگر یہ کہ واقف یہ شرط لگا دے کہ اس زمین کا غلّہ جس طرح چاہے صرف کیا جائے گا۔

مسجد کے لئے وقف مکان پر کسی شخص کا اپنا قبضہ ظاہر کرنا

الاستفتاء:-
ایک شخص نے اپنا مکان مسجد کو وقف کردیا۔ اور اقرار نامہ و حلف نامہ مجسٹریٹ کے سامنے رجسٹرڈ ہو گیا کہ آدھے مکان میں واقف اپنی زندگی میں رہتا تھا اور آدھے مکان پر کمیٹی قابض ہوگئی۔ واقف کے مرنے کے کچھ دنوں بعد دوسرا آدمی اس کا رشتہ دار بن کر قابض ہو کر رہنے لگا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہوا کہ آدھا مکان اس

کا ہے اس کو دیا جائے ۔ ازروئے شرع اس کا حکم ارشاد فرمائیں ۔ سائل : عظیم اللہ ، کورنگی ، کراچی

الجواب:-

ابرار احمد ولد نذیر احمد کا لکھا ہوا ایک اقرار نامہ اور حلف نامہ جس پر تین گواہوں کے دستخط ہیں ۔ ان میں سے دو گواہ اصغر خاں اور کالے خاں یہاں آئے اور وہ اس حلف نامہ کی تصدیق کرتے ہیں ۔ کہ ابرار احمد نے یہ تحریریں مرنے سے تقریباً چھ سال پہلے لکھی ہیں ۔ لہذا یہ وقف نامہ صحیح ہوگیا اور یہ کواٹر نمبر ۹۲ مسجد عثمانیہ کے لیے وقف ہوگیا۔ اور وقف پر کسی انسان کی ملکیت نہیں ہوتی ہے ۔ لہذا جو شخص اس کے کسی حصہ پر قابض ہے اسے خالی کرنا لازم ہے اور مکان کا وہ حصہ جو اس کے قبضہ میں ہے متولی مسجد کے سپرد کردے ۔

ناجائز قابضین سے جگہ خرید کر مسجد کے لیے وقف کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

جو زمین گورنمنٹ کی ملکیت ہے کیا اس پر قبضہ کر کے یا اسے قابضین سے ناجائز طور پر خرید کر اسے مدرسہ و مسجد کے لیے وقف فی سبیل اللہ کیا جاسکتا ہے ؟

الجواب:-

وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف وقتِ وقف میں اس چیز کا مالک ہو ، جس کو وہ وقف کررہا ہے ۔ اگر وقت وقف میں مالک نہ تھا اور وقف کردیا پھر مالک ہوگیا ، جب بھی یہ وقف صحیح نہیں ہوتا ہے ۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

ومنها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفا كذا فى البحر الرائق

(کتاب الوقف، مطلب فی وقف الذمی، جلد (۲) صفحہ: ۳۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرتے وقت واقف اس شے کا مالک ہو یہاں تک کہ اگر کوئی زمین غصب کر کے وقف کردے پھر اس کے مالک سے اس زمین کو خرید لے اور قیمت مالک کو دے دے یا کچھ دینے پر مصالحت کرلی تو یہ وقف نہیں ہوسکتا ۔ ایسے ہی بحرالرائق میں بھی ہے ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں وقف باطل ہے۔ اور اگر اب گورنمنٹ سے الاٹمنٹ بھی مل جائے جب بھی یہ وقف صحیح نہیں ہوسکتا۔ نا جائز قبضہ کرنا تو غصب ہے۔ اور قابض سے خرید کرنا بیع باطل ہے۔ دونوں صورتوں میں ملکیت نہیں ہوتی۔ ... واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی رقم مسجد کے لیے وقف مکان پر خرچ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

مسجد کے لیے کچھ رقم قربانی کی کھالوں اور چندے وغیرہ کے ذریعہ جمع ہوتی ہے۔ ایک مکان جو کہ مسجد کے نام وقف ہے، کیا یہ رقم اس مکان کی مرمت میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

سائل: غلام مصطفیٰ، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

جس کام کے لیے لوگوں سے کہہ کر قربانی کی کھالیں اور چندہ وصول کیا گیا وہ اسی میں خرچ کیا جائے گا، دوسرے کسی کام میں نہیں۔ دوسرے مصرف میں خرچ کرنے کے لیے دینے والوں سے اجازت لینا ہوگی، ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کرسکتے۔ وہ مکان چونکہ مسجد ہی کی ملکیت ہے، اس لیے اس کی مرمت میں بھی خرچ کرسکتے ہیں۔

مسجد کے فنڈ سے بی سی ڈالنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

مسجد کے فنڈ سے "بی سی" ڈالی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:-

مسجد کے لیے وقف شدہ آمدنی کو مسجد کے مصرف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بی سی بھی نہیں ڈالی جاسکتی ہے۔

مسجد کے فالتو تعمیراتی سامان کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد کی اشیاء مثلاً پنکھا، ٹیوب لائٹ وغیرہ جو فالتو رکھے ہوئے ہوں، مستعمل یا غیر مستعمل، ان کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اس پیسے کو مسجد میں لگانے کی نیت ہو۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ زید نے مسجد کے تین عدد پنکھے اور پانی کی مشین تین ماہ مسجد میں استعمال کے بعد مناسب قیمت پر خرید لئے ہیں۔ آیا یہ درست ہے؟ اگر یہ درست نہیں تو پھر مشتری (خریدنے والا) وہی چیزیں واپس کرے گا یا نئی خرید کر دے گا؟

سائل: عبد المالک

الجواب:-

مسجد میں جو سامان وغیرہ از قسم منقولات ہے۔ اگر کسی شخص نے دیا ہے تو جب تک قابل استعمال رہے گا مسجد میں استعمال ہوتا رہے گا اور اگر استعمال کے قابل نہ رہے تو واقف کی ملکیت میں اس کو واپس کر دیا جائے گا وہ جو چاہے کرے۔ اور اگر چندہ وغیرہ یا وقف کی آمدنی سے خریدا گیا ہے تو یہ سامان جب تک قابل استعمال ہے یا آئندہ کبھی بھی کام میں آسکتا ہے تو اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ جب بھی اس حالت میں ہو جائیں کہ فی الحال کام میں نہیں اور نہ آئندہ کام میں آئے گا تو اس کو بیچ سکتے ہیں۔ لہٰذا سوال میں جو صورت مذکور ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سامان کام کے لائق ہوتے ہوئے فروخت کر دیا گیا ہے۔ یہ بیچنا ناجائز ہے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ وقف کا مال ہے خریدا، یہ بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے خریدا ہے وہ سامان واپس کر دیں۔

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ اور دار المطالعہ کے اخراجات ادا کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد سے ملحقہ مدرسے اور لائبریری پر مسجد کے فنڈ سے کچھ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: سیکریٹری مسجد اقصیٰ، ملیر کھوکھرا پار، کراچی

الجواب:-

سوال میں جن امور کا تذکرہ ہے، مسجد کی آمدنی سے ان میں خرچ نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ چندہ مسجد کے نام سے وصول کیا گیا ہے۔

کرایہ دار کے لئے مسجد کا پانی استعمال کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

مسئلہ ذیل کی وضاحت مطلوب ہے۔ مسجد کی دوکانیں کرایہ پر دی ہوئی ہیں، کرایہ دار مسجد کا پانی اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض نمازی حضرات کرائے داروں کے مسجد کا پانی استعمال کرنے پر معترض ہیں۔

سائل: صدر مسجد جامع مسجد عرفانی، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

مسجد کی دوکانوں کے کرایہ دار پینے وغیرہ اور دیگر ضروریات انسانی کے لئے بقدر ضرورت پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہوٹل وغیرہ ہے تو اس کے لئے پانی کا انتظام ان کو اپنا کرنا ہوگا۔

مسجد کا پانی زبردستی باہر لے جانا

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

ایک مسئلہ در پیش ہے کہ ایک مقامی مسجد سے لوگ پانی بھر کر باہر لے جاتے ہیں۔ جب ہم منع کرتے ہیں تو وہ جھگڑا کرتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں۔ مہربانی فرما کر اس مسئلے کا حل تحریر فرمائیں۔

الجواب:-

مسجد اور اوقاف کی ہر چیز انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی خالص ملکیت ہو جاتی ہے اور جب وقف ہوتا ہے تو وقف کرنے والا اپنی ملکیت سے نکال کر رضاء الٰہی کے لیے مصارف متعینہ میں خرچ کرنے کے لیے سپرد خدا کر دیتا ہے۔ تو پھر وقف کی کسی چیز کو کوئی شخص اپنے ذاتی مصرف میں نہیں لا سکتا اور متولی یا کمیٹی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ وقف کی کسی چیز کو اپنے ذاتی کام میں استعمال کریں یا کسی کو استعمال کرنے کی اجازت دیں۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا:

متولی المسجد لیس لہ ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ

(جلد (۲) کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، صفحہ: ۴۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کا چراغ اپنے گھر لے جائے۔

ہمارے فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریتاً بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ہندوستان میں پہلے جاڑوں میں پانی گرم کرنے کے لیے مسجد میں "سقایہ" بنے ہوئے تھے۔ ان میں آگ جلا کر پانی گرم کیا جاتا تھا۔ اس سقایہ کی آگ سے چلم بھرنا بھی ناجائز ہے، اس لیے مسجد کا پانی کوئی شخص گھر نہیں لے جا سکتا۔ صرف مسجد میں استعمال کر سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جو لوگ پانی گھروں میں لے جاتے ہیں وہ گناہ گار ہیں انہیں توبہ کرنی چاہیے۔

مسجد کا پانی بیچنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

اہل محلہ نے مسجد و مدرسہ بنوایا۔ مدرسہ کی رقم سے پانی کا پاپ لگوایا۔ اہل محلہ کو پانی کی قلت کا سامنا ہے وہ اپنی ضروریات کے لئے پانی خریدتے ہیں۔ مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لیے کیا مسجد کا پانی اہل محلہ کو بیچا جاسکتا ہے؟

سائل: فرید عالم

الجواب:-

مسجد کے مصارف کے لئے پانی فروخت کر سکتے ہیں، جبکہ پانی مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہو اور قیمت کسی پیمانے کے حساب سے مقرر کر دی جائے۔ مثلاً فی ٹن اور فی گدھا گاڑی اتنے اتنے روپے میں ہے۔

مسجد کی اضافی چیزوں کے استعمال کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی وقار الدین صاحب!

علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ:

مسجد تعمیر کرنے کے لئے لکڑیاں، سیمنٹ، اینٹیں وغیرہ خریدی گئیں۔ مسجد تعمیر ہوگئی۔ کچھ چیزیں بچ گئیں، جو کہ مسجد کے لیے بیکار ہیں۔ تو کیا ان چیزوں کو فروخت کر کے یہ روپے مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ چیزیں فروخت نہ کی گئیں تو خراب و برباد ہو جائیں گی۔ اگر فروخت نہیں کیا سکتا تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ذرا تفصیل سے لکھئے کہ مسجد کا سامان مثلاً جائے نماز شامیانے وغیرہ اگر زائد ہوں تو کیا دوسری مسجد کو ھبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:-

مسجد کا ایسا سامان جو استعمال میں نہیں آئے گا اور رکھا رہنے سے ضائع ہو جائے گا تو یہ سامان فروخت کردیا جائے۔ اور اس کی آمدنی صرف تعمیر مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے۔ کسی اور مصرف میں اسے خرچ نہیں کیا جائے گا۔ مسجد کا یہ سامان جس کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ کسی شخص نے مسجد کو دیا تھا اور اب یہ بیکار پڑا ہے تو یہ سامان اس شخص کو واپس کر دیا جائے۔ اور اگر مسجد کے فنڈ سے خریدا گیا تھا تو اسے فروخت کردیا جائے۔ اور اس کی آمدنی اس مسجد میں خرچ کی جائے۔ یہ سامان دوسری مسجد میں ھبہ نہیں کیا جاسکتا۔

مسجد کے کنویں سے گھروں میں کنکشن دینا

الاستفتاء:-

قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ ہماری مسجد کی کمیٹی کے متفقہ فیصلہ سے بطور فی سبیل اللہ مسجد کے کنویں میں سے پانی کی لائن، ہینڈ پمپ کی صورت میں مسجد کے باہر "رفاہ عامہ" کے لیے لگوا دی تھی۔ کیونکہ محلہ کے لوگوں کو پینے کے پانی کی قلت کا سامنا انتہائی شدت سے کرنا پڑرہا تھا۔ چنانچہ پینے کے لیے پانی دستیاب نہ ہونے کو مدنظر رکھتے ہوئے مسجد کمیٹی نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا۔ اب ایک فرد یا زائد افراد نے مسجد کمیٹی سے مندرجہ ذیل صورتوں میں مزید اجازت طلب کی ہے کہ:

(۱) مسجد کے کنویں سے رفاہ عامہ کے لیے لگوائے گئے مذکورہ بالا ہینڈ پمپ کے کنکشن میں انفرادی یا اجتماعی لائن اپنے اپنے گھروں کے پانی کے ٹینک تک لے جانے کے لیے اجازت طلب کی ہے جبکہ اس کام کے تمام اخراجات انفرادی یا اجتماعی طور پر وہ خود ادا کرنے کو تیار ہیں۔

(۲) ہمارے اسکوائر میں تقریباً ڈھائی سو سے زائد فلیٹ ہیں اگر انفرادی یا اجتماعی طور پر اجازت دے دی جائے تو تمام فلیٹ والوں کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ ہر کوئی مسجد کے مذکورہ ہینڈ پمپ سے اضافی براہ راست کنکشن کی درخواست دے کر پانی کی لائن حاصل کرلے۔

(۳) اسکوائر کے فلیٹوں میں اکثر غیر مسلم آغا خانی بھی رہتے ہیں جو نہ تو مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور نہ

ہی ان کا دین اسلام سے کوئی عملی تعلق ہے اضافی کنکشن (پانی کی لائن) حاصل کرنے کے لیے درخواست دینے کے مستحق قرار پائیں گے چنانچہ:

(الف) مسجد کے کنویں سے رفاہ عامہ کے لیے فی سبیل اللہ کے طور پر ہینڈ پمپ لگوایا گیا، وہ درست ہے یا نہیں؟

(ب) مذکورہ ہینڈ پمپ میں سے مزید انفرادی یا اجتماعی طور پر کنکشن دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(ج) ڈھائی سو فلیٹ والوں کو حق حاصل ہو جانے کی صورت میں اگر پانی کی کمی محسوس کی گئی تو اس صورت میں کیا کیا جانا چاہیے یعنی بعد کے کنکشن رہنے دیئے جائیں یا کاٹ دیئے جائیں؟

(د) مسجد کے ہینڈ پمپ سے حاصل کردہ پانی اہل محلہ پینے کے علاوہ کس کس طور پر استعمال کرسکتے ہیں؟

(ھ) غیر مسلم اسماعیلی آغا خانیوں کے متعلق کیا حکم ہے کیونکہ ان کے عقائد تو دین اسلام کے برخلاف ہیں (ان کے عقائد کے متعلق معلومات ہمراہ منسلک ہیں)۔

سائل: محمد اکبر خاں جنرل سیکریٹری، مسجد کمیٹی رقیہ اسکوائر، کراچی

الجواب:-

مسجد کے کنویں کے متعلق فقہاء نے جائز ہونے کی ایک صورت تو لکھی ہے کہ عام مسلمانوں کو اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے پانی خود بھر لیں مگر مسجد کے پیسے سے ہینڈ پمپ لگانا جائز نہیں ہے۔ اس کی مرمت میں بھی مسجد کے پیسے لگتے ہوں گے یہ بھی ناجائز ہے۔ اس میں جو کچھ خرچ ہوا ہے وہ مسجد کی کمیٹی کے ممبران اپنے پاس سے مسجد فنڈ میں دیں یا محلہ والوں سے اس کے لئے علیحدہ علیحدہ چندہ کر کے مسجد فنڈ میں جمع کردیں اور اس پائپ سے گھروں میں کنکشن دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں کے کنووں میں ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب زیادہ پانی نکالا جائے تو کنواں خشک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مسجد کے مال کو محفوظ رکھا جائے گا۔ اور آغا خانی تو مسلمان نہیں ہیں وہ تو خود بھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے اسی لیے دنیا میں آغا خانیوں نے مسجد نہیں بنوائی اپنی تفریح کے لیے جماعت خانے بنائے ہوئے ہیں۔ بہر حال ان کو پینے کے پانی سے تو نہیں روکا جائے گا۔

مسجد میں کچھ رقم دیکر ذاتی استعمال کے لیے پانی لینا

الاستفتاء:-

جناب عالی عرض یہ ہے کہ میں جس مکان میں رہائش پذیر ہوں اس مکان میں نہ پانی کا نل ہے نہ گھر کے آس پاس دور دور تک کوئی سرکاری پانی کا نل ہے۔ میرے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے اور مسجد میں کنواں

ہے۔ بجلی کی موٹر کے ذریعہ مسجد کی ٹنکی میں پانی آجاتا ہے اور وضو خانہ کی ٹونٹی کے ذریعہ میں پائپ لگاتا ہوں اور اپنے گھر کے لئے مسجد سے پانی حاصل کرتا ہوں۔ بدلے میں پانی کی موٹر کا خرچہ اپنی جیب سے مسجد کو ادا کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ جب مجھے کہیں سے پانی نہیں مل رہا ہے تو کیا میں مسجد سے پانی حاصل کر سکتا ہوں؟ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد حسین، کراچی

الجواب:-

مسجد کے کنویں سے اہل محلہ پانی بھر سکتے ہیں مگر مسجد کی رسی ڈول استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر موٹر استعمال کر کے کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے تو بجلی کا خرچہ دے کر پانی لے سکتے ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بجلی کا خرچہ سائل ادا کرتا ہے جتنا کہ ہوتا ہے تو پانی لینا جائز ہے۔ اگر زیادہ خرچ ہوتا ہے تو زیادہ دیا جائے۔

مسجد کی اضافی مٹی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

ایک مسجد میں تعمیراتی کام شروع ہوا ہے۔ کھدائی کی وجہ سے جو مٹی نکل رہی ہے اس کا کیا کیا جائے؟ اس نے کافی جگہ گھیر رکھی ہے اور مستقبل میں مسجد کو اس مٹی کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا لوگوں کا یہ مٹی اٹھا کر لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: انتظامیہ مسجد باب الحرمین، اورنگی، کراچی

الجواب:-

اگر اس مٹی کی مسجد میں کسی جگہ بھرائی میں ضرورت نہیں ہے اور آئندہ بھی نہ ہوگی تو اگر فروخت ہو سکتی ہے تو فروخت کر دی جائے اور اگر فروخت نہیں ہو سکتی ہے تو لوگوں کو مفت اٹھانے کی اجازت دے دی جائے۔

ایک مسجد کے قرآن دوسری مسجد یا کسی اور جگہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس بارے میں کہ :

ایک مسجد کے قرآن دوسری مساجد یا دوسری جگھوں جیسے اسکول ، کالج ، مدرسہ وغیرہ میں دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں ۔

سائل : محمد سکندر قادری

الجواب :-

مسجد میں جو قرآن پڑھنے کے لیے لوگ رکھ دیتے ہیں ان کی حفاظت مسجد کی کمیٹی کرے گی اور اگر وہ چاہیں تو دوسری مسجد میں بھی دے سکتے ہیں ۔ وہ صرف اسی مسجد میں قرات کرنے کے لیے موقوف نہیں ہوں گے ۔

علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں خلاصہ الفتاوی سے نقل کیا :

اذا وقف مصحفا علی اهل مسجد لقراءة القران ان کانو یحصون جاز و ان وقف علی المسجد جاز و یقرء فی ذلک المسجد و فی موضع آخر و لا یکون مقصورا علی هذا المسجد

(جلد (۵) کتاب الوقف، صفحہ: ۲۰۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جب کوئی مصحف مسجد والوں پر قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے وقف کیا ، اگر مسجد والے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں تو جائز ہے اور اگر مسجد پر وقف کیا تو بھی جائز ہے کہ اس مسجد والے اس قرآن میں تلاوت کریں اور دوسری جگہ بھی تلاوت کر سکتے ہیں صرف اسی مسجد پر منحصر نہ ہوگا ۔

لہٰذا جب ضرورت سے زیادہ قرآن پاک کسی مسجد میں جمع ہو جائیں تو ان کو کسی دوسری مسجد میں یا ایسی جگھوں میں جہاں قرآن پڑھنے والے جمع ہوتے ہیں اور ان کو قرآن کی ضرورت ہے تو دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

مسلمان حصول ثواب کے لئے مسجد شریف میں قرآن مجید لیکر رکھ جاتے ہیں جو کثیر تعداد میں جمع

ہو جاتے ہیں ، جن کے لئے بعض دفع مسجد میں رکھنے کے لئے جگہ کم پڑ جاتی ہے ۔ کیا یہ قرآن مجید جو ضرورت سے زیادہ ہوں ۔ انہیں فروخت کر کے وہ رقم مسجد کی دیگر ضروریات پر صرف کی جاسکتی ہے یا لائبریری اسلامیہ قائم کی جاسکتی ہے ؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ۔

الجواب :-

صورت مسئولہ میں جو قرآن مسجد کے لئے وقف کئے گئے ہیں وہ فروخت کرنا جائز نہیں ۔ ہاں کسی دوسری مسجد میں دیئے جاسکتے ہیں یا ایسے لوگوں کو جو قرآن پڑھتے ہوں اور وہ ضرورت مند ہوں تو انہیں بھی دے سکتے ہیں ۔

ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو ھبہ کرنا

الاستفتاء :-

ایک مسجد میں جائے نماز (صفیں) بدل کر نئی بچھائی گئی ہیں پرانی صفیں اب فاضل پڑی ہیں ۔ کیا ان صفوں کو پسماندہ علاقہ میں واقع مساجد میں جہاں صفیں نہیں ہیں بلا قیمت دی جاسکتی ہیں ؟ جواب ارشاد فرما کر مشکور کریں ۔

سائل : محمد یعقوب صالح ، بولٹن مارکیٹ ، نیو میمن مسجد ، کراچی

الجواب :-

مسجد کی کوئی چیز کسی دوسری مسجد کو یا کسی شخص کو بلا قیمت دینا سخت گناہ ہے ۔ یہاں تک کہ فقہاء نے کہا کہ کسی کو عاریتاً دینا بھی ناجائز ہے ۔ لہٰذا اگر وہ صفیں کسی کام میں آئندہ آسکتی ہیں اور ان کی حفاظت بھی کی جاسکتی ہے تو انہیں محفوظ رکھنا چاہیے ۔ اور اگر آئندہ کام میں نہیں آئیں گی یا ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو انہیں فروخت کیا جاسکتا ہے ۔

مسجد کی چھت پر اسکول کھولنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مسجد کی چھت کو اسکول کے لیے استعمال کیا جارہا ہے. جہاں طلبہ و طالبات دونوں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور خواتین تدریس کے فرائض انجام دیتی ہیں ۔ نیز اگر مرد تعلیم دیں تو اسکا کیا حکم ہے؟ کیا از روئے شرع مسجد کی چھت کو اس دنیاوی تعلیم کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرماکر عند اللہ ماجور ہوں ۔

مستفتی : محمد فاروق حسن

الجواب:-

مسجد کی چھت بھی مسجد ہے ۔ اس کے احکام بھی وہی ہیں جو مسجد کے ہیں ۔ اجرت لیکر مسجد میں بیٹھ کر دینی تعلیم دینا بھی جائز نہیں ہے ۔ لہذا مسجد کی چھت پر اسکول کھولنا جائز نہیں خواہ مرد تعلیم دیں یا خواتین ۔

عید گاہ کے کچھ حصے پر اسکول قائم کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک گنجان آبادی جو سرکاری زمین پر قابض ہے اور قیام پاکستان کے بعد سے رہائش پذیر ہے وہاں پر دو مساجد اور ایک عید گاہ بلا اجازت متعلقہ محکمہ بنائی گئی ہیں ۔ مساجد میں باقاعدہ پنج گانہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور عید گاہ میں نماز عید پڑھی جاتی ہے ۔ اب عرض یہ ہے کہ اس آبادی میں عیسائیوں کا ایک چرچ تھا جو اسکول کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا رہا ہے، جس میں مسلمانوں کے بچے بھی گزشتہ سالہا سال سے تعلیم حاصل کرتے رہے ۔ اب اس قسم کے مشنری اسکول چرچوں سے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں ۔ جس کی وجہ سے مقامی آبادی کو سخت مشکلات کا سامنا ہے ۔ لہذا وہ جگہ جو عید گاہ کے نام سے موسوم ہے اور جس میں سالہا سال سے عیدین کی نمازیں ادا ہو رہی ہیں اگر غربی حصے پر کمرے بنا کر محراب کو ایک صف پیچھے ہٹایا جائے تو اس طرح عید گاہ میں تصرف و تعمیر

کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اس کے علاوہ بلا اجازت تعمیر شدہ مساجد میں نماز جمعہ اور جماعت کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

مساجد کے متعلق فتاوی جات میں یہ لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ مسلمان آباد ہوں اور انہیں مسجد کی ضرورت ہو اور گورنمنٹ کی جگہ پر مسجد بنالیں تو وہ مسجد ہو جائے گی۔ کراچی کی اکثر و بیشتر مساجد اسی طرح بنی ہوئی ہیں۔ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے، وہ قیامت تک مسجد بن جاتی ہے اور اس کو توڑا نہیں جاسکتا ہے۔ مگر عید گاہ کا حکم یہ نہیں ہوتا۔ عید گاہ بھی موقوفہ زمین پر ہوتی ہے مگر وقف بغیر مالک کی اجازت کے نہیں ہوتا ہے۔ لہذا حکومت کی اجازت کے بغیر زمین پر عید گاہ نہیں بنائی جاسکتی۔ عید گاہ کی ضرورت نہ مسجد کی طرح ہے اور نہ وہ مسجد کے حکم میں ہے۔ عید کی نماز مسجد میں بھی ہو سکتی ہے۔ جو حکم عید گاہ کا ہے وہی حکم بغیر اجازت لئے اس کے کچھ حصہ پر اسکول بنانے کا بھی ہے۔ جب کبھی مکانات الاٹمنٹ ہوں تو اس وقت کوشش کی جائے تاکہ عید گاہ اور اسکول مقامی آبادی کے لئے لیز ہو جائیں۔

متعلقات مسجد

کسی فرد یا تنظیم کا زبردستی مسجد کے معاملات میں مداخلت کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اہل سنت حنفی بریلوی مکتب فکر کی ایک جامع مسجد ہے۔ اس مسجد کی خدمت کے لیے مسجد کے نمازیوں نے ایک سال کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ لیکن تین سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہ لوگ نمازیوں کی خواہش اور مرضی کے خلاف اس مسجد کے انتظام پر قابض رہے۔ ان عناصر نے اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے اور اپنی من مانیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے فروری ۱۹۸۳ء میں خفیہ طور پر مسجد کو اپنے نام ٹرسٹ کروانے کے مرتکب ہوئے۔ اور یہ کارروائی مسجد کے نمازیوں، اہل محلہ اور خطیب سے عرصہ دراز تک مخفی رکھی گئی۔ ٹرسٹ پر قانونی اعتراض کا عرصہ گزرنے کے بعد ان عناصر نے اپنی کارروائی ظاہر کی۔ نمازیوں نے خود ساختہ ٹرسٹیوں کے خلاف برملا غم و غصہ کا اظہار کیا اور ۱۷ جون ۱۹۸۳ء کو بعد نماز عشاء و تراویح نمازیوں نے متفقہ طور پر ان خود ساختہ ٹرسٹیوں کو برطرف کیا اور ٹرسٹ توڑنے کا اعلان کیا۔ مسجد کا انتظام چلانے کے لیے نمازیوں اور اہل محلہ نے متفقہ طور پر نئی کمیٹی قائم کردی۔ اس وقت مسجد کا پورا انتظام و انصرام و صولیابی و خرچ تعمیر اور دیگر امور عملی طور پر نئی کمیٹی کی تحویل میں ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مسجد بنیادی طور پر مسجد کے امام و خطیب کی کوششوں سے ایک عرب شیخ نے بنائی ہے۔ صورت مسئولہ یہ ہے کہ خود ساختہ ٹرسٹیوں کو اس مسجد کے انتظام یا املاک میں شرعاً دخل دینے

یا اپنا تصرف برقرار رکھنے کا اختیار ہے یا نہیں ؟

سائلین : مصلیان جامع مسجد حنفیہ ، آگرہ تاج کالونی ، کراچی

الجواب :-

مسجد کا متولی مسجد بنانے والا یا اس کا مقرر کیا ہوا شخص ہوتا ہے ۔ اور جب ایسا نہ ہو جیسا کہ ہمارے یہاں رواج ہے چندہ کر کے مسجدیں بنائی جاتی ہیں ۔ اس صورت میں اگر حکومت اسلامی ہو تو قاضی متولی مسجد مقرر کرے گا ۔ وہ نظام بھی دنیا میں آج کل نہیں ۔ تو اس صورت میں نمازی جس کو متولی مقرر کریں وہی متولی ہوگا ۔ علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

ثم ذكر عن التتارخانية ما حاصله ان اهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متولى المصالح المسجد فعند المتقدمين يصح

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب ولایۃ نصب القیم الی الواقف، صفحہ: ۴۳۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

پھر تاتارخانیہ سے نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی اصلیت یہ ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کو مسجد کی دیکھ بھال کے لیے متفقہ طور پر مقرر کردیں یہ متقدمین فقہاء کا مسلک ہے ۔

جن لوگوں نے ٹرسٹ بنایا وہ نمازیوں کی رائے سے منتخب نہ ہوئے ۔ لہٰذا ان کو مسجد کے کام سپرد نہیں کیے جاسکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جو متولی بننا چاہتا ہے یا اس کا خواہش مند ہے تو پھر اس کو متولی نہیں بنایا جائے گا ۔ فتاویٰ شامی میں ہے :

وقالوا من طلب التولية على الوقف لا يعطى له

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، صفحہ: ۴۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص وقف مال پر تولیت (متولی ہونا) طلب کرے اس کو متولی نہ بنایا جائے ۔

لہٰذا جن لوگوں نے خفیہ ٹرسٹ بنایا شرعی طور پر وہ اس کے اہل نہیں ہیں کہ مسجد کے کام ان کے سپرد کیے جائیں تو نمازیوں کی منتخب کی ہوئی کمیٹی صحیح ہے اور وہی انتظام مسجد کی حق دار ہے ، اسی کو تمام معاملات سپرد کرنا چاہیں ۔

مسجد کے اخراجات کے لیے ڈیکوریشن کا سامان رکھنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع عظام اس مسئلے میں کہ :

مسجد کی انتظامیہ نے الیکٹرک ڈیکوریشن کا سامان تیار کروایا جو کہ جھالریں اور دیگر اشیاء کی صورت میں ہے

۔ ڈیکوریشن کا یہ سامان تیار کرتے وقت نیت یہ تھی کہ یہ اشیاء مسجد کے لیے متبرک راتوں میں کام آئیں گی اور اس کے علاوہ مسجد کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بطور کرایہ جائز کاموں کے لیے مثلاً جلسہ ہائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دی جائیں گی آیا مسجد کی یہ جھالریں اور بورڈ وغیرہ جو کچھ بھی ہیں کرائے پر دینا جائز ہیں یا نہیں ؟

ایک مولوی صاحب نے یہ فتوی دیا ہے کہ " مسجد کی کوئی شے کسی دوسری جگہ استعمال نہیں ہو سکتی " تو آیا مسجد کی دکانیں جو کرایہ پر دی گئی ہیں وہ بھی کرایہ داروں سے خالی کرالی جائیں ؟

المستفتی : وارث علی انصاری ، حیدر آباد

الجواب:-

جن لوگوں نے مسجد کے مصارف کے لیے چندہ دیا تھا اس فنڈ سے یہ تمام چیزیں خریدنا جائز نہیں تھیں ۔ خاص ان چیزوں کے لیے لوگوں سے چندہ لیکر اگر خریدی جائیں تو سوال مذکور میں یہ تمام امور درست ہوتے ۔ مسجد کے احاطے میں جو دکانیں بنائیں جاتی ہیں وہ مسجد کے اخراجات پورا کرنے کی غرض سے بنائی جاتی ہیں اور یہی کہہ کر لوگوں سے چندہ بھی لیا جاتا ہے ۔ لہذا دوکانیں کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں ۔

مسجد کی دوکان کے استعمال کی جائز صورتیں

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم

برائے مہربانی مندرجہ ذیل مسئلے میں اپنے فتوی سے نوازیں ہم لوگ جنوبی افریقہ میں ایک مسجد کی تعمیر کر رہے ہیں ۔ اس مسجد میں دوکانیں بھی بن رہی ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں کہ دوکانوں کی آمدنی سے کچھ اور مزید فلاح و بہبود کے کام کر سکیں ۔ ہمیں آپ فتوی دیں کہ ہم دوکانوں کو کس طرح کرایہ پر اٹھائیں جو کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو ۔

(۱) دوکانوں کو پگڑی پر دے کر ہر ماہ تھوڑا سا کرایہ لیتے رہیں ۔

(۲) دوکانوں کو کرایہ پر دے کر ہر ماہ کرایہ لیتے رہیں ۔

(۳) دوکانوں کو کرایہ پر اٹھا دیں اور ایک معقول رقم بطور فکسڈ ڈپازٹ لے لیں ہر ماہ کرایہ لیتے رہیں ۔

اور فکسڈ ڈپازٹ دوکان خالی کرتے وقت دوکاندار کو واپس کردیں۔

مندرجہ بالا طریقوں میں سے کونسا طریقہ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے یا اسکے علاوہ آپ اور کوئی صورت وطریقہ تجویز کریں جو کہ سب سے زیادہ مناسب ہو۔ شکریہ

سائل: حاجی رحمت اللہ

الجواب:-

پگڑی حرام ہے۔ لہذا مسجد کی دوکان بھی پگڑی پر نہیں دی جاسکتی۔ کرایہ پر دینا جائز ہے۔ مگر مسجد کی دوکانیں اس علاقہ میں جو کرایہ ہے اس سے کم کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، یہ کرسکتے ہیں کہ کچھ روپیہ بطور ضمانت جمع کرائیں اس شرط پر کہ جب دوکان واپس کروگے تو تمھیں یہ رقم واپس کردی جائے گی، یہ جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ سال دو سال کا کرایہ پیشگی لے لیا جائے اور وہ کرایہ میں کاٹا جاتا رہے۔ صرف یہ صورتیں جائز ہیں اور باقی جائز نہیں۔

مسجد کے کرایہ کی دوکان آگے کرایہ پر دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

ایک شخص مسجد کی دوکان ۱۰۰ روپیہ ماہوار کرایہ پر لیتا ہے چند ماہ اس میں خود کاروبار کرتا ہے، پھر دوسرے شخص کو وہی دوکان ۱۰ روپیہ یومیہ یعنی تین سو ماہوار پر دے دیتا ہے۔ ۲۰۰ روپے اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سو روپیہ مسجد کو کرایہ دیتا ہے۔ اس کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:-

دوکان، مکان کو جس شخص نے کرایہ پر لیا اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو آگے کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر دے، اگر کرایہ پر دے دیا تو خود جتنے کرایہ پر لیا تھا اس سے جتنے زیادہ کرایہ پر دی اس کو صدقہ کردینا چاہیے۔ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

فی الجوھرۃ المستاجر اذا اٰجر باکثر مما استاجر تصدق بالفضل

(جلد (۷) کتاب الاجارۃ، باب مایجوز من الاجارۃ ومایکون خلافاً فیھا، صفحہ ۳۰۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جوہرہ نیرہ میں ہے کرایہ پر مکان لینے والا اگر اپنے کرایہ سے زیادہ کرایہ پر دے تو زیادہ رقم صدقہ کردے۔

مسجد کی دوکان کا کرایہ معاف کرنا

الاستفتاء:-

کسی مسجد کی کمیٹی کے ارکان مسجد کی دوکان کا کرایہ معاف کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

سائل : عظیم اللہ ، کورنگی ، کراچی

الجواب:-

متولی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وقف شدہ دوکان یا مکان کا کرایہ ، کرایہ دار کو معاف کرے اور کرایہ دار کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ وقف کے مال کو متولی کی اجازت سے اپنے پاس رکھے اور کرایہ ادا نہ کرے۔

مسجد کی دوکان میں ویڈیو کیسٹ وغیرہ بیچنا

الاستفتاء:-

مسجد سے دور کچھ زمین جو کہ مسجد ہی کی ملکیت ہے۔ اس میں دوکان بنا کر اس دوکان پر ریڈیو مکینک اور بجلی کا سامان ، کیسٹ ، ویڈیو کیسٹ وغیرہ بکتی ہیں۔ کیا اس دوکان کا کرایہ مصارفِ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نا جائز ؟

الجواب:-

جب دوکان معصیت (گناہ) معین کر کے اس کے لیے کرایہ پر لی جائے تو یہ اجارہ نا جائز ہے۔ اور کرایہ کی آمدنی بھی نا جائز ہوتی ہے۔ اور اگر اجارہ مطلق ہو اور کرایہ دار اس میں ایسے کام کرنے لگے جو نا جائز ہیں تو اجارہ جائز ہے ، اور کرایہ بھی جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ کرایہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔

مسجد کی دکان پگڑی پر دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد جو زیر تعمیر ہے، اس کے ساتھ چند دکانیں بھی تعمیر کر رہے ہیں، جو مسجد کے اخراجات کے لیے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ چار دکانیں جو تعمیر کر رہے ہیں اس کے لیے دوکان حاصل کرنے والوں سے چندہ کے طور پر رقم حاصل کر کے مسجد کے دوسرے تعمیری کام پر صرف کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ کیونکہ دوکان خالی کرنے کی صورت میں وہ خود دوسرے آنے والے سے جتنی بھی رقم وصول کرے اس سے مسجد کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ مسجد کو جو رقم حاصل ہوئی وہ امانت یا ایڈوانس تصور نہیں ہوگی بلکہ چندہ تصور ہوگی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ایڈوانس جو ایک طرح سے امانت ہوتی ہے وصول کر کے اسے مسجد پہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائلین: اراکین مسجد کمیٹی، جامع مسجد مدینہ

الجواب:-

جن کو دوکان دی جائے گی ان سے چندہ کے نام سے رقم لینا چندہ نہیں ہے۔ بلکہ پگڑی ہے اور پگڑی حرام ہے۔ اور اگر چندہ ہی مانا جائے تو یہ رضائے الٰہی کے لیے چندہ نہیں ایسا چندہ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ ضمانت کے طور پر جو روپیہ جمع کیا، جب وہ بطور امانت نہ ہو تو عند الضرورت اس کو خرچ میں لا سکتے ہیں۔ لیکن کرایہ دار جب دوکان خالی کرے گا تو ضمانت رکھی ہوئی رقم اس کو فوراً واپس کردی جائے، تو یہ جائز ہے۔ اور پیشگی کرایہ لے لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسجد کی دوکان کی رسید بدلنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

سبز مسجد صرافہ بازار کے ایک دوکاندار نے اپنی دوکان جو کہ مسجد ھذا کی ملکیت ہے، ۵ لاکھ بیس ہزار روپے میں ایک شخص کو پگڑی پر بیچی۔ دوکان خریدنے والے شخص نے کہا کہ دوکان کی رسید اگر ان کے نام کروا دی جائے تو وہ مسجد ھذا کے فنڈ میں پچاس ہزار روپے دے گا۔ کیا مسجد کمیٹی دوکان کی رسید اس شخص کے نام

کر سکتی ہے یا نہیں اور اس رقم کو بطور فنڈ لینا کیسا ہے ؟

الجواب:-

پگڑی لینا شریعت میں حرام ہے۔ اس کو مسجد میں لگانا بھی حرام ہے۔ پگڑی پر دوکان، مکان لینے والے رسید بدلنے کے لیے مالک کو کچھ رقم دیتے ہیں، یہ پگڑی کا حصہ ہوتا ہے یہ بھی حرام ہے۔ لہذا مسجد والے اس رقم کو نہ لے سکتے ہیں نہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ اس کا یہ کہنا کہ مسجد فنڈ میں دے گا غلط ہے۔ فنڈ میں دینا ہے تو بغیر رسید بدلوائے مسجد کو دے دے۔

مسجد میں ویڈیو فلم بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ :

ہمارے پڑوس میں ایک مسجد ہے، جس میں ۲۹ رمضان المبارک کو محلہ کے ایک صاحب دولت و ثروت لڑکے نے تراویح میں قرآن ختم کیا۔ اس موقع پر امام و خطیب کی رضامندی سے پوری تقریب کی مووی تیار کی گئی۔ علاوہ تراویح کے ختم کے طلباء کی دستار بندی بھی ہوئی اسے بھی فلمایا گیا۔ بعد میں کچھ لوگوں نے امام و خطیب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو انہوں نے کہا میں اسے اچھا سمجھتا ہوں اور یہ چیز مجھے پسند ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ تصویر اور مصور کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے جو ارشادات ہیں وہ بڑے واضح ہیں اور پھر مسجد جیسی جگہ پر خطیب صاحب کی یہ حرکت عجیب ہے، جس کی وجہ سے طبیعت میں سخت خلجان ہے۔ از راہ کرم مندرجہ ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں کہ :

(۱) نفس فلم اور وہ بھی مسجد میں بنوانا، اس کا کیا حکم ہے ؟

(۲) جو خطیب اس کو درست اور صحیح کہے اس کے لئے کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور وہ دینی قیادت کے اہل ہیں یا نہیں ؟

الجواب:-

جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئیں ہیں یہاں تک کہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا :

ان اشد الناس عذاباً عند الله المصورون

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیمۃ، صفحہ: ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی بیشک قیامت کے دن سب انسانوں میں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والے کو ہوگا۔

گناہ ہر جگہ گناہ ہے۔ جب مسجد میں کیا جائے تو سخت گناہ ہے۔ لہٰذا فلم بنانے والے، بنوانے والے، اس کو اچھا سمجھنے والے اور بخوشی اس میں شرکت کرنے والے سب گناہ گار ہیں۔ ان سب کو توبہ کرنی چاہیے۔ جس امام نے اس فعل کو اچھا بتایا، وہ ان سے بڑھ کر گناہ گار ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا ایک بات ہے اور گناہ کو اچھا سمجھ کر کرنا گمراہی بھی ہے اور افتراء علی الشرع بھی۔ جب تک وہ امام بالاعلان اسی جیسے مجمع میں جس میں فلم بنی تھی توبہ نہ کرے اور آئندہ کے لیے یہ وعدہ نہ کرے کہ آئندہ کبھی یہ کام نہ کروں گا۔ اس وقت تک اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی جائیں گی ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر و العلانیۃ بالعلانیۃ

(الجامع الصغیر للسیوطی، جلد (۱) صفحہ: ۱۱۷، دار الفکر، بیروت)

یعنی جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرلو، پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ اور کھلے کی اعلانیہ۔

مسجد کے احاطہ میں ٹی وی چلانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد کے احاطہ میں ٹی وی رکھنا، چلانا یا دیکھنا کیسا ہے؟ اور مسجد کے مکان میں اگر دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد نواز، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

ٹی وی ایک آلہ ہے، احکام شرعیہ کا تعلق اشیاء سے نہیں ہوتا "مکلفین" کے افعال سے ہوتا ہے۔ لہٰذا "ٹی وی" کے استعمال کرنے پر احکام نافذ ہوں گے۔ اگر ٹی وی سے قرآن و حدیث اور دینی باتیں، خبریں یا دوسری دنیاوی معلومات کے متعلق سننے اور سنانے والا امرد ہو تو جائز ہے اور اگر عورت کی آواز میں یہ پروگرام ہوں تو ناجائز۔ گانا بجانا وغیرہ مرد و عورت دونوں سے سننا ناجائز ہے۔ مسجد کے قریب امام اپنے مکان میں ٹی وی رکھ سکتا ہے اور جائز پروگرام دیکھ سکتا ہے۔ مگر اتنی تیز آواز سے ٹی وی نہ چلائے کہ مسجد میں پہنچے۔

امام و موذن کا مسجد کی بجلی سے ٹی وی چلانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ:
مسجد کی بجلی، گھروں میں استعمال کرنا، مسجد کی بجلی سے ٹی وی وغیرہ چلانا جبکہ آس پاس کے گھروں میں بجلی موجود ہو یا مسجد کی کوئی اور چیز استعمال کرنا جس میں مسجد کو کسی قسم کا فائدہ نہ ہو کیسا ہے؟ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا، سوال کرنا، دنیاوی باتیں کرنا یا سونا کیسا ہے؟

الجواب:-

مسجد کی بجلی یا کسی اور چیز کا استعمال مسجد کی ضرورتوں کے علاوہ کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔
مسجد میں دنیاوی تمام کام نا جائز ہیں۔ حدیث میں فرمایا:
"مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح برباد کر دیتا ہے، جیسے لکڑی کو آگ جلا کر ختم کر دیتی ہے"۔
اور مسجد میں گم شدہ چیز کو تلاش کرنا بھی حدیثوں میں منع ہے۔ امام اور موذن کے لیے بقدر ضرورت یعنی روشنی کے لیے بلب جلانا گرمی کے وقت پنکھا چلانا کمیٹی کی اجازت سے جائز ہے۔ لیکن ٹی وی، ریڈیو وغیرہ غیر ضروری کاموں میں کمیٹی کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہے۔

نعت، تقریر اور صلوۃ وسلام کے لیے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:
مسجد کے اسپیکر سے نعتیں پڑھنا، صلوۃ سلام پڑھنا، نیک اجتماعات میں جانے کے لیے بس وغیرہ کا اعلان یا قرآن و حدیث کا درس دینا اور علمائے حق کے اجتماعات کی دعوت دینا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

سائل: عبد الوحید قادری

الجواب:-

مسجد کمیٹی مساجد میں جن مذہبی اجتماعات کا اہتمام کرتی ہے، ان کا اعلان اور ان میں نعت خوانی اور تقاریر کے لیے مسجد کے مائیک کا استعمال کرنا متعارف ہونے کی وجہ سے مصارف مسجد میں سے ان پر خرچ کرنا جائز ہے۔ ان کے علاوہ شخصی طور پر کوئی شخص مسجد کی بجلی یا مسجد کا مائیک صرف اپنے یا چند لوگوں کی خاطر مسجد کی اشیاء کا استعمال نہیں کر سکتا۔ صلوٰۃ وسلام نماز جمعہ کے بعد اہلسنت کی مساجد میں پڑھا جانا متعارف ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی مائیک کا استعمال جائز ہے۔

مسجد کی لیٹرین کے استعمال پر نمازیوں سے پیسے لینا

الاستفتاء:-

مسجد کا استنجاء خانہ ہے، جس میں جمعدار رکھا گیا ہے جو کہ استنجاء خانہ کی صفائی ستھرائی رکھتا ہے۔ لیکن مسجد کی انتظامیہ اس کو تنخواہ نہیں دیتی۔ بلکہ جمعدار خود ہی لوگوں سے پیسے وصول کر لیتا ہے۔ یعنی جو بھی بیت الخلاء میں جاتا ہے اس سے ایک روپیہ وصول کرتا ہے۔ لیکن جمعدار پانی اور بجلی مسجد کی استعمال کرتا ہے۔ تو اس صورت میں مسجد کی انتظامیہ اس جمعدار سے پانی اور بجلی کا پیسہ وصول کر سکتی ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب:-

وقف کے مال سے ضروریات مسجد کے لیے جو استنجاء خانے بنائے جائیں ان میں نمازیوں سے روپیہ لینا جائز نہیں۔ اس لیے جمعدار تنخواہ پر رکھا جائے اور جب بجلی پانی بھی مسجد کا خرچ کیا جاتا ہے تو خاص طور پر جمعدار کو بلا تنخواہ رکھنا اور نمازیوں سے پیسے وصول کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔

مسجد کے مدرسہ میں دنیاوی اور دینی تعلیم دینا

الاستفتاء:-

مکرمی و محترمی قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

جناب عالی ہم حضرات منتظمہ کمیٹی جامع مسجد حنفیہ ٹرسٹ گلبہار نمبر ا کراچی درج ذیل مسائل کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں آپ سے رہنمائی کے طالب ہیں۔

ہماری اس مسجد حنفیہ ٹرسٹ گلبہار میں مسجد کے صحن سے ملحق ایک حصہ میں منتظمہ کمیٹی نے زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ کی رقم سے ایک مدرسہ اور وضو خانہ تعمیر کیا ہے۔ جس میں علاقہ کے مسلمان بچے دینی و دنیاوی یعنی انگریزی اور اردو تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جس پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے۔ اب آپ سے درخواست ہے کہ اس معاملہ میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ آیا وہاں تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ دنیاوی اردو انگریزی تعلیم سرکاری خرچ پر دی جارہی ہے۔ جس میں لڑکیوں کو بھی تعلیم دی جاتی ہے تو آیا لڑکی کو دنیاوی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیل سے اس مسئلے کا حل تحریر فرمائیں گے تاکہ ہم لوگوں کو صحیح راہ مل سکے۔

سائلین: منتظمہ کمیٹی مسجد حنفیہ، گولیمار، کراچی

الجواب:-

اس مسجد اور مدرسہ کے الاٹمنٹ کے کاغذات اور سائٹ پلان منگا کر دیکھیں اس میں علیحدہ علیحدہ حصہ متعین کر کے مدرسہ اور مسجد کے لیے زمین الاٹ کی گئی ہے اور مسجد و مدرسہ اپنی اپنی جگہ پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ لہٰذا مدرسہ کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن مسجد کے فنڈ سے مدرسے میں کچھ بھی خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ پرائمری اسکول میں چھوٹے بچے پڑھتے ہیں چھوٹی لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لڑکیوں کو دینی تعلیم دینا تو ضروری ہے۔ صرف لکھنا سیکھانے سے متعلق ایک حدیث میں نہی کا صیغہ وارد ہوا ہے، اس سے مراد نہی تنزیہی ہے یعنی اچھا نہیں۔ لکھنا سکھانا ناجائز و حرام نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتاب الجنائز

غسل میت کا بیان

میت کو دو مرتبہ غسل دینے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ میت کو دو بار غسل دینا کیسا ہے؟ اس عمل کا کہیں حدیث میں ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:-

میت کو دو بار غسل دینا ثابت نہیں، اس لئے دوبارہ غسل نہیں دیا جائیگا جبکہ ایک مرتبہ غسل سنت کے مطابق صحیح طور پر دے دیا گیا ہو۔

میت کو نہلاتے وقت کس رخ رکھا جائے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

میت کو غسل دیتے وقت کس رخ رکھنا چاہیئے؟

الجواب:-

میت کو غسل دیتے وقت اس طرح رکھیں جس طرح قبر میں لٹاتے ہیں یا قبلہ کی طرف پاؤں کر کے لٹائیں۔ صاحب عالمگیری متوفی ۱۱۶۱ھ نے لکھا:

وکیفیة الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولاً کما فی حالة المرض اذا اراد الصلوة بایماء ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انه یوضع کما تیسر کذا فی الظهیریة

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی غسل المیت، صفحہ: ۱۵۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک میت کو لمبائی میں رکھا جائے گا جیسے کہ مرض میں اشاروں سے نماز پڑھنے والوں کی حالت ہوتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اسے ایسے رکھا جائے گا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ جیسے آسانی ہو ویسے رکھا جائے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

میت کو غسل دینے پر اجرت لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

میت کو غسل دینے پر غسال (غسل دینے والے) کو اجرت لینا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمائیں۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ میت کو غسل دینے کی ذمہ داری اس کے رشتہ داروں میں سے کس پر عائد ہوتی ہے؟

الجواب:-

میت کو غسل دینے والا میت کے قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہونا چاہیے۔ صاحب عالمگیری متوفی ۱۱۶۱ھ نے لکھا:

ویستحب للغاسل ان یکون اقرب الناس الی المیت فان لم یعلم الغسل فاھل الامانۃ والورع

(جلد(۱) کتاب الصلوۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی غسل المیت، صفحہ: ۱۵۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور مستحب ہے کہ غسل دینے والا میت کے قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہو پس اگر قریبی رشتہ دار غسل دینا نہ جانتا ہو تو امانت دار و متقی غسل دے۔ اور اگر غسل دینے والے بہت سے ہوں تو غسال اجرت لے سکتا ہے اور اگر کوئی دوسرا نہیں صرف ایک ہی غسل دینے والا ہے تو اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بلا اجرت غسل دے۔ عالمگیری میں ہے:

والافضل ان یغسل المیت مجانا وان ابتغی الغاسل الاجر فان کان ھناک غیرہ یجوز اخذ الاجر والالم یجز

(حوالہ بالا)

یعنی بہتر ہے کہ میت کو مفت بلا اجرت غسل دے اور اگر نہلانے والے وہاں اس کے علاوہ اور بھی ہیں تو اجرت لینا جائز ہے اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تو اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

عورت میت کے بال کہاں رکھے جائیں؟

الاستفتاء:-

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

بہار شریعت، شرح وقایہ، در مختار اور دیگر کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے بالوں کو دو حصوں میں کر کے کرتے کے اوپر سینے پر ڈال دیں۔ مگر بخاری شریف اور ترمذی شریف میں جو حدیثیں ام عطیہ سے مروی ہیں، اس کے مطابق عورت کے بالوں کی تین چوٹیاں کر کے پیچھے دے دی جائیں اور امام شافعی امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے۔ اب حنفیہ کے پاس ایسی کونسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ان تمام حدیثوں پر فعل حنفیہ کی افضلیت کو ثابت کرے۔

سائل: فقیر محمد پرویز قادری رضوی، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:-

احادیث کی کتابوں میں ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو روایت ہے، اس میں ام عطیہ کا یہ فعل ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے حضور کی صاحبزادی کو غسل دینے کے بعد سر کے بالوں کے تین حصے کئے تھے کسی روایت میں یہ منقول نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ لہذا یہ فعل صحابیہ ہے اور افعال صحابہ کے بارے

میں بہت اختلاف ہے کہ ادلہ شرعیہ میں ان کا مرتبہ کیا ہے؟ صاحبین کا قول بھی ہے لہٰذا اس معاملہ میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ تزئین و آرائش کا تعلق میت سے نہیں ہوسکتا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنھا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بالوں میں غسل کے وقت کنگھی کی اس کے بعد تین حصے کر کے پیٹھ کے پیچھے بالوں کو پھیلادیا تھا۔

(بخاری، جلد (۱) کتاب الجنائز، باب مایستحب ان یغسل وترا، صفحہ: ۱۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حنفیہ نے دو وجوہات کی بناء پر یہ فعل اختیار نہیں کیا۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کنگی کرنا اور پیٹھ کے پیچھے بالوں کو لٹکانا زینت ہے۔ اس لئے کہ عورتیں اپنی زندگی میں بالوں کو پیچھے لٹکاتی ہیں۔

اور دوسری وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا قول ہے جسے علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے حدیث بالا کی شرح میں نقل کیا ہے:

الا تری ان عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت علام تنصون میتکم اخرجه عبد الرزاق فی مصنفه عن سفیان عن حماد عن ابراهیم عنها وتنصون فی نصوت الرجل انصوه نصواً اذا مددت ناصیه وارادت عائشة منه ان المیت لا یحتاج التسریح ونحوه لانه للبلیٰ والتراب

(عمدة القاری، جلد (۸) کتاب الجنائز، باب مایستحب ان یغسل وترا، صفحہ: ۴۳، بیروت)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا: کس بنا پر تم اپنی میت کو آراستہ کرتے ہو۔ تخریج اس کی عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں سفیان سے انھوں نے حماد سے اور انھوں نے ابراہیم نخعی سے ابراھیم نے حضرت عائشہ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے اس سے مراد یہ لی کہ میت کو ضرورت نہیں بالوں کو کنگھی کرنے کی۔ کیونکہ وہ خاک آلودہ اور مٹی میں مل جانے والی چیز ہے۔

نماز جنازہ کا بیان

نماز جنازہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں کہ :

نماز جنازہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور نیت فرض کی کریں گے یا فرض کفایہ کی ، اگر نیت فرض کی ، کی گئی تو نماز ہو جائیگی یا نہیں ؟

الجواب:-

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ۔ فرض کی نیت کرنے سے بھی ادا ہو جائیگی ۔

سب سے پہلے پڑھی جانے والی نماز جنازہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

نماز جنازہ کب فرض ہوئی ، سب سے پہلے نماز جنازہ کس کی پڑھی گئی اور کس نے پڑھائی ؟ تفصیلاً

جواب دیکر مشکور ہوں۔

سائل : عبد القیوم نورانی

الجواب:-

سب سے پہلے نماز جنازہ ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں پہنچ کر حضرت براء ابن معروب کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اس میں نو (۹) صحابہ کرام نے شرکت کی، ان صحابی کا انتقال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف پہنچنے سے کچھ دن پہلے ہوگیا تھا، اس کے بعد حضرت اسعد ابن زوراره کا ہجرت کے پہلے سال انتقال ہوا تو سب سے پہلے ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ یہ ساری تفصیل سیرت حلبیہ جلد ثانی صفحہ ۴۱ پر ہے۔

فرض نماز کے بعد پہلے جنازہ پڑھیں یا سنتیں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر مسجد میں جنازہ مغرب کی نماز سے کچھ قبل لایا گیا مغرب کی فرض نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد پہلے نماز جنازہ ادا کریں گے یا سنتیں؟

سائل: سید اکبر علی، الہلال مسجد، کراچی

الجواب:-

پہلے سنت پڑھی جائیں اس کے بعد نماز جنازہ پڑھیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

الفتوٰی علی تاخیر الجنازۃ عن السنة

یعنی فتوی اس پر ہے کہ نماز جنازہ کو سنت سے موخر کریں۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

ای سنة الجمعة کما صرح به هناک و قال فعلی هذا تؤخر عن سنت المغرب لانها اکد

(جلد (۱) باب العیدین، مطلب فی مایترجح تقدیمه من ثلاث عید الخ، صفحه: ۶۱۱، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی اس سے مراد سنت جمعہ ہیں جیسا کہ درمختار میں اس کی وضاحت کی گئی اور کہا کہ اسی بنیاد پر سنت مغرب سے بھی نماز جنازہ کو موخر کریں گے کیونکہ وہ موکدہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
مسجد کے محراب کے عین سامنے اگر جنازہ رکھا ہو اور محراب سے ایک بڑی کھڑکی باہر کی طرف کھلتی ہو اور امام عین جنازہ کے برابر محراب کے اندر کھڑا ہو۔ تین یا چار آدمیوں کی ایک صف بھی محراب میں ہی ہو۔ جبکہ باقی صفیں مسجد میں ہی ہوں آیا نماز جنازہ پڑھنے کی یہ صورت درست ہے ؟
سائل : حاجی محمد الیاس ، سیکریٹری جامع مسجد کھتری ، پیر کالونی ، کراچی

الجواب:-

مفتیٰ بہ قول کے مطابق مسجد میں نماز جنازہ دونوں صورتوں میں نا جائز ہے خواہ جنازہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر اور امام و مقتدی مسجد کے اندر ہوں یا باہر اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

و المختار الکراھة مطلقاً ۔

قول مختار مطلق کراہت کا ہے (یعنی کراہت تحریمی کا)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے در مختار کی عبارت " مطلقاً " پر لکھا :

ای فی جمیع الصور المتقدمة کما فی الفتح عن الخلاصة و فی مختارات النوازل سواء کان المیت فیہ او خارجہ ھو ظاہر الروایة

یعنی تمام مذکورہ صورتوں میں (نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے) جیسا کہ فتح میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے سے نقل کیا گیا اور مختارات النوازل میں ہے برابر ہے کہ میت مسجد میں ہو یا خارج مسجد اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

علامہ شامی نے اس بحث کے اختتام پر تحریر کیا :

و بھذا التقریر ظھر ان الحدیث مؤید القول المختار من اطلاق الکراھة الذی ھو ظاہر الروایة۔

(جلد (۱) باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی کراھة صلاۃ الجنازۃ فی المسجد، صفحہ: ۶۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ بے شک حدیث مبارکہ تائید کرتی ہے قول مختار یعنی مطلق کراہت کی اور یہی ظاہر الروایت ہے۔

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عالمگیری میں لکھا :

و صلاۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعة مکروھة سواء کان المیت و القوم فی

المسجد او کان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد و القوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد و الامام و القوم خارج المسجد هو المختار کذافی الخلاصة

(جلد (۱) کتاب الصلاۃ، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت، صفحہ: ۱۶۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے، جس میں ہم نماز با جماعت قائم کرتے ہیں برابر ہے کہ میت اور قوم مسجد میں ہوں یا میت مسجد سے باہر ہو اور قوم مسجد کے اندر ہو یا امام کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد سے باہر ہو اور باقی قوم یعنی مقتدی مسجد کے اندر ہوں یا میت مسجد کے اندر ہو اور امام و مقتدی حضرات مسجد کے باہر ہوں یہی مذہب مختار ہے ایسا ہی "خلاصۃ الفتاوی" میں ہے۔

صاحب بحر الرائق الشیخ زین الدین المعروف علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بھی تقریباً بعینہ یہی قول پیش کیا ہے اور اپنے موقف کی تائید میں ابو داؤد کی مرفوع حدیث نقل کی۔

(جلد (۱) کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاته، صفحہ: ۱۸۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اسی قول کو شرح ملتقی الابحر میں مختار بتایا اور فرمایا:

والمختار الکراهة مطلقاً کما حررناه فی الخزائن

(جلد (۱) صفحہ: ۱۸۵)

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں تو صاف لکھا:

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة

(اولین، باب الجنائز، فصل فی الصلاۃ علی المیت، صفحہ: ۱۸۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی ایسی مسجد جس میں جماعت ہوتی ہے نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر میں لکھا:

فی الخلاصة مکروه سواء کان المیت و القوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد (الی اخره) هذا فی الفتاوی الصغری قال هو المختار۔

(جلد (۲) باب الجنائز، فصل فی الصلاۃ علی المیت، صفحہ: ۹۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ (نماز جنازہ) مسجد میں مکروہ ہے چاہے میت اور نمازی مسجد میں ہوں یا میت مسجد کے باہر ہو اور نمازی مسجد کے اندر۔ الی اخرہ یہی فتاوی الصغری میں ہے اور فتاوی صغری والوں نے اسے قول مختار بتایا ہے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ نے فتاوی رضویہ میں لکھا:

ظاہر الروایۃ میں ہمارے آئمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ میت بیرون مسجد میں ہو ارجح و اصح و مختار و ماخوذ قول یہی ہے۔ فان الفتوٰی متی اختلفت وجب المصیر الی ظاہر الروایۃ کما افادہ فی البحر و الدرر و غیرھا

(جلد (۴) باب الجنائز، صفحہ: ۳۲، ناشر دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ، کراچی)

یعنی جب مختلف فتاوٰی میں اختلاف ہو جائے تو فتویٰ اس پر ہے کہ ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے مایہ ناز محدث اور فقہ حنفی کے جلیل القدر مؤید و ناصر امام ابی جعفر احمد بن محمد الازدی المصری الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں ایک باب " باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ ھل ینبغی ان تکون فی المسجد او لا " کے عنوان سے باندھا اس میں اپنے طریقے کے مطابق احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

ھذا الذی ذکرنا من النھی عن الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد و کراھتھا قول ابی حنیفۃ و محمد و ھو قول ابی یوسف ایضاً

(جلد (۱) کتاب الجنائز، صفحہ: ۳۱۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی یہ وہ جو ہم نے مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت سے متعلق ذکر کیا اور ائمہ ثلاثہ کا موقف یہی ہے۔
اور یہی قول احادیث مبارکہ کے مطابق بھی ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں حدیث ہے:

من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ

(حصہ دوم، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد، صفحہ: ۹۸، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے (ثواب) میں سے کچھ نہیں۔
اور بعض روایات میں فلا اجر لہ آیا ہے۔ یعنی اس نماز جنازہ کا کوئی اجر مرتب نہیں ہوگا۔ ہمارے فقہائے احناف نے، ان ہی احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھنی چاہیے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے انتقال کی خبر صحابہ کرام کو سنائی اور میدان میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ و الصلوٰۃ علیھا، الفصل الاول، صفحہ: ۱۴۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور ظاہر بات ہے کہ نجاشی کا جنازہ مسجد میں نہ تھا بلکہ مدینہ طیبہ میں بھی نہ تھا۔

نوٹ:-

حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کے ساتھ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خصوصیات میں سے ہے یا پھر نجاشی کی نماز جنازہ حضور کے سامنے کردی گئی تھی کہ حضور نجاشی کی میت کو ملاحظہ فرما رہے تھے ۔ احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ۔ (مرتب)

ہمارے فقہاء نے عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اور عذر بھی ساتھ میں لکھ دیا کہ " بارش ایسی ہو رہی ہو جس کی وجہ سے کھلی جگہ میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو مسجد میں جائز ہے " ۔ لہٰذا حدیث وفقہ کی روشنی میں سوال میں مذکورہ صورت یعنی میت کو باہر رکھ کر مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی یعنی حرام کے قریب اور گناہ ہے اور یہ عذر کہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں پڑھ لی جائے قابل سماعت نہیں ہے اس لئے ہر محلہ میں کہیں نہ کہیں میدان اور پارک کی جگہ ہے وہاں جاکر نماز پڑھ لی جائے ورنہ شہروں میں سڑکوں پر شامیانے لگاکر شادیاں کی جاتی ہیں اور دن بھر ٹریفک بند رکھا جاتا ہے ، رات کو جلسے کئے جاتے ہیں اور سڑک بند کی جاتی ہے تو پانچ منٹ کیلئے سڑک پر نماز جنازہ پڑھ لینے میں کیا حرج ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں نماز جنازہ مسجد میں مکروہ تحریمی ہے خواہ جنازہ مسجد میں رکھیں یا باہر۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک مسلمان جو نماز و روزہ کا پابند تھا ۔ عرصہ دو سال سے عراق کے شہر بصرہ میں مقیم بطور فورمین کام کر رہا تھا مورخہ ۲ جون ۸۷ء کو پچاس فٹ بلندی سے گر کر فوت ہوگیا ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) حکومت عراق نے انکوائری کر کے لاش مورخہ ۲۵ جولائی ۸۷ء کو بذریعہ جہاز پاکستان بھیج دی ۔ جہاز سے پہلے کراچی پھر اسلام آباد پھر اس شخص کے آبائی گاؤں " دئیوال " ضلع جہلم لاش لائی گئی لاش کے ساتھ چار آدمی بھی پاکستان آئے تھے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ۸۷/۷/۲۵ کو جنازہ کو اپنے ہاتھوں سے کفن اور غسل دیا عراق سے پاکستان آنے تک تقریباً ۷۲ گھنٹے گزر گئے ۔

جب جنازہ کیلئے لوگ جمع ہوئے تو مقامی امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا صرف دعائے مغفرت مانگی گئی جنازہ اس لئے نہ پڑھایا کہ تین دن گزر چکے تھے اب جنازہ نہیں پڑھایا جاسکتا ۔ جبکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی جنازہ کے ہمراہ تھی بہر حال جنازہ بغیر نماز پڑھائے دفن کردیا گیا ۔ وہاں پر موجود لوگوں میں سے بعض نے اعتراض کیا کہ " یہ جنازہ غیر ممالک سے آج پہلی دفعہ نہیں آیا بلکہ آئے دن ایسے واقعات پاکستان میں رونما ہوتے رہتے ہیں جنازے غیر ممالک سے آتے ہیں اور نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے " لیکن امام موصوف نے دفن کے

بعد یہ کہا کہ اگر یہاں صندوق کھول کر غسل دے دیتے تو میں نماز جنازہ پڑھا دیتا۔ مولوی صاحب نے نماز جنازہ نہ پڑھانے کا ایک عذر یہ بھی پیش کیا کہ لاش خراب ہو چکی تھی مگر اس عذر کا علم جنازہ پڑھنے والوں کو نہیں ہوا ۔

دفن کرنے کے دوسرے دن کی بات ہے کہ ہم لوگ جامعہ رحمانیہ رضویہ، جی ٹی روڈ، ضلع جہلم گئے جہاں جناب مولانا محمد عبد الرشید سیالوی سے عرض کی اور سارا واقعہ کہہ سنایا تو علامہ عبد الرشید سیالوی صاحب! نے اسی وقت ساڑھے آٹھ بجے رات ۸۷/۷/۲۷ کو نماز جنازہ قبر پر پڑھائی اب لوگوں میں کافی بحث و مباحثہ ہو رہا ہے کہ کس امام کا عمل صحیح تھا؟ جس نے نماز جنازہ پڑھائی یا جس نے نہ پڑھائی۔ لہٰذا آپ سے رجوع کیا جارہا ہے کہ اب آپ صحیح جواب سے آگاہ فرمائیں۔

سائل: لیاقت حسین ولد عبد الرحمن، نئی آبادی، کراچی

الجواب:-

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جب کوئی مسلمان بھی نہ پڑھے تو سب اہل محلہ گناہ گار ہوں گے۔ اس طرح کی میتیں جن کی موت دوسرے ملکوں میں ہوتی ہے وہاں انکوائری مکمل ہونے تک ان کو ٹھنڈی جگہ میں رکھا جاتا ہے، جب میت کو اس کے ملک بھیجنا ہوتا ہے تو صندوق کو اس طرح بند کیا جاتا ہے کہ اس میں ہوا کا گزر نہ ہو اور ایسے کیمیکلز صندوق میں رکھے جاتے ہیں کہ جن سے میت خراب نہ ہو۔

صورت مسئولہ میں جب میت کے ساتھ آنے والوں نے یہ بیان دیا کہ ۲۵ تاریخ کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے غسل و کفن دیا تو امام کا نماز پڑھانے سے انکار کرنا، غلط تھا اور یہ عذر بیان کرنا کہ غسل نہیں دیا گیا۔ غسل دوبارہ دیا جائے شہادت کو بلا وجہ رد کرنا تھا اور اس طرح مسلمان میت کو بغیر نماز پڑھے ہوئے دفن کرنے کا گناہ، اس امام پر ہے، جس نے نماز پڑھانے سے انکار کیا۔

جب مسلمان میت کو نماز پڑھے بغیر دفن کردیا جائے تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی۔ مگر شرط یہ ہے اس وقت تک پڑھی جائے گی جب تک غالب گمان ہو کہ میت خراب نہ ہوئی ہوگی اس کے لئے کسی مدت و وقت تعین نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ موسم، زمین اور میت کے اعتبار سے وقت کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ گرمی اور تر زمین میں میت جلد خراب ہوتی ہے جبکہ سردی اور خشک زمین میں دیر سے۔ بہرحال جب غالب گمان ہو جائے کہ میت خراب ہو گئی ہوگی تو قبر پر نماز پڑھنا جائز نہیں اور جب تک غالب گمان میت کے خراب نہ ہونے کا ہے اس وقت تک بالاتفاق نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب میت کے خراب اور عدم خراب میں شک ہو اس وقت تک بھی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

و ان دفن و اھیل علیہ التراب بغیر صلاۃ او بھا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ صلی علی قبرہ

استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ہو الاصح و ظاہرہ انہ لو شک فی تفسخہ صلی علیہ

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب تعظیم اولی الامر واجب، صفحہ: ۶۵۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور اگر میت کو دفن کر دیا اور اس پر بغیر نماز پڑھے یا بلا غسل یا ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی اور اس پر مٹی ڈال دی تو استحساناً اسکی قبر پر نماز پڑھی جائے گی جب تک اس کے خراب ہونے کا گمان نہ ہو۔ بغیر اندازے کے یہی قول صحیح ہے۔ اور اگر اس کے خراب اور نہ خراب ہونے میں شک ہے تب بھی اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

لہٰذا جس امام نے نماز پڑھائی اور بظاہر اس وقت تک لاش کے پھولنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہیں تھا تو ان کا عمل صحیح تھا انہوں نے مسلمان میت کا حق ادا کر دیا اور جس نے نماز نہیں پڑھائی انہیں اپنی اس غلطی پر سب مسلمانوں کے سامنے توبہ کرنا چاہئے۔

ایک میت کی کتنی مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
ایک میت کو سامنے رکھ کر کتنی مرتبہ اس کی نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے؟

جواب دیں۔

الجواب:-

جس میت پر ایک مرتبہ نماز جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھی گئی یا ولی بھی نماز جنازہ میں شریک تھا، اس طرح نماز پڑھ لی گئی تو اب دوبارہ اس میت پر نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

ان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم و تابعہ الولی لا یعید

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صلاۃ الجنائز، مطلب تعظیم اولی الامر واجب، صفحہ: ۶۵۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جسے شرعی حق حاصل ہے جیسے بادشاہ یا اس کا نائب یا امام محلہ یا جسے حق تقدم نہیں تھا لیکن ولی نے اس کی اقتدا میں نماز جنازہ پڑھ لی تو اب دوبارہ نہیں پڑھی جاسکتی۔

بے نمازی، ڈاکو اور چور کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

جس شخص نے پوری زندگی نماز نہیں پڑھی اور دنیا سے چلا گیا یا چوری کرتا ہوا، ڈاکہ مارتا ہوا مر جائے تو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:-

نماز جنازہ ہر مسلمان کی پڑھی جائے گی، خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار ہو۔ صرف چند لوگ ایسے ہیں، جن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) جو امام برحق پر خروج و بغاوت کرتا ہے اور پھر اسی بغاوت میں مارا جائے۔

(۲) وہ ڈاکو جو ڈاکہ ڈالتے ہوئے مارا جائے۔

(۳) وہ لوگ جو ناحق آپس میں لڑیں اور اس میں مارے جائیں بلکہ جو مسلمان بطور تماش بین وہاں کھڑا تھا اور اس کو گولی وغیرہ لگ جائے اور پھر وہ مرجائے تو اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۴) جو شخص کئی مسلمانوں کو گلا گھونٹ کر مار چکا ہو، جب یہ خود مرے گا تو اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۵) جس نے اپنے ماں یا باپ کو قتل کیا ہو جب یہ مرے گا تو اسکی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

باغی کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میں نے فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ سات قسم کے اشخاص کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ ان سات میں ایک وہ شخص ہے جو امام برحق کے خلاف بغاوت کرلے اس کی نماز نہیں پڑھی جائیے کیا وہ شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے نماز نہیں پڑھی جاہیے یا کوئی اور وجہ ہے؟ تفصیل سے جواب دیں بڑی مہربانی ہوگی۔

سائل: محمد صادق

الجواب:-

خلیفۃ المسلمین یعنی امام برحق کی مخالفت کرنا اور اس کی اطاعت سے بغاوت کرنا "گناہ کبیرہ" ہے، کفر نہیں۔ اس کو غسل نہ دینا اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اس لئے ہے کہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور خود ان باغیوں کی توہین کرنا بھی مقصود ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے الرد المحتار میں لکھا:

وانما لم یغسلوا ولم یصل علیھم اھانۃ لھم وزجراً لغیرھم عن فعلھم

(جلد (۱) باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی بیان من ھو احق بالصلاۃ علی المیت، صفحہ: ۶۴۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

باغیوں کو غسل دیا جائے اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ان کی اہانت اور دوسروں کو ان کے فعل سے ڈرانے کے لئے۔

شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

زید! جو کہ اپنے آپ کو سنی اور سنی مدرسہ کا فارغ التحصیل بتاتا ہے اور وہ ایک مسجد میں امامت و خطابت بھی کرتا ہے۔ دو جنازے بیک وقت لائے گئے، جن میں ایک سنی کا تھا اور ایک شیعہ کا۔ زید نے دونوں جنازے آمنے سامنے رکھوا کر نماز جنازہ پڑھائی اور دعائے مغفرت کی۔ نماز کے بعد کچھ لوگوں نے امام مذکور سے پوچھا کہ تم نے شیعہ کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی؟ تو امام نے کہا کہ "میں نے سنی کی نماز جنازہ پڑھائی شیعہ کے لئے نیت ہی نہیں کی" حالانکہ سیکڑوں افراد اس بات کے عینی شاہد ہیں کہ امام نے نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے یہ وضاحت نہیں کی کہ میں صرف سنی کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں لہذا لوگ بھی صرف اسی کی نیت کریں اور نہ ہی شیعہ کا جنازہ الگ رکھا ہے بلکہ دونوں جنازے ایک ساتھ رکھے۔ اس سلسلہ میں آپ سے حکم شرع دریافت کرنا ہے کہ:

(۱) کیا ایسا امام، امامت کے قابل ہے یا اسے معزول کر دیا جائے؟

(۲) ان مقتدیوں اور مسجد کے منتظمین کیلئے کیا حکم ہے جو حکم شرعی معلوم ہونے کے باوجود بھی ایسے امام کو امامت سے معزول نہ کریں بلکہ بدستور اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہیں؟

(۳) کیا ایسے افراد اس قابل ہیں کہ انہیں مسلک اہلسنت کی مساجد میں منتظم بنایا جائے؟

(۴) ان تمام مقتدیوں کے لئے کیا حکم ہے کہ جنھوں نے شیعہ کی نماز جنازہ امام مذکور کے پیچھے پڑھی۔ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب:-

آج کل شیعہ عام طور پر " تبرائی " اور حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے منکر اور ان کو سب و شتم (گالی گلوچ) کرتے ہیں ۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں ۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع قطعی ہے اور اس کا یقین رکھنا ضروریات دین میں سے ہے اس کا انکار کرنا کفر ہے ۔ صاحب نور الانوار علامہ مولانا المولوی حافظ الشیخ احمد المعروف ملا جیون متوفی ۱۱۳۰ھ نے اصول فقہ کی مشہور ترین کتاب نور الانوار میں لکھا :

فالاقوی اجماع الصحابة نصا مثل ان یقولوا جمیعا اجمعنا علی کذا فانه مثل الایة و الخبر المتواتر حق یکفر جاحده و منه الاجماع علی خلافة ابی بکر

(بحث مراتب اهل الاجماع، صفحه: ۲۲۶، مکتبة شرکت علمیه، ملتان)

پس صحابہ کا اجماع قوی ترین ہے مثال کے طور پر ان کا کہنا کہ ہم نے اس پر اجماع کیا پس بیشک یہ اجماع آیت قرانی اور حدیث متواتر کی مثل ہے ۔ یعنی افادہ یقین میں یہاں تک کہ اجماع صحابہ کے منکر کو کافر کہا جائے گا اور خلافت ابوبکر پر ایسا ہی اجماع ہے ۔

فتاوی عالمگیری (مصنفہ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ) میں ہے :

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالی عنه فهو کافر

(جلد (۲) صفحہ ۲۶۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا انکار کیا وہ کافر ہے ۔ علامہ محمد شہاب الدین بزاز متوفی ۸۲۷ھ نے فتاوی بزازیہ میں لکھا :

من انکر خلافة ابی بکر رضی اللّٰہ عنه فهو کافر فی الصحیح

(بر حاشیه عالمگیری، جلد (۶) کتاب الفاظ تکون اسلاما او کفرا او خطاء، صفحه: ۳۱۸، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی جس نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کیا وہ کافر ہے ، صحیح مذہب میں ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت میں قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ نازل ہوئیں ، اب ان پر تہمت لگانے والا قرآن کا منکر ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے اور یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت قرآن کریم میں کی گئی ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۝

(سورة (۹) التوبة ، آیت : ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مرگئے۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔

(سورہ (۴) النساء، آیت: ۱۱۶)

اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھرایا جائے۔

اسی بنا پر علامہ امام قرافی اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے:

الدعآء بالمغفرۃ للکافر کفر لطلبہ تکذیب اللّٰہ تعالٰی فیما اخبر بہ

(فتاوی شامی)

یعنی کافر کے لئے دعائے مغفرت کرنا کفر ہے بسبب اللہ تعالٰی کے فرمان کی تکذیب کی وجہ سے۔

اسی قول کو علامہ طحطاوی نے بھی نقل کیا اور لکھا:

و الدعآء بالمغفرہ للکافر لا یجوز (من ادعی القرافی) انہ کفر

اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا جائز نہیں۔ بے شک یہ کفر ہے۔ جیسا کہ امام قرافی کا قول ہے۔

اس پر اعلٰی حضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ تحریر فرماتے ہیں یعنی اگر کفار کی مغفرت اور ان کا دوزخ سے نجات پانا شرعاً جائز مانتا ہے تو بے شک منکر نصوص قطعیہ ہے، ورنہ حرام۔

جس امام نے جان بوجھ کر شیعہ کی نماز پڑھائی وہ کم از کم سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اگر قابل مغفرت جان کر نماز پڑھائی تو اس پر حکم کفر ہوگا۔

لہٰذا اس پر توبہ کرنا فرض ہے اور بالاعلان توبہ کرے اور اگر شادی شدہ ہے تو احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرے اور تجدید ایمان بھی۔ جب تک بالاعلان توبہ نہ کرے اس کی امامت ناجائز اور اس کی اقتداء میں جو نمازیں پڑھی جائے گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

قرآن کریم کا حکم یہ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ٥

(سورۃ (۵) المائدہ، آیت: ۲)

یعنی نیکی اور تقوی کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔

لہٰذا کمیٹی کے ممبران اور دیگر مقتدی حضرات کہ جنہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ شیعہ کی نماز جنازہ پڑھائی جا رہی ہے، اور انہوں نے پڑھی، ان سب کے لئے وہی حکم ہے جو امام کے لئے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔ پھر جان بوجھ

کر امام کی طرف داری کرنا ، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور سب مقتدیوں کی نمازیں ضائع کرنا سخت گناہ ہے اور قرآن کی مذکورہ بالا نص کے خلاف ہے ۔ لہٰذا ان لوگوں کو بالاعلان فوراً توبہ کرنا چاہئے اور اگر امام اور یہ حضرات توبہ کرنے سے گریز کریں تو اہل محلہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کا بائیکاٹ کریں ۔ شیعہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد ، اس امام کے پیچھے ، جتنی نمازیں پڑھیں ، ان کا اعادہ کریں ۔ آئندہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز کریں ۔

غیر مقلد کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

غیر مقلد یعنی وھابی کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے ؟

سائل : شفیع محمد قادری

الجواب :-

غیر مقلد ، دیوبندی اور شیعہ وغیرہ جتنے باطل فرقے ہیں ، ان میں ایک گروہ تو وہ ہے ، جس نے اللہ اور رسول کی توہین کی اور گستاخانہ عبارات لکھیں ۔ اور ایک گروہ وہ ہے جس نے خلافت ابو بکر کا انکار کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا پر افتراء بازی کی ، ان لوگوں کا حکم تو وہی ہے جو علماء حرمین ، مصر اور شام وغیرہ نے ان کے متعلق لکھا ۔ زمانہ دراز سے " حسام الحرمین " کے نام سے فتوی چھپ کر کتابی شکل میں تمام بڑے کتب خانوں میں دستیاب ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں " من شک فی کفرھم وعذابھم فھو کافر "

یعنی جو ان کے کافر ہونے اور ان پر عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے ، لہٰذا جو مسلمان ان کی کفریہ عبارات کو جانتے ہوئے بھی ، ان کو مسلمان سمجھتا ہے ، وہ انہی جیسا ہے ۔

مگر ان گروہوں کے عوام کی اکثریت ، ان کی حقیقت کو نہیں پہچانتی اور نہ ان کی کفریہ عبارات کو جانتی ہے ، بلکہ فروعی اختلاف قرار دیکر صرف میلاد و قیام اور عرس وغیرہ میں اختلاف کی طرح جانتی ہے ، اور ان کو مسلمان سمجھتی ہے ۔ ایسی لوگوں کو کافر نہیں کہا جاسکتا ۔ بلکہ یہ لوگ گمراہ ہیں ، لہٰذا صورت مسئولہ میں مرنے والے کے متعلق اگر یہ معلوم تھا کہ وہ ان لوگوں کی کفریہ عبارات پر مطلع ہو کر بھی ان کو مسلمان سمجھتا تھا

اور نماز پڑھنے والے اور پڑھانے والا بھی یہ بات جانتے تھے کہ مرنے والا ایسے عقیدے کا تھا تو سب کا ایک ہی حکم ہوگا۔ اور اگر وہ لوگ جانتے تھے کہ مرنے والا ان کے عقیدے کو نہیں جانتا تھا۔ تو ان پر حکم کفر نہیں ہوگا۔

کھاد پر اور جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد کے ساتھ ایک گراؤنڈ ہے، اس گراؤنڈ میں گھاس لگانے کیلئے کھاد پھیلا دی گئی ہے۔ آیا اس گراؤنڈ میں نماز جنازہ پڑھنا جبکہ وہ گھاس سوکھی ہوئی ہو، جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ نماز جنازہ کی ادائیگی کے وقت جوتا نہیں اتارتے اور کچھ جوتوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ آیا اس طرح نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:-

نماز جنازہ کیلئے بھی طہارت اسی طرح شرط ہے، جس طرح دوسری نمازوں کیلئے۔ لہٰذا کھاد پر نماز نہیں ہوگی ہاں اگر گھاس اتنی بڑی ہو جائے کہ اس پر پاؤں رکھنے سے پاؤں کا کوئی حصہ کھاد سے نہ ملے تو اس صورت میں نماز جائز ہوگی۔ جوتے کا تلا اگر پاک ہے تو اسے پہن کر یا اس پر کھڑے ہو کر نماز جائز ہے اور اگر تلا ناپاک ہے تو دونوں صورتوں میں یعنی پہن کر یا اس پر کھڑے ہو کر نماز ناجائز ہوگی۔

نماز جنازہ میں تکبیر چھوٹ جانے کا حکم

الاستفتاء:-

اگر نماز جنازہ کی چاروں تکبیرات میں سے آخری تکبیر نہ کہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سائل: شاہد علی، اورنگی ٹاؤن

الجواب:-

نماز جنازہ میں چاروں تکبیرات رکن (فرض) ہیں اور رکن چھوٹنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تکبیرات میں سے کسی بھی تکبیر کے چھوٹ جانے سے نماز جنازہ نہیں ہوگی۔

نماز جنازہ میں ہاتھ کب کھولے جائیں ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے سے پہلے ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں یا سلام کے بعد ؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں دونوں حالتوں میں نماز ہوجائیگی ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں ۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا

والاصل ان کل قیام فیہ ذکر مسنون یعتمد فیہ ومالا فلا ھو الصحیح

(اولین، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، صفحہ: ۱۰۲، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی اور ہاتھ باندھنے کے بارے میں قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر اس قیام میں ہاتھ باندھنے مسنون ہیں، جس قیام میں کوئی ذکر مسنون ہو اور جس میں کوئی ذکر مسنون نہ ہو، تو ہاتھ نہ باندھے جائیں گے ۔ یہی مذہب صحیح ہے ۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں شکریہ ۔

سائل : فداء حسین ، میوہ شاہ روڈ ، کراچی

الجواب:-

مسلمان ! کے مرنے کے بعد ، اس کے لئے دعا کرنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے ۔ ان حدیثوں میں کسی وقت کی قید نہیں مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ :

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من

ثلاثۃ اشیاء من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ الی اخرہ

(ابو داؤد، حصہ (۲) کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الصدقۃ عن المیت، صفحہ: ۴۲، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں ۔ صدقہ جاریہ اور وہ علم جس سے لوگ استفادہ کریں اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

نماز جنازہ کے بعد قبر میں دفن کرنے کے بعد دعا کرنا حدیثوں میں منصوص ہے ۔ ابو داؤد شریف میں ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسالوا لہ بالتثبیت فانہ الان یُسئل

(حصہ دوم، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف، صفحہ: ۱۰۳، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت کریمہ تھی کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو قبر پر کچھ دیر وقوف فرماتے اور یہ فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت چاہو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو اس لئے کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

ابن ماجہ میں ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے میں تشریف لے گئے میت کو قبر میں رکھنے کے بعد جب مٹی ڈال رہے تھے تو انہوں نے دعا کی۔

اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر اللھمّ جاف الارض عن جنبیھا وصعّد روحھا و لقّھا منک رضوانا، قلت "یا ابن عمر أشئی سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام قلت برایک" قال انی اذا لقادر علی القول بل شئی سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ابواب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی ادخال المیت القبر، صفحہ: ۱۱۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اے اللہ! اسے شیطان اور عذاب قبر سے بچا، اے اللہ اس کی دونوں اطراف سے زمین کو خشک فرما اور اس کی روح کو بلندی نصیب کر اور اس کی ملاقات ہو تجھ سے (اس حال میں) کہ تو اس سے راضی ہو (راوی حدیث سعید بن مسیب) کہتے ہیں میں نے ابن عمر سے کہا کیا یہ چیز آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یا اپنی رائے سے کہتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ ایسا کہوں بلکہ میں نے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

نماز جنازہ اور دفن کے بعد دعا کا ثبوت تو ان حدیثوں سے ہوا اب صرف نماز کے بعد دفن سے پہلے دعا کی بات باقی ہے، اس وقت میں دعا کی مخالفت قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آئی بلکہ دعا مقبول ہونے کے متعلق ثبوت ہے مثلاً حصن حصین میں ہے کہ دعا کی قبولیت ہر عمل صالح کے بعد

ہوتی ہے۔

(مترجم، فصل سوم، دعا مانگنے کے آداب کا بیان، صفحہ: ۲۸، تاج کمپنی، کراچی)

قرآن کریم میں ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ o

(سورۃ (۹۴) الانشرح، آیات: ۷، ۸)

یعنی تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

صاحب تفسیر جلالین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

فاذا فرغت من الصلوٰۃ فانصب o اتعب فی الدعاء، والی ربک فارغب o تضرع

یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کے لئے مشقت برداشت کرو اور آہ و زاری کے ساتھ رب کی طرف رغبت کرو۔

بخاری شریف میں بھی اس آیت کی تفسیر میں مجاہد کا قول نقل کیا فانصب فی حاجتک الی ربک۔ شارح بخاری علامہ قسطلانی نے اس جگہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا:

اذا فرغت من الصلوٰۃ المکتوبۃ فانصب الی ربک فی الدعا و ارغب الیہ فی المسئلۃ

(جلد (۷) کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الانشراح)

نماز جنازہ بھی فرض ہے اور اس لفظ "صلوٰۃ" میں وہ بھی داخل ہے۔ لہٰذا اس کے بعد دعا کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ صرف بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے:

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ

(بزازیہ بر حاشیہ عالمگیری، جلد (۴) کتاب الصلوٰۃ، فصل الخامس والعشرون فی الجنائز، صفحہ: ۸۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے کھڑے نہ ہوں۔

فقہاء نے یہ نہیں فرمایا کہ "لا یدعو بعد صلوۃ الجنازہ" یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرو بلکہ قیام کی ممانعت کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دعا کے لئے دفن میں تاخیر کے لئے وقفہ بہتر نہیں۔

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

عرض خدمت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد بہت سی مسجدوں کے امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ کیا کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا ثبوت ملتا ہے؟ مستند جواب سے جلد مستفیذ فرمائیں۔

سائل: محمد خالد، قیوم آباد، کراچی

الجواب:-

ابو داؤد شریف میں حدیث ہے:

اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء

(حصہ (۲) کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت، صفحہ: ۱۰۰، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو پھر خلوص سے اس کے لئے دعا کرو۔

اس حدیث میں " ف " کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ف عربی زبان میں تعقیب بلا تراخی کے لئے ہے۔

(اصول شاشی، بحث حروف المعانی، بحث کون الواو للجمع والفاء التعقیب، صفحہ: ۵۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا کرنے کا حکم ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ " نماز جنازہ خود دعا ہے، تو پھر اسکے بعد دعا کی کوئی ضرورت نہیں ہے " سوال یہ ھیکہ وہ یہ بتائیں کہ نماز جنازہ دعا ہے تو اس کے بعد عمر بھر دعا کرنا جائز نہیں یا کچھ خاص وقت میں دعا کرنا جائز نہیں؟ اگر پہلی بات کہتے ہیں تو احادیث کا انکار بلکہ قرآن کا بھی انکار ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں مرنے والوں کے لئے دعا کا حکم ہے۔ اور اگر کچھ خاص وقت میں دعا کو منع کرتے ہیں تو یہ بتائیں کہ ان کے پاس ممانعت کی دلیل کیا ہے؟ جو اعتراض نماز جنازہ کے بعد کی دعا میں کرتے ہیں وہی اعتراض ہر نماز کے بعد کی دعا میں بھی ہے کیونکہ ہر نماز میں سلام سے پہلے آخری کلمات دعا ہی کے ہیں۔ پھر فرض نمازوں کے سلام کے بعد بھی دعا کو ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ ابھی دعا کر چکا ہے، اب دعا کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا منع کرنے والوں کی یہ دلیل بالکل لغو ہے۔ بعض فقہاء نے کراہت کا قول کیا ہے مگر ان کا مقصد یہ ہے کہ صفیں اسی طرح باقی رکھتے ہوئے، جس طرح نماز پڑھی تھی دعا مکروہ ہے۔ صفیں توڑ دینے کے بعد کراہت کا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ لہٰذا سوال میں جو صورت مذکور ہے، اس طرح دعا کرنا جائز ہے۔

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ :

ہمارے علاقہ میں عرصہ دراز سے یہ طریقہ رائج ہے کہ جب جنازہ گھر سے نکالا جاتا ہے تو راستے میں جنازے کے ساتھ کلمہ توحید کا ذکر کیا جاتا ہے بعض حضرات اس ذکر پر اعتراض کرتے ہیں اور بدعت قرار دیتے ہیں ۔ بینوا بالتفصیل و توجروا عند اللہ الجلیل

سائل : ابو الکرم احمد حسین قاسم الحیدری رضوی ، سنسہ ، آزاد کشمیر

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے :

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

(سورۃ (۲۹) العنکبوت ، آیت : ۴۵)

اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے ۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ؕ

(سورۃ (۳) ال عمران ، آیت : ۱۹۱)

یعنی جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ۔

ایک اور مقام پر کثرت سے ذکر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ ارشاد ہے :

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ

(سورۃ (۸) الانفال ، آیت : ۴۵)

یعنی اور اللہ کی یاد بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو ۔

حدیث شریف میں ہے :

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر الله عز و جل على كل احيانه

(ابوداؤد، حصہ (۱) کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یذکر اللہ تعالی غیر طہر، صفحہ: ۴، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ عزوجل کا ذکر کیا کرتے تھے ۔

قرآن اور حدیث کی ان نصوص صریحہ میں مطلق ذکر کے متعلق بیان کیا گیا ہے اور کثرت ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ جب عام اوقات میں ذکر جائز ہے اور اس کا حکم ہے تو جنازہ لے جاتے وقت ذکر و اذکار کرنا بطریق اولیٰ جائز و مستحسن ہے۔ جو شخص نماز جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے سے روکے وہ جاہل اور شریعت سے نابلد ہے، مسلمانوں کا بد خواہ اور ان میں اختلاف ڈال کر اپنی دنیاوی رفعت و شہرت چاہتا ہے۔

امانتاً تدفین اور دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

میت کو بطور امانت دفن کر سکتے ہیں یا نہیں اگر ہنگامی طور پر کسی کی زمین میں دفن کر دیا جائے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر میت کو نکالیں گے تو نماز جنازہ دوبارہ پڑھیں گے یا نہیں؟

الجواب:-

میت کو دفن کر دینے کے بعد جب قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو پھر قبر کو کھولنا جائز نہیں اور نہ میت کو نکال سکتے ہیں۔ چند صورتیں ہیں، جن میں مجبوراً میت کو نکالا جاسکتا ہے۔ مثلاً کسی کی زمین میں بغیر اجازت دفن کر دیا زمین والا اس پر راضی نہیں ہے تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ وہ قبر کو کھدوائے اور میت والوں کو کہے کہ اسے دوسری جگہ دفن کرو۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق أدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ و یخیر المالک بین اخراجہ و مساواتہ بالارض

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اور میت کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد مگر جبکہ دوسرے آدمی کا حق ہو خواہ وہ زمین غصب کی گئی ہو یا شفعہ میں لی گئی ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ مردہ کو نکال دے یا زمین برابر کروا دے۔

شریعت میں اس کی کوئی صورت نہیں ہے کہ امانت کے طور پر دفن کیا جائے اور پھر کچھ دنوں بعد نکال لیا جائے جب پہلے نماز جنازہ پڑھ لی گئی تھی تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں اگر نہیں پڑھی گئی تھی تو اس وقت پڑھی جاسکتی ہے جب تک میت کے پھٹ جانے کا گمان نہ ہو۔

کسی مسلمان کے لئے جنازہ میں عدم شرکت کی وصیت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک خاتون کا انتقال ہوا ، اس نے مرنے سے پہلے یہ کہا کہ تھا کہ " میرے مرنے کے بعد میرے شوہر کے بھائی اور اس کے اہل خانہ کو میرے جنازے اور تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہونے دینا ۔ اور اس نے کہا کہ ان کو یہ خبر دیدو " کیا شریعت میں ایسی وصیت کرنا اور اس پر عمل کروانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

یہ وصیت بالکل لغو اور باطل ہے ۔ وصیت اپنی ملکیت کے بارے میں کی جاسکتی ہے ۔ مرنے کے بعد میت کو غسل دینا ، تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے ۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمانوں پر پابندی لگائے کہ فلاں شخص میرے جنازہ میں شریک نہ ہو ۔ لہٰذا مرنے والی نے جو کہا اس پر عمل نہیں کیا جائیگا ۔ اور جس کو کہا تھا کہ تم جا کر خبر دیدو ، اس کا خبر دینا بھی جائز نہیں تھا ۔

نماز جنازہ میں امام کا کتاب دیکھ کر دعائیں پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

زید نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ اسکو نماز جنازہ کی دعائیں یاد نہیں تھیں اس لئے اس نے دیکھ کر یعنی کتاب کھول کر نماز جنازہ پڑھائی ۔ واضح رہے کہ اس علاقے میں کوئی اور زید سے زیادہ جاننے والا نہیں تھا ۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ادا ہوئی یا نہیں ؟

سائل : محمد انیس حلیمی

الجواب:-

نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ، اگر یاد نہ تھیں تو ان کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھ لیتا تو بھی

نماز ہو جاتی ۔ نماز میں کتاب کھول کر دعائیں پڑھی جائیں تو نماز نہیں ہوتی ۔ لہٰذا یہ نماز جنازہ ادا نہیں ہوئی ۔

پہلے نماز جنازہ پڑھیں یا نماز عید ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

عید کے روز اگر جنازہ حاضر ہو تو پہلے نماز عید ادا کی جائے یا نماز جنازہ ؟

سائل : محمد عمر ، محمدی مسجد ، لیاقت آباد

الجواب:-

پہلے نماز عید پڑھنی چاہیے ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

وتقدم صلوتها علی صلوۃ الجنازۃ اذا اجتمعا

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۱) باب العیدین ، مطلب فی ما یترجح تقدیمہ من صلوۃ عید (الخ) صفحہ : ۶۱۱ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی جب عید اور نماز جنازہ دونوں جمع ہو جائیں تو نماز عید کو نماز جنازہ پر مقدم کیا جائے گا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قبر کا بیان

پختہ قبر بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

پختہ قبریں بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

سائل: عبد اللہ قادری

الجواب:-

دینی عظمت والے لوگوں کی قبریں اوپر سے پکی بنا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اندر کی طرف کسی ایسی چیز کا لگانا مکروہ ہے، جو آگ سے بنائی گئی ہو۔ مثلاً سیمنٹ یا پکی اینٹیں وغیرہ۔

قبرستان کی حرمت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہے علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

نئی حسن کے قبرستان کے بیچ میں قبروں کے اوپر گندہ نالہ کھول دیا گیا ہے، جس کے نیچے بے شمار

قبریں آگئی ہیں۔ یقیناً قبروں میں بھی پانی بھرا ہوا ہے، ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:-

قبرستان کی دیکھ بھال کرنے والے اور جن لوگوں کے عزیز و اقارب ان قبروں میں مدفون ہیں، سب مل کر آواز بلند کریں اور کوشش کریں کہ جن لوگوں نے نالہ قبرستان میں کھودا ہے وہ اسے بند کردیں۔ اگر کے ایم سی (KMC) نے ایسا کیا ہے تو میئر سے ایک وفد ملاقات کر کے اس نالے کو بند کروانے کی کوشش کرے۔ مسلمانوں کی قبروں کو گندگی اور بے حرمتی سے بچانے کے لئے جو تدابیر کی جا سکتی ہیں وہ کریں تاکہ قبروں کی حرمت برقرار رہے۔

قبریں مسمار کر کے مسجد بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

مسجد کے قریب جدید قبرستان ہے۔ مسجد کے صحن وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا قبروں کو مسمار کر کے اس جگہ کو مسجد کے صحن میں شامل کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے کہ نہیں؟ بینوا فتوجروا

الجواب:-

علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ نے فتاوی قاضی خان میں لکھا:

مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا آثار المقبرۃ ھل یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا قال ابو نصر رحمۃ اللہ تعالی لا یباح قیل لہ فان کان فیھا حشیش قال یحتش منھا و یخرج الی الدواب فذالک الایسر من ارسال الدواب فیھا

(بر حاشیہ عالمگیری، جلد (۳) کتاب الوقف، فصل فی المقابر و الرباطات، صفحہ: ۳۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کسی علاقہ میں اگر کوئی پرانا قبرستان ہے کہ اس میں نشان قبور بھی نہیں رہے تو کیا اہل علاقہ کیلئے اس جگہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا اگر وہاں گھاس ہو تو فرمایا کہ اسے کاٹ لیں گے اور جانوروں کو ڈال دیں گے بجائے اس کے کہ جانوروں کو وہاں قبرستان میں لے

جایا جائے۔

الشیخ الامام العلامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا:

قال ابن القاسم لو ان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنٰی قوم علیھا مسجدا لم ار بذالک باساً و ذالک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاھم لا یجوز لاحد ان یملکھا فاذا درست و استغنی عن الدفن فیھا جاز صرفھا الی المسجد

(جلد (۴) کتاب الصلٰوۃ، باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ، صفحہ: ۱۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ابن قاسم نے کہا اگر قبر مسلمانوں کی قبروں میں سے ہے اور اسکا نشان مٹ گیا اور قوم نے اس پر مسجد بنا دی تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ قبرستان مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے ان کے مردوں کی تدفین کے لئے۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کو اپنی ملکیت قرار دے۔ پس جب نشان قبر مٹ جائیں اور اس میں دفن کی حاجت نہ ہو تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

یہاں شرط ہے کہ قبرستان کا کوئی بھی نشان معلوم نہ ہو، میدان جیسا لگتا ہو، کسی قسم کی قبر معلوم نہ ہوتی ہو۔ کوئی انسان معلوم نہ کرسکتا ہو کہ یہ قبریں ہیں تو مسجد میں اس کو شامل کر سکتے ہیں یہاں تو معلوم قبریں ہیں جن کے ورثاء اب بھی موجود ہیں اور نشانات قائم ہیں پختہ قبریں ہیں ان کو مسمار کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

عن جابر یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یقعد علی القبر وان یقصص و یبنی علیہ

(ابو داؤد، جلد (۲) کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر، صفحہ: ۱۰۳، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت جابر سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے سے اور اس کو چونا کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا۔

ابو داؤد کے اسی صفحہ پر حدیث ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی انگارے پر بیٹھے پس وہ اس کے کپڑے جلاتے ہوئے اس کی کھال تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی کراهیة القعود علی القبر، صفحہ: ۱۰۴، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

چہ جائیکہ پختہ قبروں کو مسمار کر کے اوپر فرش ڈال کر مسجد بنائی جائے۔ علمائے احناف نے قبروں کی بالائی سطح کو حق میت لکھا ہے۔ جیساکہ صاحب عالمگیری ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عالمگیری میں لکھا:

کما فی العالمگیریہ عن القنیة قال علاء الدین الترجمانی یاثم بوطی القبور لان سقف القبر حق المیت

جلد دوم میں مسجد اور مقبرہ کا یکساں بیان کیا ہے۔

سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الازوجندی عن مسجد لم یبق لہ قوم و خرب ماحولہ و استغنی الناس عنہ ھل یجوز جعلہ مقبرة قال لا و سئل ھو ایضا عن المقبرة فی القری اذا اندرست و لم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا و استغلالھا قال لا و لھا حکم المقبرة کذا فی المحیط الرخی

(جلد (۲) کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات و المقابر، صفحہ: ۴۷۰، ۴۷۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی شمس الائمہ قاضی امام محمود الازوجندی سے پوچھا گیا ایسی مسجد کے بارے میں کہ وہاں کوئی آباد نہیں اور مسجد کے آس پاس کا ماحول ویران ہو چکا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں تو کیا اس کا قبرستان میں بدلنا جائز ہے فرمایا نہیں اور ان ہی سے پوچھا گیا ایسے قبرستان کے بارے میں کہ جو دیہات میں ہو اور پرانا ہو چکا ہو اور وہاں مدفونین کے کوئی آثار نہ ہوں یہاں تک کہ ہڈیاں وغیرہ بھی نہ ہوں تو وہاں کھیتی باڑی جائز ہے فرمایا نہیں اس کے لئے حکم قبرستان ہے جیساکہ محیط میں ہے۔

عالمگیری کے وقف میں ہے:

لا یجوز تغیر الوقف الواجب البقا مالوقف علی ماکان علیہ

یعنی واقف نے جس لئے وقف کی ہو اس میں تبدل و تغیر نہ کرے قبرستان کے لئے زمین وقف کی گئی ہے تو قبرستان رہے گا مسجد کے لئے وقف مسجد رہے گی۔ فتح القدیر باب الوقف میں ہے:

قبرستان کی جگہ وقف کرنا

انما اتفقوا علی منع وقف المشاع مطابق مسجدا

التبرع یمنع خلوص الحق للہ تعالٰی المجیب ہدایت الحق عفی عنہ مہتمم جامع حقائق العلوم حضرو شہر ضلع اٹک

الجواب:-

مذکورہ بالا سوال کے بارے میں چند ایسی باتیں ہیں، جو عام طور پر کتب فتاوی میں لکھی ہوئی ہیں اوران کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) اوقاف کے بارے میں یہ مسلم ہے وقف صحیح میں واقف کی شرائط پر بہرحال عمل کیا جائے گا اس کی شرائط کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

(۲) واقف نے جس کام کے لئے وقف کیا ہے صرف اسی کام میں استعمال کیا جائے گا۔

(۳) جس طرح مساجد کے لئے زمین وقف کی جاتی ہے اسی طرح قبرستان کیلئے بھی وقف کی جاتی ہے اور وقف کا ثبوت جس طرح تحریر یا گواہوں سے ہوتا ہے اسی طرح زمانہ دراز سے کسی جگہ مسجد یا قبریں بنی ہوئی ہونا بھی وقف کی دلیل ہوتا ہے۔

(۴) مسلمانوں کی قبروں کے جب تک نشان باقی ہیں انہیں توڑنا جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں نہ القبروں کو توڑنا جائز ہے اور نہ قبرستان کے لئے موقوفہ زمین پر مسجد بنانا جائز ہے۔ وقف جس کام کے لئے ہے اسی پر رہے گا۔ لہٰذا مجیب مذکور نے جو جواب تحریر کیا ہے وہ صحیح ہے ہم نے عبارات اس لئے نقل نہیں کی ہیں کہ مجیب مذکور نے متعدد عبارات اپنے جواب میں تحریر کردی ہیں۔ اللہ تعالیٰ " انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو عمل کی توفیق عنایت فرمائے "۔

قبر پر پانی ڈالنے اور راستہ بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

دریافت طلب مسائل یہ ہیں کہ:

(۱) جو شخص میت کو غسل دے وہی شخص نماز جنازہ بھی پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) قبر پر روزانہ پانی ڈال کر تر کرنا اور اس کام کیلئے معاوضے پر کسی شخص کو مقرر کرنا کیسا ہے؟

(۳) قبروں پر راستہ بنانا، چلنا پھرنا، ٹرک یا تانگہ گاڑی وغیرہ کی آمد و رفت اور قبروں پر دس فٹ چوڑی سیمنٹ روڑی ڈال کر فٹ پاتھ بنا کر اس پر اٹھنا بیٹھنا، سونا لیٹنا، قوال کا قوالی کرنا اور جلسے کرنا کیسا ہے؟ جواب دیکر مشکور کریں۔

سائل: محمد محی جمیل

الجواب:-

(۱) جو شخص غسل دیگا وہ اگر نماز پڑھانے کا اہل ہے تو وہ نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔

(۲) دفن کرنے کے بعد قبر پر پانی ڈالنا اس لئے اچھا ہے کہ مٹی دب کر سخت ہوجائے۔ اس کام سے

میت کو کوئی فائدہ نہیں ۔ لہٰذا روزانہ پانی ڈالنا عبث (بیکار) کام ہے ۔
(۴) قبر پر بیٹھنا، چلنا، پھرنا وغیرہ سب منع ہے ۔ راستہ بنانا سخت گناہ ہے ۔

قبرستان کے بیچ بنے ہوئے راستے پر چلنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارے میں کہ :
قبرستان میں جو راستہ بنا ہوا ہوتا ہے ۔ کیا قبروں تک آنے جانے کے لئے اس راستے پر گاڑی و اسکوٹر وغیرہ چلاکر قبر تک جانا درست ہے ؟

سائل : محمد معین کوٹھاری ، صدر ، کراچی

الجواب :-

قبرستان میں جو راستہ قبریں بنانے سے پہلے بنایا ہوتا ہے ۔ اس راستہ سے گاڑی چلاکر قبر تک جانے میں کوئی حرج نہیں ۔ اور اگر قبریں بنانے کے بعد انہیں توڑ کر راستہ بنایا گیا ہے ، تو اس پر سواری چلانا اور پیدل چلنا ناجائز ہے ۔

قبر پر چراغ اور اگربتی جلانے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :
قبرستان میں آگ جلانا نیز قبر پر اگربتی یا چراغ جلانا کیسا ہے ؟

الجواب :-

قبرستان میں قبروں کے اوپر آگ ، اگربتی اور چراغ وغیرہ جلانا ممنوع ہے ۔ قبر سے ہٹ کر ایک طرف ضرورتاً اگربتی اور چراغ جلا سکتے ہیں ۔ مثلاً رات میں دفن کرتے وقت یا قبر پر زائرین (زیارت کرنے والے) آتے ہیں ان کی سہولت کے لئے ، اسی طرح جب وہاں مجمع ہو تو خوشبو سلگانے کے لئے اگربتی جلا سکتے ہیں ۔

واللہ اعلم بالصواب

کسی کی مملوکہ زمین میں زبردستی قبرستان بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میری ایک لیز شدہ زمین ہے، جسکی لیز کے مکمل کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔ میری زمین سے تقریباً دو یا تین ایکڑ کے فاصلہ پر ایک قبرستان موجود ہے۔ کچھ لوگ میری زمین کو زبردستی قبرستان میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا میری مرضی کے بغیر زبردستی میری زمین کو قبرستان بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر میری زمین میں میری مرضی کے خلاف کوئی میت دفن کی جائے تو اس قبر کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

سائل: جمیل احمد، گارڈن ویسٹ، کراچی

الجواب:-

کوئی "وقف" مالک کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سوال میں مذکور صورت میں کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کی لیز شدہ مملوکہ زمین میں بلا اجازتِ مالک میت دفن کرے۔ اگر بلا اجازت مالک کوئی دفن کریگا تو مالک کو اختیار ہے کہ اس میت کو قبر سے نکلوادے یا قبر کو مسمار کرکے زمین کے برابر کردے۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی لان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة و یخیر المالک بین اخراجه و مساواته بالارض

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اور میت کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد۔ مگر جبکہ دوسرے آدمی کا حق ہو خواہ وہ زمین غصب کی گئی ہو یا شفعہ میں لی گئی ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ مردہ کو نکال دے یا زمین برابر کروا دے۔

انعقاد محافل کے لئے قبریں مسمار کرکے فرش بنانا

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، کراچی

میرے ایک دوست جو پیر طریقت تھے، ان کا انتقال ہوگیا۔ انکے اعزاء کی قبروں کے متصل انہیں دفن کردیا گیا۔ اور مرحوم کا مزار مع گنبد بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ مزار کے اطراف میں کچھ قبریں ڈھ چکی تھیں

اور بعض دیگر سالم قبروں کے ورثاء سے اجازت لیکر انھیں مسمار کر کے ایک فرش بنا دیا گیا جس میں ٹائلیں وغیرہ بھی لگا دی گئی ہیں۔ لیکن قبروں کے زمین کے برابر نشانات باقی چھوڑے گئے ہیں۔ بنائے گئے فرش پر مرحوم پیر طریقت کی تاریخ وصال کو ہر ماہ محفل حمد و نعت منعقد کی جاتی ہے۔ اور لنگر وغیرہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب کچھ لوگوں نے دوسری قبور کی بے حرمتی کی وجہ سے اعتراض کیا ہے تو میں نے دیگر بڑے بڑے مزارات پر ہونے والی محافل عرس کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ جیسے بابا فرید گنج شکر، خواجہ غریب نواز اور نظام الدین اولیاء رحمھم اللہ علیھم کے مزارات وغیرہ۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ فتویٰ صادر فرمائیں آیا میری دلیل صحیح ہے یا معترضین کا اعتراض ؟ بینوا وتوجروا

سائل : محمود علی برنی ، لانڈھی ، کراچی

الجواب:-

قبر سے زیادہ زمین گھیر لینا اور اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنا وقف شدہ زمین میں تصرف کرنا ناجائز ہے۔ بعض قبرستان میں کچھ لوگوں نے کے ڈی اے کو قیمت دیکر کچھ حصہ اراضی اپنے لئے مخصوص کرا لیتے ہیں اور اس میں چہار دیواری بنا لیتے ہیں اور اپنے خاندان کے علاوہ دوسروں کو دفن نہیں کرنے دیتے ہیں، یہ صحیح ہے، اس لئے کہ وہ زمین ان لوگوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ تو اولاً سوال میں مذکور میت کو دفن کرنے کے بعد خالی زمین کو بھی احاطہ کر کے مسلمانوں کو اس میں دفن ہونے سے روکنا ناجائز، مزید اس پر یہ کہ مسلمانوں کی قبروں کو توڑ کر فرش کے برابر کر دینا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ، مسلمانوں کی قبر پر چلتے پھرتے اور بیٹھتے رہیں گے۔ اس کا مسلسل گناہ ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔

اس کا وبال انھیں لوگوں کی گردن پر ہے جنھوں نے ایسا کیا ہے پھر قبرستان میں بنے ہوئے مزار پر لنگر تقسیم کرنا اور اس میں جو ہنگامے ہوتے ہیں وہ شریعت میں سخت ناپسندیدہ ہیں۔ اس لئے کہ قبرستان جانا باعث عبرت اور موت و آخرت کو یاد رکھنے کا ذریعہ ہے۔ وہاں ہنسنا اور لغو کاموں میں مبتلا ہونا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ اولیائے کرام کے مزارات پر جو لنگر تقسیم ہوتا ہے، اس میں بھی یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ایسی جگہ تقسیم کیا جائے کہ دوسرے مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی نہ ہو۔ جن بزرگوں کا تذکرہ سوال میں ہے، ان کے مزارات قبرستان میں نہیں بنائے گئے تھے بلکہ مخصوص خالی زمینوں میں بنائے گئے تھے اور پھر چند مسلمانوں نے ان کے قریب سے فیوض و برکات حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے لوگوں کو وہاں دفن کر دیا وہاں دوسرے لوگوں کی قبریں اب بھی قبر کی شکل میں نمایاں ہیں، سطح زمین سے ہموار نہیں ہیں اور زائرین ان سے بچتے ہوئے حاضری دیتے ہیں۔

نوٹ :-

مزید تفصیل کے لئے قبر ہی کے بیان میں " قبریں مسمار کر کے مسجد بنانے کے حکم " والے سوال و

جواب کی طرف رجوع کریں (مرتب) ۔

قبروں کو مسمار کرکے رہائشی مکانات وغیرہ بنانا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب !
السلام علیکم

جناب عالی مسئلہ یہ ہے کہ سی ون ایریا (ملحق مسجد احناف) لیاقت آباد، کراچی کے قبرستان میں کھلے عام مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کرکے بڑے پیمانے پر، ان پر عالی شان مکانات و کارخانے تعمیر کئے جارہے ہیں۔ لہٰذا آپ جناب سے استدعاء ہے کہ اس مسئلے کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں بتادیں تاکہ ہم آپکی عالمانہ دینی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرسکیں۔ شکریہ
سائل: مظہر اقبال محمد شریف

الجواب:-

مسلمانوں کا قبرستان عام طور پر وقف ہوتا ہے اور قبروں کا موجود ہونا ہی اسکے وقف ہونے کی دلیل ہے۔ موقوف (وقف کیا گیا) قبرستان میں سوائے دفن کے اور کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں قبریں مسمار کرکے مکانات بنانا حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیاتہ

یعنی وقف کو اسکی حالت سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اور مسلمانوں کی قبریں قابل احترام ہے۔ ایک صحابی قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیک

(شرح معانی الآثار، جلد (۱) کتاب الجنائز، باب الجلوس علی القبور، صفحہ: ۳۲۹، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی قبر والے کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ تمہیں تکلیف نہیں دیتا۔

یہ تو ٹیک لگانے والے سے فرمایا پھر قبر پر بیٹھنا اس سے زیادہ برا ہے اور قبریں مسمار کرکے اس پر عمارت بنانا سخت گناہ ہے۔ امام طحاوی نے ایک حدیث اس بارے میں نقل فرمائی ہے اسکے آخری الفاظ یہ ہیں:

والجلوس علیھا والبناء علیھا

(حوالہ بالا)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

قبرستان کو کھیت میں تبدیل کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

چالیس پچاس سال پہلے ایک رقبہ پر قبرستان تھا اور اس میں قبریں موجود تھیں مگر "زمین دار" نے قبریں گرا کر کچھ عرصے سے کاشتکاری شروع کر دی اور بعد میں اسی جگہ کو بیچنا شروع کر دیا۔ اور اب اس رقبہ میں رہائش کے لئے لوگ مکان بنا رہے ہیں۔ لہذا اس جگہ کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: فقیر محمد صاحب، لیہ، چناب

الجواب:-

قبرستان کو کھیت بنا کر کاشتکاری کرنا پھر اسے بیچنا یہ سب تصرفات حرام ہیں۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

فاذاتم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن

یعنی جب وقف پورا ہوگیا اور لازم ہوگیا تو وہ نہ کسی کی ملک میں ہوتا ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی عاریت اور رھن میں دیا جاسکتا ہے۔

در مختار کی اس عبارت پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه

(جلد (۳) کتاب الوقف، مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار الابرھن، صفحہ: ۴۰۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جب وقف کرنے والے کی ملکیت میں بھی نہ رہا اور دوسرے کی ملکیت میں جانے کے قابل بھی نہ رہا یعنی بیع وغیرہ کرکے کسی کو مالک بھی نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ واقف (وقف کرنے والا) اس کا مالک نہ رہا تو کسی دوسرے کو مالک بنانا بھی محال۔

قبرستان کی متصل خالی جگہ پر اسکول تعمیر کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

قبرستان کی حدود سے متصل ایک خالی جگہ ہے جس پر کوئی قبر وغیرہ نہیں ، اس زمین پر اسکول بنانے کی منظوری ہوئی ہے۔ لیکن کچھ لوگ وہاں اسکول بنانے نہیں دیتے جبکہ اس علاقہ میں اسکول کی ضرورت بھی ہے تو کیا ایسی صورت میں قبرستان کی متصل زمین میں اسکول بنایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا وتوجروا

سائل: نیک محمد ، مظفر آباد ، کشمیر

الجواب:-

اگر اس جگہ کے موقوفہ قبرستان کا حصہ ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو اور کسی قبر کا بھی اس میں کوئی نشان نہ ہو تو صرف قبرستان ہونے کی وجہ سے اسے وقف نہیں مانا جائے گا۔ پھر اگر وہ کسی شخص کی ملکیت میں ہے تو اسکی اجازت سے ، اور گورنمنٹ کی ہے تو گورنمنٹ کی اجازت سے اس جگہ پر اسکول بنا سکتے ہیں۔ اور اگر اس زمین کے وقف ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس پر صرف وہی کیا جاسکے گا ، جس کام کیلئے وہ وقف ہے۔

قبر پر سنگ مرمر لگانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

قبر پر سیمنٹ اور سنگ مرمر لگانا جائز ہے کہ نہیں ؟ جناب سے گذارش ہے کہ جواب دیکر ہمیں مشکور فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

سائل: قاضی محمد ظہور الحق فاروقی ، حزب الاحناف ، لاہور

الجواب:-

قبر کے اندر سیمنٹ اور ہر ایسی چیز کا لگانا ناجائز ہے ، جس پر آگ کا اثر ہو۔ اندر مٹی کی قبر بناکر اوپر سے قبر کو پختہ کرنا اور سنگ مرمر لگانا ایسے لوگوں کی قبروں پر جائز ہے جو دینی اعتبار سے عزت رکھتے ہوں۔ جیسے اولیائے کرام اور علمائے عظام وغیرھم اس سے یہ اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنیوالا مرنے کے بعد بھی قابل احترام ہے اور لوگوں کے دلوں میں نیکیوں کی عظمت اور محبت پیدا کرنا مقصود ہے۔ عام قبروں کو پختہ کرنا مناسب نہیں۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

وقیل لا یکرہ البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات

یعنی کہا گیا ہے کہ جب میت مشائخ و علماء و سادات کرام کی ہو تو قبروں کو اوپر سے پختہ کرنا مکروہ نہیں۔
یعنی عمارت و قبہ وغیرہ بنا سکتے ہیں۔
اسکے بعد آگے چل کر لکھا:

نعم فی الامداد عن الکبریٰ والیوم اعتاد و التسنیم باللبن صیانۃ للبقر عن النبش و راو ذالک حسنا وقال صلی اللہ علیہ وسلم ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن

(جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ہاں الامداد میں کبریٰ سے منقول ہے کہ آج کل عادتاً لوگ اینٹ سے قبریں بناتے ہیں تاکہ قبر کھلنے سے محفوظ رہے اور لوگوں نے اسے اچھا خیال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کام جس کو مسلمان اچھا جانتے ہیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

میت کا منہ دیکھنے کے لئے قبر کھولنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
کسی عزیز کو میت کا منہ دکھانے کے لئے دفن کے بعد سرہانے کا تختہ مٹی سے خالی رکھنا پھر اس قریبی رشتہ دار کے پہنچنے پر وہ تختہ ہٹا کر اسے منہ دکھانا اور بعد میں قبر پر مٹی ڈال کر اس کو مکمل کردینا از روئے شرع شریف اور فقہ حنفی کے مطابق کیسا ہے؟ ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ "ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ قبر کے قریب لگاتار قرآن خوانی کی جائے"۔

الجواب:-

صورت مسئولہ میں امانتاً دفن کرنا ہے اور امانتاً دفن کا طریقہ شریعت میں نہیں ہے نیز دفن کرنے کے بعد میت کا منہ دکھانے کے لئے قبر کا کھولنا بھی جائز نہیں۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

فانہ لا ینبش علیہ بعد اھالۃ التراب

(جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اس کو کھولا نہیں جائیگا لہذا سوال میں مذکور مولوی صاحب کا قول صحیح

نہیں ہے۔

قبر در قبر بنانے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی وقار الدین صاحب!

دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

السلام علیکم

بعد از سلام عرض یہ ہے کہ ایک مسئلہ قبرستان کے متعلق دریافت کرنا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کا جواب تحریری طور پر عنایت فرمائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک قبر میں مردہ کو دفن کردیا جاتا ہے پھر اسی قبر میں دوسرے مردہ کو کتنی مدت کے بعد دفن کرسکتے ہیں؟ نیز کیا دوسرے قبرستان میں قبر کی جگہ موجود ہوتے ہوئے ایسا کیا جاسکتا ہے یا دوسرے قبرستان کے دور ہونے کی صورت میں قریبی قبرستان میں قبر در قبر بنائی جاسکتی ہے؟ تفصیل سے روشنی ڈالیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: محمد بشیر احمد قادری

الجواب:-

قبر کھود کر دوسری میت کو اس میں دفن کرنا، اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک پہلی میت کی ہڈیاں مٹی میں ملکر ختم نہ ہوجائیں۔ جان بوجھ کر کسی مسلمان کی قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے۔ اگر کھودنے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں قبر تھی اور اس کی ہڈیاں وغیرہ نکلیں اور وہاں دوسری جگہ قبر کیلئے خالی نہیں ہے تو ان ہڈیوں کو اسی قبر میں ایک طرف دفن کر کے دوسری میت کو دفن کریں۔ لیکن جب دوسرا قبرستان موجود ہے اور اس میں جگہ بھی ہو اگرچہ دور ہو تو وہیں دفن کیا جائیگا۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

ولا یدفن اثنان فی قبر واحد الا بضرورۃ ولا یحفر لدفن آخر الا ان بلی الاول فلم یبق لہ عظم الا ان لا یوجد فتضم عظام الاول و یجعل بینھما حاجز من تراب

یعنی دو میتوں کو ایک قبر میں نہیں دفن کریں گے مگر ضرورتاً اور نہ دوسری میت کی تدفین کے لئے قبر کو کھودا جائے گا مگر یہ کہ میت اول خاک ہوچکی ہو اور اس کی ہڈیاں بھی باقی نہ ہوں اور اگر پہلی میت کی ہڈیاں موجود ہوں تو ان دونوں کے درمیان مٹی سے منڈیر بنا دی جائے گی۔

اس کے بعد علامہ شامی نے لکھا:

و فی الحلیۃ خصوصاً ان کان فیھا میت لم یبل و ما یفعلہ جھلۃ الحفارین من نبش القبور

التی لم تبل اربابها و ادخال اجانب علیهم فهو من المنکر الظاہر و لیس من الضرورۃ المبیحۃ بجمع المیتین فاکثر ابتداء فی قبر واحد

(جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۵۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی حلیہ میں خصوصاً ذکر کیا گیا کہ اگر میت قبر میں ختم نہیں ہوئی اور جاہل گورکن جو سلامت جسم والی قبروں کو کھود دیتے ہیں اور دیگر میت ان قبروں میں دفناتے ہیں پس وہ ظاہراً بھی ممنوع ہے اور یہ عمل ضرورتاً دو میتوں کا ایک ساتھ دفن کے حکم میں بھی نہیں آتا پس چاہئیے کہ ایک قبر میں ایک ہی میت ہو۔

کمرہ قبر پر مدرسہ بنانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک پختہ قبر ہے۔ کیا اس کی چھت پر دینی تعلیم کیلئے مدرسہ بنانا جائز ہے؟

الجواب:-

قبر کی چھت پر کمرہ بنانا اور اس میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہے۔

عورتوں کا مزارات پر جانا

الاستفتاء:-

میری ساس ایک عرصے سے بیمار ہیں۔ مزاروں پر جاتی ہیں اور کافی وقت صرف کرتی ہیں۔ اور ساتھ ہی مزاروں پر جاکر منت بھی مانگتی ہیں۔ کیا عورتوں کا مزارات پر جانا اور منت ماننا صحیح ہے۔

الجواب:-

صحیح مذہب پر عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کے علاوہ کسی اور مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ اور حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیلئے کسی کا حکم نہیں مانا جائیگا " لہٰذا آپ اپنی ساس کو سمجھا دیں کہ وہ نہ جائیں اور نہ آپ ان کے ساتھ جائیں۔ منت اپنے گھر بیٹھ کر بھی مانگ سکتی ہیں۔

میت کے ایصال ثواب کے لئے قبرستان میں صدقہ کرنا

الاستفتاء:-

محترم ومکرم جناب علمائے کرام ومفتیان عظام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ:

جب کسی گھر میں میت ہوجائے تو اس گھر سے روٹی پکا کر قبرستان میں لے جانا اور میت کو دفن کرنے کے بعد حاضرین میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب:-

میت کے بالغ ورثاء کا میت کی طرف سے ہر وقت صدقہ کرنا اچھا ہے۔ خواہ گھر میں کریں یا قبرستان میں۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیۃ الطحطاوی شرح نور الایضاح میں لکھا:

وفی شرعۃ الاسلام والسنۃ ان یتصدق ولی المیت لہ قبل مضی اللیلۃ الاولی بشئ مما تیسر لہ فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین ثم یھد ثوابھما لہ قال ویستحب ان یتصدق علی المیت بعد الدفن الی سبعۃ ایام کل یوم بشئ مما تیسر

(باب احکام الجنائز، فصل فی حملھا ودفنھا، صفحہ: ۳۳۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی شرعۃ الاسلام میں ہے اور سنت ہے کہ میت کا ولی میت کے لئے پہلی رات گزرنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے جو میسر ہو اور اگر اسکے پاس کچھ بھی نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشدے اور کہا کہ مستحب ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد سات دن تک صدقہ کرے ہر دن جو اسے میسر ہو سکے۔

۷ دن تک ایصال ثواب

قبر پر اذان دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے میں کہ:

دفن کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "تم کہتے ہو کہ جس کی قبر پر اذان پڑھی جائے وہ عذاب قبر سے بچ جائے گا؟ اس طرح ہر شخص یہ کہے گا کہ نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

میری قبر پر اذان پڑھ دینا میری بخشش ہو جائے گی " ۔ لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت سے جواب دیں کہ قبر پر اذان دینا جائز ہے کہ نہیں ؟

سائل : انور حسین ، گلبہار ، کراچی

الجواب:-

دفن کے بعد قبر پر اذان دینا مستحسن ہے ۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ سوال نکیرین کے وقت بھی شیطان بہکاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے ۔ اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف شامی متوفی (۱۲۵۲ھ) نے نماز کے علاوہ جن اوقات میں اذان دینا مستحب بتایا ان میں میت کو قبر میں رکھتے وقت بھی لکھا ہے :

عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا

(جلد (۱) باب الاذان، مطلب فی المواضع التی یندب لها الاذان فی غیر الصلاۃ، صفحہ: ۲۸۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

یعنی (اور اذان دینا مستحب ہے) میت کو قبر میں رکھتے وقت پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے ۔

تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کا رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" دیکھیں ۔ سوال میں جو اعتراض کیا گیا ہے وہ جہالت پر مبنی ہے اس طرح تو کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حدیثوں میں وضو کے متعلق فرمایا ہے کہ وضو کرنے سے اعضاء سے گناہ اس طرح نکل جاتے ہیں جیسے پت جھڑ کے زمانے میں درخت کی شاخ ہلانے سے پتے گرتے ہیں تو جب وضو سے تمام گناہ ختم ہوجاتے ہیں تو اور کسی عبادت کی ضرورت ہی نہیں رہے گی ۔

اہل قبور کو سلام کرنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

قبرستان میں سلام کرنے کے بعد کیا " وعلیکم السلام " بھی کہنا چاہئے ؟

الجواب:-

قبرستان سے گزرتے وقت اھل قبور کو جو سلام کیا جاتا ہے ، سلام کرنے والا سلام کرنے کے بعد " وعلیکم السلام " نہیں کہے گا ۔

تدفین کا بیان

میت کو قبر میں رکھنے کا سنت طریقہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:
مسلمان میت کو قبر میں لٹانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

الجواب:-

میت کا منہ اور سینہ قبلہ رو ہونا مسنون ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو داہنی کروٹ پر لٹائیں اور اس کے پیچھے نرم مٹی یا ریت لگا دیں یا قبر اس طرح ڈھال والی بنائیں کہ میت کا سینہ قبلہ رو ہو جائے۔

میت کو تابوت سمیت دفنانے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب! السلام علیکم
عرض ہے کہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ:
میت کو لکڑی کی پیٹی کے ساتھ دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو اس کا میت پر

کسی قسم کا وبال ہوتا ہے، دفن کرنے والے گناہ گار ہوگئے یا اس کا کوئی کفارہ ادا کرنا پڑیگا، اگر کفارہ وغیرہ ہو تو وہ کیا ہے؟ بینوا و توجروا

سائل : محمد اکبر

الجواب:-

اگر میت اس قابل نہیں ہے کہ اس کو تابوت سے نکالا جاسکے تو ایسی صورت میں تابوت کے ساتھ دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور دفن کرنے والے بھی گناہ گار نہیں ہوں گے۔ تاہم چہرے کے اوپر سے پیٹی کو کھول دینا چاہیئے اور اگر میت باہر سے نہیں آئی تو تابوت (پیٹی) میں دفن کرنا ناجائز ہے ہاں زمین اتنی گیلی ہے کہ قبر میں پانی جمع ہو جاتا ہے تو پیٹی میں رکھ کر دفن کر سکتے ہیں۔

امانتاً دفن کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک بزرگ کا وصال ہوا، ان کے ورثاء اور مریدوں نے انھیں دفن کیا کسی مرید نے کہا کہ "سال بھر تک یہ میت امانت ہوگی اگر زمین کسی وجہ سے خراب ہوگئی تو تابوت نکال کر اسی قبر کی درستگی کی جائیگی"۔ کیا از روئے شرع میت کو امانتاً رکھا جاسکتا ہے؟ قرون اولیٰ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟

سائل : محمد علی، ڈونگہ بونگہ

الجواب:-

میت کو دفن کر دینے کے بعد جب قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو پھر دوبارہ قبر کھولنا ناجائز اور میت کا نکالنا ممنوع ہے۔ صرف بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مجبوراً میت کو نقل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کسی کی زمین پر بغیر اجازت دفن کر دیا گیا، زمین والا اس دفن پر راضی نہیں ہے، تو اسے اختیار ہے کہ وہ قبر کھود دے اور میت والوں کو کہے کہ اسے دوسری جگہ دفن کرو۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الالحق آدمی ان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة و یخیر المالک بین اخراجه و مساواته بالارض

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، صفحہ: ۶۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اور میت کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد مگر جبکہ دوسرے آدمی کا حق ہو خواہ

وہ زمین غصب کی گئی ہو یا شفعہ میں لی گئی ہو تو مالک کو اختیار ہے کہ مردہ کو نکال دے یا زمین برابر کروا دے۔

مسلمان اور کافر میت کے کفن و دفن کا فرق

الاستفتاء:-

ایک فلاحی کمیٹی میت کے کفن و دفن کا انتظام کرتی ہے۔ یوں کہ غسل دینے والا مسلمان نہیں ہوتا، بلکہ جمعدار ہوتا ہے، میت کو لٹا کر پانی ڈال کر کفن پہنا دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

سائل: حنیف علی میٹھادر، کراچی

الجواب:-

مسلمان پر مسلمان میت کو غسل دینا، نماز جنازہ پڑھنا اور دفن کرنا فرض کفایہ ہے۔ کوئی کافر عبادت کرنے کی اھلیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا کسی کافر سے مسلمان میت کو غسل دلانا جائز نہیں۔ اور کافر میت کے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کو مردہ جانوروں کی طرح کھینچ کر کسی گڑھے میں مٹی ڈال کر دبا دیا جائے گا نہ اس کو کفن دیا جائیگا اور نہ غسل دیا جائیگا۔

غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

مسلمانوں کے قبرستان میں کسی ہندو، بہائی یا عیسائی کو دفن کر سکتے ہیں؟ اگر ان مذاہب کے لوگ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیئے گئے تو دین اسلام میں اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب:-

کافر و مرتد میں سے کسی مردے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔ ان کی جائے دفن ہندوؤں کا مرگھٹ ہے۔ لیکن اگر کسی نے غلطی سے غیر مسلم میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا تو اسے قبر سے نکالا نہیں جائے گا۔

قبر یا سینہ میت پر عہد نامہ رکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب محترم مفتی صاحب! السلام علیکم

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ میت خواہ مرد کی ہو یا عورت کی، کفن دینے کے بعد اسکے سینے پر عہد نامہ یا آیات قرآنیہ رکھ دی جاتی ہیں۔ ایسا کرنے سے خیال کیا جاتا ہے کہ میت کو حساب و کتاب میں آسانی ہوتی ہے۔

از راہ کرم تفصیل سے مطلع فرما دیجئے کہ میت کے سینے پر عہد نامہ یا قرآنی آیات رکھے جانے کے سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

سائل: حکیم محمد حمید خان، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت اوصی بعدھم ان یکتب فی جبھتہ و صدرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملٰئکۃ العذاب فلما راوا مکتوباً علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللہ

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) باب صلاۃ الجنائز، مطلب فیما یکتب علی کفن المیت، صفحہ: ۶۶۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی میت کی پیشانی یا اسکے عمامہ یا اسکے کفن پر عہد نامہ لکھنے والوں نے لکھا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمائے وصیت کرنے والے نے اپنے بعد والوں کو وصیت کی کہ اسکی پیشانی اور اسکے سینہ پر بسم اللہ لکھ دی جائے بعد میں بسم اللہ لکھ دی گئی خواب میں دیکھا گیا ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو ملائکہ عذاب آئے جب انھوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو انھوں نے کہا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

لہٰذا عہد نامہ وغیرہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ مگر اچھا یہ ہے کہ قبر کی دیوار قبلہ میں چہرہ کے مقابل طاق بنا کر، اس میں رکھ دیا جائے۔

کفن میں عہد نامہ رکھنا

الاستفتاء:-

مکرمی جناب مفتی صاحب! السلام علیکم

عرض خدمت یہ ہے کہ میں بہت پریشان ہوں میرے اس سوال کا جواب شرعی طریقہ سے عنایت فرمائیں۔

میرے والد صاحب کا ۲۲ دسمبر ۸۶ء کو انتقال ہوگیا۔ ہم کفن وغیرہ مسجد سے خرید کر لائے مگر انھوں نے عہد نامہ نہیں دیا، جس کی وجہ سے ہمیں بھی یاد نہیں رہا۔ لہٰذا ہم نے اپنے والد صاحب کو بغیر عہد نامہ کے دفن کر دیا۔ اب آپ بتائیں کیا اس کے بغیر ہمارے والد صاحب کو تکلیف اٹھانی پڑے گی یا نہیں اور اگر پڑے گی تو اس کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے یا اس کا کوئی اور حل ہے؟

الجواب:-

کفن میں عہد نامہ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا کفن میں عہد نامہ نہ رکھنے کی وجہ سے، آپ کے والد مرحوم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

میت کی روح کا کسی شکل میں متشکل (تبدیل) ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک شخص نے آج سے کچھ عرصہ قبل خودکشی کی۔ علاقے کے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ وہ شیطان ہوگیا ہے اور اس کی روح بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے معلوم کرنا ہے کہ کیا مسلمان کی روح خودکشی کی وجہ سے بھٹکتی رہتی ہے یا شیطان بن جاتی ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مذکورہ سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

یہ بات بالکل غلط ہے کہ کسی گناہ گار کی روح مرنے کے بعد شیطان بن جاتی ہے۔ اسی طرح عوام میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ نیکوں کی روح شہید بن کر دنیا میں کہیں ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔ لوگ وہاں چراغ جلانے لگتے ہیں۔ بھلا نیکوکار اخروی نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں کیوں کر آئے گا۔ اور بدکار عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اس کی روح کو رہائی کیوں ملے گی؟ یہ صرف شیاطین اور جنات ہوتے ہیں، جو لوگوں کو ایسی باتوں سے گمراہ کرتے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ اور مسائل زکوٰۃ کا بیان

نصاب زکوٰۃ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:
زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ تفصیلاً جواب عنایت فرمائیے۔ جناب کی نوازش ہوگی۔

الجواب:-

زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے مال کا مقدار نصاب کو پہنچنا، اس کا نامی (بڑھنے والا) ہونا اور اپنی ضروریات اور قرض سے فارغ ہونا نیز اس مال پر سال گزرنا شرط ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تین قسم کے مالوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے سونا، چاندی اور مال تجارت۔ روپے پیسے چاندی کے حکم میں ہیں۔ سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے اور چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولے ہے۔ جس کے پاس صرف سونا ہے روپیہ پیسہ، چاندی اور مال تجارت بالکل نہیں۔ اس پر سوا سات تولے تک سونے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ جب پورے ساڑھے سات تولہ ہوگا تو زکوٰۃ فرض ہوگی اسی طرح جس کے پاس صرف چاندی ہے سونا، روپیہ پیسہ اور مال تجارت بالکل نہیں ہے اس پر باون تولے چاندی میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے جب ساڑھے باون تولہ پوری ہو یا اس سے زائد تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔
لیکن اگر چاندی اور سونا دونوں ہیں یا سونے کے ساتھ روپیہ پیسہ اور مال تجارت بھی ہے، اسی طرح صرف چاندی کے ساتھ روپیہ پیسہ اور مال تجارت بھی ہے تو وزن کا اعتبار نہ ہوگا، اب قیمت کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا سونا

چاندی، نقد روپیہ اور مال تجارت سب کو ملا کر اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

اسی طرح مال تجارت کی قیمت لگا کر اگر سونا چاندی اور روپیہ بھی ہے تو سب کو جوڑ کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ چاندی کی قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے، جس دن اپنے مال سے زکوٰۃ نکالے گا، اس دن چاندی کی جو قیمت ہو، اس کا اعتبار ہوگا۔ جس دن پہلی مرتبہ اتنے مال کا مالک ہوا جو بقدر نصاب ہے تو ایک سال گزرنے کے بعد اسی تاریخ کو اپنے کل مال کا حساب کر کے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دے گا۔ زکوٰۃ جلد سے جلد دینا ضروری ہے تاخیر کرنا گناہ ہے۔

زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطر کے نصاب میں فرق

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
زکوٰۃ قربانی اور صدقہ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: عبد اللہ قادری، میرپور خاص

الجواب:-

زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطرہ واجب ہونے کے لئے نصاب کی مقدار تو ایک ہے مگر نصاب کی کیفیت میں فرق ہے۔ مقدار نصاب تو یہ ہے کہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کی مقدار میں نقدی یا سامان تجارت اسکے پاس موجود ہو۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے کہ مال " نامی " ہو یعنی اس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو۔ سونا، چاندی خلقتاً نامی (عام طور پر بڑھنے والے) ہیں۔ اور دوسری شرط یہ کہ ایک سال گذر جائے۔ اس کے علاوہ جس چیز کو خریدتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اسے فروخت کروں گا وہ مال تجارت کہلاتا ہے اور جس چیز کو بیچنے کی نیت سے نہیں خریدا، اس کی مالیت خواہ کتنی ہی ہو، اس کے استعمال میں ہو یا نہ ہو، وہ مال نامی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوتی۔

صدقہ فطر اور قربانی کے لئے مقدار نصاب تو وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی کے لئے مال کے نامی ہونے اور سال گزرنے کی شرط نہیں۔ اسی طرح جو چیزیں ضرورت سے زیادہ ہیں اور ان کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو تو ان اشیاء کی وجہ سے قربانی اور صدقہ فطر واجب ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو ایک کار کی ضرورت ہے لیکن اس کے پاس دو کاریں ہیں، ایک ٹی وی کی جگہ دو ٹی وی ہوں یا گھریلو سامان جو روزانہ کام میں نہیں

آتا ہے موجود ہو بلکہ عام استعمال کے کپڑے بھی اگر ضرورت سے زیادہ ہوں اور کتب فتاویٰ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا قیمتی قرآن ہے، جس کی قیمت نصاب کے برابر ہے مگر وہ قرآن دیکھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اس قرآن کی وجہ سے صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔ زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطر کے نصاب میں یہ فرق کیفیت کے اعتبار سے ہے۔

زکوٰۃ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت اقدس جناب عالی مرتبت قبلہ مفتی صاحب! زید مجدکم

ادب واحترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل مسئلہ پیش کررہا ہوں۔ امید ہے کہ جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

ایک مسلمان کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی مالیت کا روپیہ ضروریات زندگی کے علاوہ موجود ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ اس رقم کی مالیت کا ڈھائی فیصد بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہے لیکن ایک شخص کے پاس سوا سات تولہ سونا یا اس کی مالیت یا اتنی مالیت کا سامان تجارت اس کے پاس موجود ہے لیکن وہ یہ کہہ کر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا کہ زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ سونے پر ہے جبکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس وقت ایک تولہ سونا بن جاتی ہے۔ اور سوا سات تولے سونے کی قیمت تقریباً ۳۰۰۰۰ تیس ہزار روپے بنتی ہے جبکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت (۲۲۰۰) دوہزار دو سو روپے کے قریب ہے۔

بینک میں جو رقم ڈپازٹ کی جاتی ہے اگر ایک سال یا ماہ رمضان تک موجود رہے تو بینک میں کم از کم اگر دو ہزار روپے موجود ہوں تو بینک ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے جبکہ گزشتہ سال بینک نے تین ہزار روپے پر زکوٰۃ کاٹی۔ جب بنک کے لئے زکوٰۃ کے قانون میں تبدیلی ہو سکتی ہے، تو ایک تولہ سونا رکھنے والا فرد بھی زکوٰۃ ادا کرنے کا پابند ہونا چاہیے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: شیخ فیروز الدین نقشبندی

الجواب:-

اموال میں زکوٰۃ فرض ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(الف) کسی شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا ہو اور قرض نہ ہو تو ایک سال گزرنے سے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(ب) ساڑھے باون تولے چاندی کا مالک ہو درج بالا صورت میں۔

ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب صرف سونا ہو چاندی اور روپے پیسے نہ ہوں یا صرف چاندی ہو اور سونا روپے وغیرہ نہ ہوں تو نصاب میں وزن کا اعتبار ہے۔ کسی چیز کی مقدار معین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا، عقل سے کسی چیز کی مقدار معین نہیں کی جا سکتی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقدار معین فرمادی وہ قیامت تک کے لئے ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ سونا مقدار نصاب سے کم ہے لیکن اس کے ساتھ وہ چاندی یا روپے وغیرہ کا بھی مالک ہے، تو اس وقت وزن کا اعتبار نہ ہوگا۔ بلکہ قیمت کا اعتبار ہوگا۔ لہذا سونے کی قیمت لگائی جائے گی اور چاندی کی قیمت اور نقد روپوں سب کو سونے کی قیمت کے ساتھ ملا کر یہ دیکھا جائے گا کہ اگر یہ مجموعہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اگر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

کبھی سونا اتنا سستا ہو جائے کہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت سے کم ہو جائے تو نقد روپے میں سونے کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ "حق غرباء" کو مقدم رکھا جائے گا۔ جس صورت میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے وہی صورت اختیار کی جائے گی۔

ہر مہینے تھوڑی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا سال بھر کا حساب کر کے مہینے کے مہینے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے اور اگر آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو آخری مہینہ میں اضافی آمدنی کا حساب کر کے مزید جو زکوٰۃ بنے گی ادا کر دی جائے گی کیا یہ صورت جائز؟

الجواب:-

جو مالک نصاب ہوگیا وہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے سکتا ہے، تھوڑی تھوڑی بھی دے سکتا ہے سال مکمل ہونے پر حساب کرلے جتنی کمی ہو وہ پوری کردے۔ اور اگر زیادہ دی ہے تو اسے آئندہ سال میں کاٹ سکتا ہے۔

سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے ۸ سال تک زکوٰۃ ادا نہیں کی اب وہ زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی سال ادائیگی میں جو سونے کی قیمت ہے اسی کے مطابق ادا کرنی ہوگی یا ہر سال جو قیمت تھی اس کے مطابق ادا کیجائے گی ؟

الجواب:-

سالہائے گذشتہ کی بھی جو زکوٰۃ ادا کرے گا تو سونے، چاندی کی قیمت جب وقت ادائیگی ہوگی اس قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ گذشتہ سالوں کے سونے کی قیمت کے حساب سے نہیں دی جائیگی۔

سونے میں سے سونا ہی بطور زکوٰۃ ادا کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ:

ساڑھے سات تولہ سونے میں سے سونا ہی زکوٰۃ میں ادا کیا جائے، تو اسکی کیا مقدار ہوگی ؟

سائل: محمد عبداللہ، میرپور خاص

الجواب:-

سونے کی زکوٰۃ میں سے جب سونا ہی زکوٰۃ میں دیا جائے، تو ساڑھے سات تولے سونے میں سوا دو ماشے سونا بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے زکوٰۃ دینے والا اگر سونا نہ دے تو اس کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

زمین، پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

زمین یا پلاٹ وغیرہ اگر ایک سے زیادہ ہوں، بیچنے کی غرض سے نہ ہوں لیکن آئندہ کسی تجارت میں کام آنے کی غرض سے ہوں، تو کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی ؟

الجواب:-

کسی چیز کو خریدنے کے وقت اگر یہ ارادہ ہے کہ اس کو فروخت کرے گا تو وہ مال تجارت ہوجاتا ہے، اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہوتی ہے اور اگر خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہ تھی تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے۔

ٹی وی، فریج اور واشنگ مشین پر زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ:
ایک آدمی کے پاس ٹی وی، فریج، اور واشنگ مشین وغیرہ موجود ہیں اور سونا چاندی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیا ان اشیاء میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب:-

ٹی وی، فریج اور واشنگ مشین وغیرہ گھریلو سامان ہیں، خواہ ان سے کام لیتا ہو یا نہ لیتا ہو سب مال غیر نامی ہیں۔ لہٰذا ان چیزوں پر زکوٰۃ نہیں۔

سونے، چاندی کے کھوٹ پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

سونے کے زیورات میں خالص سونے پر زکوٰۃ ہوگی یا کھوٹ پر بھی؟

سائل: محمد عبد اللہ، میرپور خاص

الجواب:-

اگر سونا کھوٹ پر غالب ہے تو کھوٹ سمیت سونے کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اگر کھوٹ غالب ہے تو صرف سونے ہی کے وزن کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

تجارت میں لگائی گئی رقم پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

آج کل جو پیسے مختلف تجارتی کمپنیوں میں نفع اور نقصان کی بنیاد پر لگائے جاتے ہیں کیا اس لگائی گئی رقم پر رب المال (رقم کا مالک) زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب:-

جو رقم تجارت کی غرض سے کسی کمپنی وغیرہ کو دی گئی ہے، اگر وہ نصاب زکوٰۃ کے برابر ہے تو رب المال کو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

کمپنیوں سے ملنے والے منافع اور دیوالیہ رقم پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان وشرع متین اس مسئلے میں کہ:

(۱) ایک سال قبل شروع روزوں میں میرے پاس تین لاکھ روپے تھے۔ میں نے منافع کی غرض سے مختلف کمپنیوں میں وہ رقم لگادی ماہ جنوری ۱۹۸۸ء تک برابر منافع ملتا رہا، اس کے بعد ساری کمپنیاں دیوالیہ ہوگئیں، جن سے کچھ ملنے کی توقع نہیں ہے، ان تین لاکھ روپے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

اگر یہ رقم پوری یا کم کچھ عرصے بعد مجھے مل جائے تو کیا ان سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جن میں یہ رقم ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی؟ نیز اس لگائی گئی رقم سے جو منافع مجھے ملا اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

سائل: محمد الیاس صدیقی، مجاہد آباد، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

شریعت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے اسلامی سال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جب آپ رمضان کے شروع میں جس تاریخ کو صاحب نصاب ہوئے تھے ہر سال اسی تاریخ کو حساب کیجیے اور اموال زکوٰۃ ہوں، ان کی زکوٰۃ کا حساب کرلیجیے۔ اس کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو ادا کر دیجیے۔

(۲) عام طور پر جن کمپنیوں نے نفع کا اعلان کر کے لوگوں سے روپیہ جمع کیا وہ سب سودی کاروبار تھا۔ اگر صرف وہی روپیہ علیحدہ سے جمع رکھا ہوا ہے، جو ان کمپنیوں نے نفع کے نام سے دیا ہے اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ "مال خبیث" ہے اور مال خبیث مالک کو لوٹانا یا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

کما لو کان الکل خبیثا

یعنی جیسے وہ تمام مال خبیث تھا۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

و فی القنیة لو کان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکٰوة لان الکل واجب التصدق علیه فلا یفید ایجاب التصدق ببعضه اھ و مثله فی البزازیة

(جلد (۲) کتاب الزکٰوة، مطلب فی التصدق من المال الحرام، صفحه: ۲۸، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی قنیہ میں ہے کہ اگر خبیث مال بقدر نصاب ہے تو (اس میں) زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ اس پر سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے، پس کچھ صدقہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اسی طرح بزازیہ میں ہے۔

اور اگر اپنے پاک مال کے ساتھ اسے ملا دیا تو پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ در مختار میں ہے:

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکٰوة فیه

(بر حاشیه شامی، جلد (۲) کتاب الزکٰوة، مطلب فیما لو صادر السلطان رجلاً اھ، صفحه: ۲۷، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی اگر بادشاہ نے غصب کیے ہوئے مال کو اپنی ملکیت والے پاک مال میں ملا دیا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جو رقم کمپنی کو دی گئی جب تک وہ بازیاب ہے تو اس میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے۔ اور جب رقم کی واپسی خطرے میں پڑ جائے تو اس وقت اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی نہیں۔ ڈوبی ہوئی رقم جب واپس مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

کرائے پر اٹھائے گئے مکان کی مالیت

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ

مؤدبانہ گزارش ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مندرجہ ذیل سوال کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں چاہتا ہوں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین

مکان کا اوپر کا حصہ کرائے پر ہے مگر اس کا کرایہ گھر کے اخراجات میں پورا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مکان کے اس حصہ کی زکوٰۃ ہے یا نہیں اگر ہے تو کس حساب سے ادا کرنا ہے؟

الجواب:-

جو مکان بیچنے کی غرض سے تعمیر نہیں کیا گیا بلکہ اپنے استعمال کے لئے بنایا گیا ہے، اس کے کرائے پر

زکوٰۃ ہوتی ہے مکان کی مالیت پر نہیں۔

مال جہیز پر زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

جہیز کا سامان خریدے ہوئے اگر اس پر سال گذر جائے تو کیا اس صورت میں سامان جہیز پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب:-

جہیز میں دینے کے لئے جو سامان خریدا گیا ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ سونے چاندی کے جو زیورات ہیں جب تک وہ لڑکی کو نہ دے دیئے جائیں وہ باپ یا سربراہ کی ملکیت ہیں۔ لہٰذا ان کی زکوٰۃ اپنے اموال کے ساتھ ملا کر سال پورا ہونے پر ادا کی جائے گی۔ جس تاریخ کو شادی ہوگی اور وہ زیورات لڑکی کو دے دیئے جائیں گے اس تاریخ سے وہ لڑکی کی ملکیت ہوں گے۔ سال گذرنے کے بعد لڑکی خود زکوٰۃ ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

مکان یا سواری کی خریداری کے لئے رکھی گئی پونجی پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر کوئی مسلمان مالک نصاب ہو لیکن اس کے پاس رہنے کے لئے اپنا گھر نہ ہو۔ یعنی رہائش جیسی بنیادی ضرورت سے محروم ہو تو کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا اسکی بنیادی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا؟

اسی طرح سواری انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے۔ آیا ایک شخص جو صاحب نصاب ہے اپنے کل مال سے سواری کے لئے رقم "منہا" کر کے باقی رقم سے زکوٰۃ ادا کرے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل: احمد رضا فاروقی، کراچی

الجواب:-

زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ ہے، جس کی فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ قرآن میں کہیں اسکو حق

سائل کا نام دیا گیا اور کہیں حق محروم ۔ زکوٰۃ، وہ غریب کا حق ہے جو اللہ نے صاحب نصاب کے مال میں رکھا ہے ۔ لہذا جو شخص نصاب کا مالک ہوگا تو سال کے اختتام پر چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا فرض ہے ۔ اس میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کی آئندہ کی ضروریات کیا ہیں ۔ مکان بنانے کے لئے، بچوں کی شادی کے لئے، سواری خریدنے کے لئے یا حج کرنے کے لئے، جو رقم اس کے پاس رکھی ہے اور وہ نصاب کو پہنچتی ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے ۔ سال پورا ہونے سے پہلے جو خرچ کر لیا، اس کی زکوۃ نہیں ۔

پگڑی کے مکان پر زکوۃ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص پگڑی کے مکان میں رہتا ہے جبکہ اس نے بنک سے لون کی صورت میں ۴۰۰ گز کا ایک پلاٹ لیا ہوا ہے اور ایک عدد "کار" بھی لی ہوئی ہے ۔ تقریباً چھ ہزار روپے ادا کر چکا ہے ۔ عرض خدمت یہ ہے کہ شخص مزکور پر ادائیگی زکوۃ کی کیا صورت ہوگی ؟

الجواب:-

مکان پلاٹ کوئی چیز بھی اپنے روپے سے خریدے اور خریدتے وقت یہ نیت نہ ہو کہ اسے بیچوں گا، تو ان میں زکوۃ نہیں ہوتی ہے ۔ پگڑی پر مکان لینے سے تو اس مکان کا مالک ہی نہیں ہوتا ہے ۔ لہذا اس میں زکوۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

پگڑی پر لئے گئے مکان و دوکان کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

زید ! نے پگڑی پر مکان حاصل کیا ۔ پگڑی کا اصول یہ ہے کہ مکان نہایت ہی معمولی کرایہ پر ہوتا ہے اور کرایہ دار جب چاہے اسے کسی بھی دوسرے شخص کو فروخت کرسکتا ہے اگرچہ مالک مکان کوئی اور ہے اور وہ اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا ۔ مالک مکان کو صرف کرایہ سے مطلب ہوتا ہے ۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ پگڑی پر حاصل کردہ مکان و دوکان کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

سائل : محمد امین قادری

الجواب:-

پگڑی کا مکان یا دوکان لینا ناجائز ہے، جس شخص نے پگڑی دے کر مکان لیا اس نے ناجائز کام کیا اور اپنا

روپیہ ناجائز " عقد " میں ضائع کردیا وہ گنہگار ہے توبہ کرے اور زید نے اپنا مکان یا دوکان پگڑی لے کر جب کسی دوسرے کو دی تو زید اس روپے کا مالک ہی نہیں ہوگا۔ عمر بھر اس پر قرض ہے کہ جس سے یہ روپیہ لیا ہے اس کو واپس کردے۔ زید نے پگڑی پر دیئے گئے مکان و دوکان والے مال سے جو نفع حاصل کیا وہ سب ناجائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ پگڑی سسٹم ناجائز ہے۔

نوٹ :-

پگڑی کی مزید تفصیلات جاننے کے لئے " وقار الفتاوی " حصہ اول " حرام " کی بحث کا مطالعہ کیجئے۔

(مرتب)

فیکٹری اور کرائے کی گاڑی پر زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

جو شخص فیکٹری کا مالک ہے تو فیکٹری کی عمارت کی مالیت پر زکوٰۃ ہے یا نہیں نیز اگر کوئی شخص ٹرک قسطوں پر لے تو کیا اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مفصل وضاحت فرمائیں۔

سائل: محمد دین، ڈاکوڑی، بنوں

الجواب:-

جب کوئی عمارت اس غرض سے بنائی گئی کہ اس کے ذریعہ سے مالی منفعت اٹھانے کا ارادہ ہے مثلاً کرایہ پر دوں گا یا فیکٹری میں چیزیں تیار کروں گا ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا فیکٹری کی عمارت اور مشینری کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جو سرمایہ فیکٹری چلانے کے لئے رکھا گیا اور جو خام مال کام آنے کے لئے خریدا گیا ہے اور جتنا مال تیار جمع ہوگا، اس سب پر زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح جو ٹرک قسطوں پر خریدا ہے اس کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے اس سے کما کر جو مال جمع کرے گا اور بقدر نصاب ہو اور سال گزر گیا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

منافع پر دی گئی اور بی سی کی رقم پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل مسائل میں میری رہنمائی فرمائیں۔ میں پاکستان ریلوے سے ریٹائرڈ ہوا تو ۵۰ ہزار روپے مجھے جی پی فنڈ سے ملے۔ میں نے یہ رقم ایک صاحب کو کاروبار کے لئے دے دی۔ موصوف ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم منافع کے

طور پر دے دیتے ہیں کبھی ۱۵۰۰ اور کبھی کچھ زیادہ۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھے زکوٰۃ ادا کرنی ہے جو منافع حاصل ہوتا ہے اس سے گھر کا خرچہ مشکل سے چلتا ہے جبکہ گھر میں ماشاء اللہ سات بچے اور دو ہم میاں بیوی ہیں تو ہم کس حساب سے زکوٰۃ ادا کریں جبکہ خرچ میں سے کچھ بچت نہیں ہوتی ہے البتہ ایک کمیٹی ضرور ڈالی ہوئی ہے۔

الجواب:-

آپ نے جو پچاس ہزار روپے، جس شخص کو دیئے ہیں، اس پر منافع لینا خالص سود ہے۔ اور کاروبار میں شرکت کی ہے تو شراکت کی شرائط لکھنے کے بعد یہ بتایا جاسکے گا کہ یہ شرکت جائز ہے یا حرام۔ بہر صورت آپ پچاس ہزار کے مالک تو ہیں۔ اس کی زکوٰۃ دینا آپ پر فرض ہے اور اگر کمیٹی ڈالی ہے، اس میں جتنا روپیہ آپ نے ادا کیا اس کو بھی پچاس ہزار کے ساتھ ملا کر حساب کریں گے۔

مقروض کا قرض کی قسط کو مال زکوٰۃ سے منہا کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم مفتی صاحب!

زکوٰۃ کے متعلق ایک سوال ارسال کر رہا ہوں، امید ہے جواب سے ضرور نوازیں گے۔

ایک شخص کے پاس اتنی نقدی اور سونا ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہے مگر اس کے ذمہ قرض ہے۔ کیا وہ اس قرض کی رقم کو اپنے کل مال زکوٰۃ سے منہا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد امین قادری

الجواب:-

قرض دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ قرضہ ہوتا ہے، جس کا مطالبہ ہر وقت کیا جاسکتا ہے جیسے عام طور پر کسی ضرورت کے لئے ملنے والوں سے لوگ قرض لیتے ہیں اور کچھ دن بعد واپس کر دیتے ہیں ایسا قرضہ زکوٰۃ کے مجموعی اموال میں سے نکال کر باقی کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ دوسرا قرضہ "میعادی" ہوتا ہے، جس کا مطالبہ ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ طے شدہ مدت گزرنے کے بعد ہی مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ یا قسطوں کی صورت میں مطالبہ کیا جاسکتا ہے جیسے ہاؤس بلڈنگ وغیرہ کا قرضہ، اس قرض کو اموال زکوٰۃ میں سے منہا نہیں کیا جائے گا۔ سال پورا ہونے کے بعد جب زکوٰۃ کا حساب کیا جائے گا اس وقت اگر کوئی قسط واجب الادا ہے تو صرف اس قسط کو اموال زکوٰۃ میں سے منہا کر کے باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور اگر اس وقت کوئی قسط واجب الادا نہیں ہے تو پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

الاستفتاء:-

ایک شخص سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ کا کچھ حصہ حکومت پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں کاٹتی ہے اور اتنا ہی حصہ مزید اپنی طرف سے ملاکر ملازم کے کھاتہ میں جمع کرتی ہے وہ شخص اس فنڈ سے کچھ رقم ایڈوانس لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ جس کی قسطیں اس کی تنخواہ سے کاٹ لی جاتی ہیں۔ اگرچہ رقم اس کی ہی ہے مگر وہ اس کو استعفیٰ دینے یا ملازمت چھوڑنے پر ہی مل سکتی ہے یعنی دوران ملازمت وہ اس کو حاصل نہیں کرسکتا۔ پراویڈنٹ فنڈ سے حاصل کردہ رقم جو قسطوں کی شکل میں واپس کرنا ہوتی ہے کیا بقیہ واجب الادا اقساط کو اپنے مال زکوۃ سے منہا کرسکتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد امین قادری

الجواب:-

پراویڈنٹ فنڈ کا وہ حصہ جو ملازم کی تنخواہ سے کاٹا جاتا ہے وہ اس ملازم کی ملکیت ہے۔ اگرچہ قبضہ نہیں ہے اس فنڈ کو بطور ضمانت قرار دے کر اس کے کچھ حصہ کو ملازم قرض لے سکتا ہے یہ اس کے فنڈ کا حصہ نہیں ہے بلکہ قرض ہے۔ اس قرض کا حکم میعادی قرض کی طرح ہے یعنی جو قسط سال پورا ہونے پر زکوۃ کا حساب کرتے وقت واجب ہے اس کو اموال زکوۃ میں سے کم کر کے باقی کی زکوۃ دے گا اور جو قسط اس وقت واجب نہیں وہ زکوۃ کے مال میں سے کم نہیں کی جائے گی۔

بھائی کو زکوۃ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

میرا چھوٹا بھائی جو "فلوریڈا" میں زیر تعلیم ہے اگر وہ مستحق زکوۃ ہے تو کیا میں اس کو زکوۃ کی رقم دے سکتا ہوں یا نہیں؟

سائل: قدرت اللہ

الجواب:-

اگر آپ کا بھائی مالک نصاب نہیں ہے تو آپ اپنی زکوۃ کی رقم بھائی کو دے سکتے ہیں، اس وقت تین ہزار روپیہ نصاب زکوۃ ہے، جس کے امریکی ڈالر تقریباً ایک سو پچاس بنتے ہیں، اگر اتنے ڈالر اس کے پاس ہوں تو

وہ صاحب نصاب ہے اور زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

بہن کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا شادی شدہ ہمشیرہ کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اس کے گھر کا خرچ تو ٹھیک چل رہا ہے مگر رہنے کو مکان نہیں ہے، کرایہ پر رہتی ہیں، خاوند کماتا ہے، آٹھ بچے ہیں، سب زیر تعلیم ہیں۔ ان کے پاس زیورات میں سے کچھ نہیں ہاں کچھ نقدی رقم ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔

الجواب:-

بہن اگر مالک نصاب نہ ہوں تو بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

سادات (سید) کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک سیدہ خاتون نے درخواست دی ہے کہ وہ بیوہ ہے اور اس کے ۲ بیٹے پاگل ہو گئے ہیں۔ جن میں سے ایک کو زنجیر سے باندھ کر رکھا ہوا ہے۔ اس کا کمانے والا کوئی نہیں ہے۔ لہذا مجھے زکوٰۃ فنڈ سے گذر کے لئے رقم دی جائے۔ ازراہ کرم جواب سے مشکور فرمائیں آیا سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمود اعوان چیئرمین لوکل زکوٰۃ و عشر

الجواب:-

سادات کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے منہ مبارک سے صدقہ کی کھجور نکال کر پھینک دی جو انہوں نے بچہ ہونے کی وجہ سے اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی۔ اور فرمایا یہ گندہ مال ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نبی کی قرابت کو باعث عزت قرار دیکر زکوٰۃ کی رقم کے علاوہ اپنے ان مالوں سے امداد کریں جو اپنی اولاد پر خرچ کرتے ہیں۔

اقراء اور اسی طرز کے دیگر مدارس میں زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام مندرجہ ذیل صورت کے بارے میں کہ:

ہماری مسجد فاروقی بلاک ۱۴ گلشن اقبال میں ایک مدرسہ چل رہا ہے جہاں پر دینی تعلیم کے علاوہ انگریزی تعلیم پانچویں جماعت تک دی جاتی ہے۔ مدرسہ میں امراء کے بچوں کے علاوہ ملحقہ کچی آبادی سے تعلق رکھنے والے غریب اور نادار بچوں کی بھی ایک خاصی تعداد زیر تعلیم ہے۔ جو بچے فیس ادا کر سکتے ہیں، ان سے ماہانہ فیس وصول کی جاتی ہے اور جو بچے فیس ادا نہیں کر سکتے انہیں فیس معاف کے علاوہ کتابیں، طبی امداد، سوئٹر اور یونیفارم وغیرہ بلاقیمت مہیا کئے جاتے ہیں۔

اور یہ سارے اخراجات اہل محلہ سے حاصل شدہ زکوۃ، فطرہ، صدقہ، خیرات اور دیگر عطیات سے پورے کیے جاتے ہیں۔ مزید اس ضمن میں قربانی کی کھالیں بھی وصول کی جاتی ہیں۔ اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں مدرسہ کے لئے درج بالا مدات میں حاصل کردہ رقوم غریب طلباء اور مدرسین کی تنخواہ یا مدرسے کے دیگر مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں زیر تعلیم سب طلبہ مقامی ہیں اور مدرسہ کے اوقات کے دوران آتے ہیں اور پھر گھروں کو چلے جاتے ہیں کوئی بھی طالب علم مستقل طور پر وہاں نہیں رہتا۔ برائے کرم جواب سے نوازیں۔

سائل: یونس حاجی احمد سوریا

الجواب:-

زکوۃ ادا ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کسی غیر سید اور غیر مالک نصاب کو مالک بنا کر دی جائے۔ کسی ایسے کام میں زکوۃ خرچ نہیں کی جاسکتی، جہاں پر کوئی مالک نہیں ہوتا ہے جیسے مسجد، مدرسہ، کنواں یا ہسپتال بنانا وغیرہ اور یہی حکم ہر واجب صدقہ کا ہے۔ مثلاً صدقۂ فطرہ، نماز روزہ کا فدیہ اور کفارہ وغیرہ۔ لہذا صورت مسئولہ میں اس مدرسہ پر زکوۃ خرچ نہیں کی جاسکتی۔ یہ کر سکتے ہیں کہ ایسے بچے، جن کے باپ غریب ہیں اور زکوۃ لینے کے مستحق ہیں زکوۃ کے روپے، ان کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں، جن سے وہ اپنی فیس ادا کر دیں یا گاڑی کا کرایہ دے دیں یا ان کو کتابیں خرید کر دی جاسکتی ہیں۔

عطیات جن کاموں کے لئے دینے والے نے دیئے ہیں انہی کاموں میں خرچ کیے جاسکتے ہیں۔ قربانی کی کھالیں ہر نیک کام میں خرچ کی جاسکتی ہے، اس میں مالک بنانا شرط نہیں ہے۔ مگر کسی کام کے معاوضہ میں نہیں دی جاسکتی لہذا مدرسین کی تنخواہ بھی کھالوں کی قیمت سے نہیں دی جاسکتی ہے۔

مشروط کر کے زکوۃ دینا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

زکوٰۃ کی مد سے تعمیر کئے گئے فلیٹس حسب ذیل شرائط پر مستحقین زکوٰۃ کو دیئے گئے ہیں

شرائط :-

(۱) یہ فلیٹ کم از کم پانچ سال تک آپ کسی کے ہاتھ بیچ نہیں سکیں گے۔

(۲) متعلقہ فلیٹ آپ کو استعمال کے لئے دیا جارہا ہے۔ کرائے پر دے سکتے ہیں نہ پگڑی پر۔ نیز کسی دوسرے شخص کو بھی استعمال کے لئے نہیں دے سکتے۔

(۳) فلیٹ کی مرمت کے لئے جو رقم جماعت مقرر کرے وہ ہر ماہ جماعت کو ادا کر کے اس کی رسید حاصل کرنی ہوگی۔

(۴) فلیٹ کسی دوسرے مالک فلیٹ سے ادلی بدلی نہیں کیا جا سکے گا۔

(۵) اس عمارت کی چھت جماعت کے قبضہ میں رہے گی۔

(۶) مستقبل میں فلیٹ بیچنے یا چھوڑنے کی صورت میں نو آبجیکشن سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد مزید کارروائی ہو سکے گی۔

(۷) اوپر بیان کی گئی شرائط کے علاوہ جماعت کی جانب سے صادر ہونے والے نئے احکامات اور شرائط کو مان کر، ان پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

(۸) درج بالا شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں جماعت والے مکین فلیٹ سے قبضہ منسوخ کروانے کے مجاز ہوں گے۔

ان بیان کی گئی شرائط اور پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے والے ممبر سے جماعت فلیٹ خالی کرا سکے گی اور فلیٹ میں رہنے والے کو اس پر عمل کرنا اور قانونی حق چھوڑنا ہوگا۔

(اقرار نامہ) فلیٹ لینے والا شخص کہتا ہے کہ میں جماعت کی نافذ کردہ تمام شرائط اور ہدایات پڑھ کر، سمجھ کر منظور کرتا ہوں اور اپنی خوشی سے اقرار نامے پر دستخط کرتا ہوں۔

اب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ ایسی تعمیرات میں زکوٰۃ کی مد سے رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل سکھر شہر میں زکوٰۃ کے کروڑوں روپے وصول کر کے ایسی عمارات میں لگائے جا رہے ہیں۔

سائل: ولی محمد، لطیف کلاتھ مارکیٹ، کراچی

الجواب:-

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ جس کو دی جائے، اس کو مالک بنادیا جائے اور جو مالک ہو جائے گا، اسے اپنی ملکیت فروخت کرنے اور کرایہ پر دینے وغیرہ کے ملکیت کے جملہ تصرفات حاصل ہو جائیں گے۔ لہذا زکوٰۃ میں اس طرح فلیٹ دینا کہ اسے ملکیت کا کوئی تصرف کرنے کا حق نہ دیا جائے مالک بنانا نہیں ہے۔ تو ان شرائط کے

تحت فلیٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ۔ ان شرائط پر تو کسی چیز کے بیچنے سے بیع بھی نہیں ہوتی ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ گھر تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں مگر تم اسے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ نہیں سکو گے تو یہ "بیع فاسد" ہے ۔ لہذا ایسی تعمیرات میں اپنی زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں ۔

نابالغ کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

نابالغ کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے ؟ اگر دی جائے تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

سائل : محمد شعیب

الجواب:-

نابالغ چھوٹے بچوں کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں ہے ۔ قرآن کریم میں یتیم بچوں کو ان کا مال ، ان کو دینے کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ جب وہ سمجھ دار ہو جائیں تو ان کا مال انہیں دو ۔

(سورۃ (٦) الانعام ، آیت : ۱۵۲)

اور نابالغ بچوں میں سے جن کے والدین مالدار ہوں یا جو سید ہوں ، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اگر نابالغ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے ، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔

کتاب کی مفت تقسیم کے لئے زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

فری لٹریچر کی اشاعت کے لئے زکوٰۃ کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ براہ کرم مسئلے کی کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ۔

سائلین : اراکین ادارہ معارف نعمانیہ

الجواب:-

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کسی غیر سید مستحق زکوٰۃ شخص کو مالک بنا کر دی جائے ، جہاں مالک بنانا نہ پایا جائے وہاں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ۔ لہذا صورت مسئولہ میں فری لٹریچر کی اشاعت کے لئے بھی زکوٰۃ

کا استعمال جائز نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ

(بر حاشیہ شامی، جلد (۲) کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، صفحہ: ۶۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور زکوٰۃ ادا کرنے میں شرط ہے کہ خرچ بطور تملیک ہو۔ یعنی مالک بنا کر دیا جائے نہ کہ بطور اباحت۔ البتہ زکوٰۃ فنڈ سے طباعت شدہ کتب وغیرہ صرف ایسے لوگوں کو جو کہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، مالک بنا کر انہیں دے دیا جائے تو یہ صورت جائز ہے۔

پیشہ ور گداگروں، سیاسی جماعتوں اور رفاہی اداروں کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک فیملی گروپ یا چند اشخاص کسی ایک جگہ رہتے ہیں یا مشترکہ کاروبار کرتے ہیں ان کی کاروباری آمدنی پر سالانہ شرعاً جو زکوٰۃ بنتی ہے، اسے وہ فقراء ومساکین، یتامیٰ، اوقاف، پیشہ ور گداگروں اور ان اداروں کو جو خیرات وصدقات پر چلتے ہیں، درجہ بدرجہ بانٹ دیتے ہیں۔ بعض اوقات چھوٹے بڑے حکمران اور سیاسی شخصیات بھی کچھ حضرات کو اپنے سفارشی خطوط دے کر بھیج دیتے ہیں کہ ان کو اتنی اتنی رقم مال زکوٰۃ میں سے دے دیجیے۔ جبکہ زکوٰۃ دہندہ اس سفارشی آدمی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ یہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں اور اگر اسے کچھ نہ دیا جائے تو بلاوجہ کی مخالفت کا خطرہ رہتا ہے۔ بینوا و توجروا

سائل: اسلم نورانی، کلفٹن، کراچی

الجواب:-

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ کسی غیر سید، غیر مالک نصاب مسلمان کو مالک بنا کر دی جائے، کسی کام کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اور یہ تحقیق کرنا بھی ضروری ہے کہ جس کو دے رہے ہیں، وہ مسلمان ہے اور مالک نصاب نہیں ہے۔ پیشہ ور فقیر جو مانگتے پھرتے ہیں، ان میں سے اکثر مالک نصاب ہوتے ہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

سیاسی لوگ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر زکوٰۃ دلواتے ہیں۔ جس کو دی جائے اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ کس کام میں خرچ کرنے کے لئے زکوٰۃ لے رہا ہے اگر جائز مصرف کے لئے زکوٰۃ لے رہا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ورنہ ادا نہیں ہوگی۔

طلبہ تنظیم کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

طلبہ کی ایک تنظیم، جو خالصتاً مذہبی تنظیم ہے اور جس کا مقصد طلباء کے دلوں میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع فروزاں کرنا ہے۔ طلبہ کی اس تنظیم کو قائم ہوئے تقریباً ۲۱ سال ہو چکے ہیں۔ آج پورے پاکستان میں تعلیمی اداروں اور گلی کوچوں میں پھیل چکی ہے۔ اس طلبہ تنظیم کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تنظیم کے اخراجات اب تک تو طلبہ اپنی ہی جیبوں اور مخیر حضرات کی امداد سے پورا کرتے تھے۔ لیکن اب اخراجات بڑھ چکے ہیں اور ذرائع آمدنی، اخراجات کی نسبت کم ہیں، جس کی وجہ سے تنظیم کا کام متاثر ہورہا ہے۔ موجودہ دور میں بد عقیدہ اور تعصب پسند طلبہ تنظیموں کے درمیان صرف واحد یہ طلبہ تنظیم ہے، جو حق کا پرچار کر رہی ہے۔ تنظیم کا زیادہ تر خرچ دینی لٹریچر، پوسٹر، سرکلر اور تنظیمی دوروں پر ہوتا ہے۔ کیا یہ تنظیم اپنے اخراجات کی مد میں زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے؟

سائل: محمد سلیم ہاشم

الجواب:-

زکوٰۃ کے پیسے سے مذہبی کتابیں چھاپ کر، مستحقین زکوٰۃ کو تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ طلباء عام طور پر خود مالدار نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے والدین مالدار ہوتے ہیں اور مالدار باپ کی بالغ اولاد اگر اپنا مال نہ رکھتی ہو تو ان کو بھی ایسی کتابیں دی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ تنظیمی کاموں میں یا اشتہار وغیرہ چھپوانے میں زکوٰۃ کا روپیہ نہیں خرچ کیا جا سکتا۔

عند الضرورت زکوٰۃ لینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

ایک شخص جو کہ خود باروزگار ہے اور اس کی آمدنی ماہانہ اوسطاً دو ہزار روپے ہے۔ اخراجات کے بعد اس کے پاس ۸۰۰ روپے ماہانہ بچ بھی جاتے ہیں۔ لیکن اس کا گھر وغیرہ ذاتی نہیں ہے اور وہ صاحب نصاب بھی نہیں ہے اب وہ اپنی بہن کی شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات برداشت کر سکے۔ کیا وہ شخص زکوٰۃ کی رقم شادی کے اخراجات کے لئے لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:-

اگر اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر روپے موجود ہیں ، چاندی سستی ہونے کی وجہ سے ساڑھے باون تولے کی قیمت اس وقت تقریباً اٹھارہ سو روپے بنتے ہیں ۔ جب تک اتنے روپے اس کے پاس موجود ہیں ، وہ مالک نصاب ہے ، زکوٰۃ نہیں لے سکتا اگرچہ روپے ماہ رواں کے خرچ کے لئے ہی رکھے ہوں ، جب تک یہ گھٹ کر نصاب سے کم نہیں ہوں جائیں زکوٰۃ نہیں لے سکتا ۔ البتہ یہ کرسکتا ہے کہ بہن مالک نصاب نہ ہو تو اسکے لئے زکوٰۃ لے لے پھر اس کی رضا مندی سے یا اس کے ہاتھ میں دے کر خرچ کرے تو یہ صورت جائز ہے ۔

مکان کی مرمت کے لئے زکوٰۃ لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک شخص نے زکوٰۃ کی رقم لیکر مکان خریدا ۔ مکان قابل مرمت ہے ۔ کیا وہ شخص مزید زکوٰۃ کی رقم سے مکان کی مرمت کروا سکتا ہے یا نہیں ؟ اس شخص کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے ۔

سائل : عبد الغنی ، موسیٰ کالونی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں جب اس شخص کے پاس بقدر نصاب سرمایہ نہیں ہے تو یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اپنی ضروریات میں اسے خرچ کر سکتا ہے ۔ البتہ یہ شخص سوال نہیں کرے گا ۔

مدرسے کا قرض اتارنے کے لئے زکوٰۃ لینا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب !

سلام مسنون

اگر کسی دینی مدرسے میں جہاں مسافر طلبہ قیام پذیر نہ ہوں ، اس مدرسے کی عمارت یا معلمین کی رہائش گاہ کی تعمیر کی وجہ سے مدرسہ مقروض ہوگیا تو آیا اس قرضہ کی ادائیگی کے لئے مدرسہ کی انتظامیہ مجبوری میں زکوٰۃ کی رقم لیکر قرض ادا کر سکتی ہے ؟ جواب سے مطلع فرمائیں ۔

الجواب:-

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ایک شرط "تملیک" بھی ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دی جائے۔ جہاں ملکیت نہیں وہاں زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں زکوٰۃ خرچ نہیں کی جائے گی۔

برادری کے مستحقین کی امداد کے لئے زکوٰۃ جمع کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

آج سے تین سال پہلے ہم نے غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک ادارہ قائم کیا، جس میں ہماری برادری کے افراد نے کچھ رقم بطور "عطیہ" دی۔ اس رقم سے ہم نے ڈیکوریشن کا سامان خرید کر تجارتی بنیاد پر چلانے کا اہتمام کیا تاکہ جماعت مالی طور پر مستحکم ہوتی رہے۔ اور زکوٰۃ بھی جمع کی تاکہ برادری کے مستحق لوگوں کی امداد کی جائے۔ مزید جماعت کو مستحکم کرنے کے لئے "بانڈ" بھی خریدے تاکہ انعام کی صورت میں جماعت کے لئے دوکان یا پلاٹ خریدا جاسکے۔ چنانچہ پرائز بانڈ پر انعام نکلا لیکن انعام میں ملنے والی رقم ضرورت کے مطابق نہیں تھی۔ لہٰذا اس سال پھر رمضان میں زکوٰۃ جمع کی پچھلی زکوٰۃ اور بانڈ کے انعام کی رقم، ان سب کو جمع کر کے جماعت نے ایک دوکان مالکانہ حقوق پر خریدلی ہے۔ اس میں ڈیکوریشن کا سامان کرایہ پر اور دواخانہ کھولنے کا ارادہ ہے تاکہ اس تجارت سے نفع حاصل کر کے زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کی مد میں واپس جمع کری جائے۔ ہمارا یہ فعل کتاب و سنت کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:-

اس طرح جو کمیٹیاں زکوٰۃ وصول کرتی ہیں وہ "امین" ہیں اور زکوٰۃ دینے والوں کی وکیل۔ ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ جتنی زکوٰۃ جمع کریں وہ جن لوگوں کے لئے جمع کی گئی تھی انکو مالک بنا کر دے دیں۔ اور ہر سال جتنی زکوٰۃ وصول کریں سال ختم ہونے سے پہلے اس کو تقسیم کردیں۔ اگر سال ختم ہوگیا اور زکوٰۃ کا روپیہ ان کے پاس باقی رہ گیا تو جن لوگوں سے یہ روپیہ لیا تھا، ان پر اس روپے کی زکوٰۃ دوبارہ فرض ہو جائے گی۔ اور کمیٹی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے دوکان یا پلاٹ خریدے۔ مال زکوٰۃ سے جتنے روپے دوکان خریدنے پہ صرف کئے گئے ان کے ضامن خرچ کرنے والے ہیں۔ اتنا روپیہ یہ اپنے پاس سے، ان لوگوں کو لوٹا دیں، جن سے زکوٰۃ لی تھی، پھر وہ دوبارہ اگر چاہیں تو ان کو دے سکتے ہیں اور یہ کسی کو مالک بنا کر دے دیں۔ اس دوکان پر جو زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کیا گیا

اگر زکوٰۃ دینے والے اس کی اجازت بھی دے دیں جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

زکوٰۃ فنڈ سے غریبوں کا علاج وغیرہ کرنا

الاستفتاء:-

جناب مولانا مفتی صاحب! السلام علیکم

بعد سلام گزارش یہ ہے کہ عوام کی بہتری اور صرف خدمت کے نظریہ سے ہم ایک ہسپتال چلا رہے ہیں۔ ہمارے یہاں تین طرح کے مالی حساب رکھے جاتے ہیں۔

(الف) زکوٰۃ فنڈ جس میں سے غریب مریضوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(ب) عطیات جن میں سے ہسپتال کا تعمیری خرچ اور ملازموں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات پورے کیے جاتے ہیں۔

(ج) تختی فنڈ یعنی رقم دینے والوں کی مرضی کے مطابق ثواب کی نیت سے کاموں کی تختی لگائی جاتی ہے۔

اب ہمارے کچھ ممبران حضرات کی طرف سے مختلف قسم کے کئی سوالات سامنے آئے ہیں جو قابل غور ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا کوئی بھی کام شریعت کے خلاف ہو۔ ممبروں کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زکوٰۃ کی رقم سے سال بھر خرچ کرنے کے بعد جو رقم بقایا رہتی ہے، اس کو ہم اگلے سال میں جمع رکھتے ہیں اور اس میں نئی رقم بھی جمع ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کئی سالوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کیا یہ درست ہے؟ اگر یہ درست نہیں ہے تو پھر صحیح اور آسان طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟

(۲) ایک شخص کچھ واضح کئے بغیر ہمیں رقم دیتا ہے تو کیا اس رقم کو عطیات فنڈ میں جمع کر سکتے ہیں؟ یا رقم دینے والے سے دریافت کیا جائے کہ یہ رقم کس قسم کی ہے؟

(۳) ہسپتال میں رقم دینے والے کی آمدنی بظاہر یا خفیہ اگر ناجائز ہونے کا شبہ ہو جائے تو کیا ان سے کسی بھی صورت میں رقم لی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں لی جاسکتی تو کیا کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ ان سے فنڈ لیا جاسکے؟

(۴) ہسپتال کے دفتر میں یا ہسپتال کے سالانہ رپورٹ میں "محسنوں کی تصویریں رکھی یا چھاپی جاتی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

جناب مفتی صاحب ہم لوگ صرف ثواب کی نیت سے انسانی خدمت کرتے ہیں اور اس پر ہر سال ایک لاکھ روپے سے زائد خسارہ بھی برداشت کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے ہیں کہ عدم علم میں ثواب کی بجائے گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہ نمائی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

سائل: یوسف حاجی عبدالکریم، آنری جنرل سیکریٹری

الجواب:-

(۱، ۲) صورِ مسئولہ میں ایسے نادار مریض کو جو زکوٰۃ کا مستحق ہے اسے اتنی رقم دی جاسکتی ہے، جس سے وہ اپنی دوا یا آپریشن وغیرہ کی فیس ادا کرے۔ زکوٰۃ کی رقم سے ملازمین کو تنخواہ نہیں دی جاسکتی۔ عطیات دینے والوں کو اپنے نام کی تختی لگانے سے گریز کرنا چاہیے کہ اس میں ریاء اور دکھاوے سے حفاظت ہے اگر کسی مقصد صحیح کی غرض سے نصب کروانا چاہیں تو اپنے خرچ سے لگوا سکتے ہیں زکوٰۃ کی رقم سے نہیں جن لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسے سال کے اندر اندر مستحقین میں خرچ کردینا چاہیے اگر خرچ نہ کی گئی اور دوسرا سال آگیا تو زکوٰۃ کی بچی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اس صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والوں پر یہ ضروری ہو جائے گا کہ وہ زکوٰۃ دینے والوں کو بتائیں کہ آپ کی دی گئی زکوٰۃ کی رقم سے اتنی رقم بچ گئی ہے۔ لہٰذا اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کریں۔

عطیات وصول کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ عطیات دینے والوں سے دریافت کریں کہ یہ رقم کس مد کی ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق اسے خرچ کیا جائے۔

(۳) خوا مخواہ کسی کے بارے میں شبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ دینے والے کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ یہ ناجائز رقم سے دے رہا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

(۴) تصویر شریعت میں حرام ہے۔ لہٰذا رپورٹ وغیرہ میں بھی تصویر چھاپنے سے بچنا ضروری ہے۔ گھر میں بھی تصویر آویزاں کرنا درست نہیں۔

بینک میں جمع مال زکوٰۃ پر ملنے والے منافع کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری جماعت، جو کہ ایک فلاحی ادارہ ہے، اس کے پی، ایل، ایس بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ کی رقم جمع ہے، وہ لاکھوں روپوں میں ہے۔ اس پر بنک جماعت کو ایک لاکھ نوے ہزار کے قریب منافع کے طور پر دیتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ منافع کی رقم ہم بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کو کاروبار، رہائش، طبی، تعلیمی امداد یا کسی اور مد کے طور پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سائلین: اراکین کتیانہ میمن ایسوسی ایشن، آغا خان روڈ، کراچی

الجواب:-

فلاحی ادارے جو زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، اس کو سال پورا ہونے سے پہلے خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگر سال پورا ہوگیا اور انہوں نے خرچ نہیں کیا تو جس، جس نے زکوٰۃ دی تھی، ان پر زکوٰۃ دوبارہ فرض ہو جائے گی۔

جب تک زکوٰۃ خرچ نہیں کی جائے گی صرف علیحدہ رکھ لی جائے یا کسی وکیل کو خرچ کرنے کے لئے دے دی جائے اور وہ خرچ نہ کرے تو وکیل کے پاس زکوٰۃ جمع رہنا ایسا ہے کہ جیسے زکوٰۃ دینے والا اپنے پاس رکھے تو اس پر سال پورا ہونے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، جن حضرات سے رقم لی تھی ادارہ سب کو اطلاع دے تمہاری اتنی رقم ہمارے پاس جمع ہے جو خرچ نہیں کی گئی، اس کی دوبارہ زکوٰۃ دے دو۔

غیر سودی اکاؤنٹ اب بھی سودی اکاؤنٹ ہے۔ لہذا اس پر جو منافع کے نام سے بنک دیتا ہے، وہ سود ہے۔ اور اس سود کے مالک، وہی لوگ ہیں، جنھوں نے زکوٰۃ دی تھی۔ ادارہ زکوٰۃ دینے والوں سے اجازت لے کر یہ سود کا روپیہ غریب، غیر سید، غیر مالک نصاب کو بلانیت ثواب مالک بنا کر دے دے، اس کا یہی مصرف ہے۔ آئندہ ایسے اکاؤنٹ میں روپیہ نہ رکھا جائے اور سال پورا ہونے سے پہلے پہلے مال زکوٰۃ تقسیم کردیا جائے۔

عطیات کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری جماعت کو زکوٰۃ کے علاوہ "عطیات" بھی ملتے ہیں ان کو رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا ہے اور یہ عطیات (مال زکوٰۃ کے علاوہ) بعض اوقات سال گزرنے کے باوجود پڑے رہتے ہیں کیا ان پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے؟ یاد رہے کہ ہمارا ادارہ یہ رقم بھی ہر صورت میں رفاہی کاموں پر استعمال کرتا ہے۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں حکم صادر فرمائیں۔

سائل: عبد الرزاق، کتیانہ میمن ایسوسی ایشن

الجواب:-

رفاہی ادارے جو چندہ جمع کرتے ہیں، ان اداروں کے پاس جو روپیہ جمع ہوجاتا ہے، ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔ یہ مال انسانوں کی ملکیت سے نکل کر "اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلاجاتا ہے۔ اور ان صدقات میں غریب کو مالک بنانا شرط نہیں ہے اس لئے ان اموال کا حکم زکوٰۃ کا نہیں ہے۔

فطرے کی جمع شدہ رقم سے مستحقین کو وظائف دینا

الاستفتاء:-

مکرمی جناب مفتی صاحب!

ہم لوگوں نے اپنی برادری کی ایک انجمن بنائی ہوئی ہے جو رمضان المبارک کے مہینہ میں برادری سے فطرہ

وصول کرتی ہے۔ پھر اس جمع شدہ رقم سے برادری ہی کے معذور، یتیم اور بیواؤں کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے سال بھر ماہانہ امداد دی جاتی ہے۔ برادری انجمن ھذا کو اپنے صدقہ فطر کا مالک بنا دیتی ہے کہ انجمن شرعی "مدات" میں جس طرح بھی چاہے خرچ کرے۔ سوال یہ کہ کیا انجمن فطرہ کی رقم کو فوری طور پر نماز عید الفطر سے قبل ہی تقسیم کردے یا زکوٰۃ کی طرح فطرہ بھی سال بھر ماہانہ وظائف کی شکل میں دیا سکتا ہے؟

سائلین : اراکین انجمن حواریان، مشرقی پنجاب

الجواب:-

صدقہ فطر! نماز عید الفطر سے پہلے نکالنا مستحب ہے۔ صدقہ دینے والے اگر کمیٹی کو دے دیں اور یہ اختیار بھی سونپ دیں کہ کمیٹی ضرورت مند مستحقین زکوٰۃ کو فطرہ دے دے تو یہ درست ہے۔ مگر بہتر یہی ہے نماز سے پہلے مستحقین کو دے دیا جائے، اگر اس وقت مستحقین نظر میں نہیں ہیں اس لئے رکھا جائے کہ جس وقت مستحق آئے گا اس کو دیا جائے گا، یہ بھی جائز ہے۔

مال زکوٰۃ سے مسجد کی دوکانیں بنانا

الاستفتاء:-

ایک مسجد کی انتظامیہ نے مسجد کے کچھ حصہ میں مدرسہ بنانے کے لئے زکوٰۃ کی رقم بطور چندہ لی، مدرسہ بن گیا مگر پڑھائی شروع نہیں ہو سکی، اس کے علاوہ مسجد کے لئے وقف زمین کے کچھ حصہ میں، اسی رقم سے کچھ دوکانیں بنائی گئیں۔ دوکانوں سے کرائے میں آنے والی آمدنی، جو کہ جمع شدہ ہے اور تقریباً ۵ ہزار روپے ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس رکھی ہوئی رقم اور مزید ملنے والے کرائے کی رقم کو کس مصرف میں خرچ کریں؟ مثلاً مسجد اور ضروریات مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد انیس قادری

الجواب:-

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ایک شرط "تملیک شخصی" بھی ہے۔ یعنی کسی مستحق زکوٰۃ غیر سید کو مالک بنا کر زکوٰۃ کی رقم دینا۔ متولی! نے دوکانیں بنانے میں جو زکوٰۃ کی رقم خرچ کی، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوئی، جن لوگوں کی زکوٰۃ تھی متولی پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کے روپے کو انہیں واپس کردے اور واپس کی جانے والی رقم اپنی جیب خاص سے ادا کرے۔ وہ دوکانیں جو اس مال سے بنائی گئیں مسجد کی ملکیت ہوگئیں، ان کا کرایہ مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔

رفاہی اداروں کی آمدنی پر زکوٰۃ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری جماعت، جو کہ ایک رفاہی ادارہ ہے اور اس کے زیر اہتمام ہال اور اسکول میں سے، جو منافع حاصل ہوتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ ہمارا ادارہ یہ رقم بھی ہر صورت میں رفاہی کاموں میں استعمال کرتا ہے۔

الجواب:-

صورت مسئولہ میں اس منافع پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

بذریعہ جماعت تقسیم زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ہماری جماعت اپنی برادری کے غریب افراد کو جو ذاتی مکان نہیں رکھتے، مکان کی خریداری کے لئے پندرہ ہزار روپیہ زکوٰۃ فنڈ سے امداد کرتی ہے۔ ان افراد کو پندرہ ہزار میں تو مکان ملتا نہیں۔ لہٰذا ان کی درخواست کو منظور کر کے رقم مختص کر دی جاتی ہے۔ اب تک اٹھارہ سے بیس لاکھ روپے کی رقم جماعت مختص کر چکی ہے لیکن رقم جماعت کے پاس ہی ہے۔ یہ رقم، ان افراد کو مکان کے قبضہ کے وقت دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ سے یہ پوچھنا ہے اس مختص شدہ زکوٰۃ کی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ بات یاد رہے کہ جن افراد کی درخواستیں منظور کی جاتی ہیں، ان کے مکان کی خریداری کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے پندرہ ہزار روپے دیئے جاتے ہیں جبکہ مزید رقم دیگر ذرائع سے جمع کرتے ہیں۔

سائلین: اراکین کتیانہ ایسوسی ایشن، کراچی

الجواب:-

صرف درخواست منظور کر دینے سے وہ شخص مالک نہیں ہوتا ہے، جس کی درخواست منظور کی گئی ہے اور اسے دینا نہیں کہتے ہیں نہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہوتی ہے۔ لہٰذا جس وقت وہ مکان خریدے گا اور اس کو یہ روپیہ دے دیا جائے گا اس وقت یہ زکوٰۃ ادا ہوگی۔ ان تمام لوگوں کے نام کیا ہوا روپیہ کمیٹی کے پاس جب تک رہے گا وہ زکوٰۃ دینے والوں کا روپیہ ہے اور کمیٹی اس کی وکیل ہے، اس کی زکوٰۃ ہر سال دینے والوں کو دوبارہ دینا ہوگی۔

اور جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں ایک اور شکل ہے کہ زکوٰۃ جس کو دی جائے وہ خود مالک نصاب نہ ہو جب یہ لوگ یعنی جن کی درخواستیں منظور کی گئی ہیں اور لوگوں سے روپیہ حاصل کریں گے اگر چہ زکوٰۃ ہی کا ہو تو جس وقت پہلی مرتبہ وہ آج کل کے حساب سے تین ہزار روپے کے مالک ہوگئے صاحب نصاب ہوگئے ان کو اور کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دے سکے گا۔

وکیل سے مال زکوٰۃ کا غبن ہونا

الاستفتاء:-

ہماری برادری کے لوگوں نے ہندوستان سے آنے کے بعد کراچی میں ایک جماعت قائم کی اور اس کو قائم ہوئے چالیس سال ہوگئے ہیں۔ ہماری جماعت میں ہر سال صاحب مال اور برادری کے بزرگ حضرات کو جماعت چلانے کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ ہماری جماعت برادری کی بیواؤں، یتیموں اور مستحق افراد اور مدرسہ چلانے کے لئے برادری سے چندہ جمع کرتی ہے۔ جو زکوٰۃ، خیرات، عطیہ، فطرہ اور قربانی کی کھالوں کی رقم پر مشتمل ہوتی ہے۔ گزشتہ چار پانچ ماہ سے چندہ کی رقم میں جماعت کے ملازمین نے مل کر غبن کیا ہے اور یہ معلوم ہوا کہ دس، بارہ سالوں میں تقریباً بیس لاکھ کی چوری ہوئی ہے اس صورت حال میں آپ سے معلوم کرنا ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوئی ہے یا نہیں اور اس غبن کا ضمان کیا ان بزرگوں پر ہے جن کو امین سمجھ کر زکوٰۃ اور خیرات دی گئی تھی۔ آپ سے درخواست ہے کہ برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ عنایت کیا جائے تاکہ آئندہ زکوٰۃ دینے والے چوکنا رہیں۔

الجواب:-

کوئی بھی ایسوسی ایشن جو زکوٰۃ وصدقات وغیرہ جمع کرتی ہے وہ دینے والوں کی وکیل ہوتی ہے، خود مالک نہیں ہوتی، جس طرح کوئی شخص زکوٰۃ نکال کر اپنے پاس رکھے، جب تک مصارف زکوٰۃ میں خرچ نہیں کر دیتا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ اگر مال زکوٰۃ چوری ہوجائے تو اس پر فرض ہے کہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔ اسی طرح وکیل بھی جب تک زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم نہ کردے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ایسوسی ایشن وکیل تھی، اس کی کوتاہی اور غفلت کی وجہ اسٹاف نے غبن کیا جتنا روپیہ غبن کیا گیا ہے، اس کا تاوان ایسوسی ایشن کے ممبران پر واجب ہے۔ اور جن لوگوں کا روپیہ غبن ہوا ہے ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ ایسوسی ایشن کے ممبران تاوان زکوٰۃ دینے والوں کو ادا کریں، وہ پھر دوبارہ نیت زکوٰۃ سے خود مستحقین میں تقسیم کریں یا ایسوسی ایشن کو وکیل بنا کر دیں۔ ایسوسی ایشن والوں کے متعلق جب تک

یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ دیانت داری سے مصارف میں خرچ کریں گے اور لوگوں کی زکوٰۃ کو محفوظ رکھیں گے، اس وقت تک ان لوگوں کو زکوٰۃ نہ دیں۔

زکوٰۃ کے وصولیابی کے لئے "حیلہ" کرنا

الاستفتاء:-

کسی انجمن یا ادارہ میں کسی نے یوں حیلہ کیا کہ اس انجمن کے سرپرست نے جو خود بھی شرعی فقیر ہے انجمن کے صدر کو (وہ بھی شرعی فقیر ہے) زکوٰۃ و فطرہ کی رقم وصول کرنے کو کہا کہ "وصول کرتے وقت خود مالک بن جانا پھر جب سب رقم اکھٹی ہو جائے تو وہ رقم مجھے دے دینا"۔ انجمن کے صدر نے رسید بکیں مختلف لوگوں کو زکوٰۃ و فطرہ کی وصولیابی کے لئے دیں، ان افراد نے رقم اکٹھی کر کے وصول شدہ رقم، صدر کو دے دی۔ لیکن وصول کرتے وقت صدر مالک نہ بنا اور پھر تمام رقم سرپرست کو دے کر مالک بنا دیا۔ یہ طریقہ تملیک (مالک بنانا) صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں سرپرست اور صدر اگرچہ وہ فقیر ہی ہوں، انھوں نے اپنے لئے زکوٰۃ نہیں مانگی تو وہ خود مالک کیسے بن جائیں گے۔ لہذا یہ حیلہ ہی غلط تھا۔ چندہ مانگنے والوں نے جن کاموں کے لئے زکوٰۃ لی ہے، اگر وہ ایسے کام ہیں، جن میں زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔ جیسے غرباء کو مالک بنا کر کوئی چیز دی جاتی ہے۔ مثلاً کپڑا، غلہ، مکان اور دوا وغیرہ تو ان لوگوں پر خرچ کر دی جائے۔ اگر ایسے کاموں کے لئے زکوٰۃ لی گئی ہے، جن میں کوئی مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور جن کاموں میں زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی ہے تو زکوٰۃ وصول کرتے وقت، زکوٰۃ دینے والوں کو یہ بتادیا جائے کہ اس کام کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے، آپ زکوٰۃ کا روپیہ دے دیجئے، ہم حیلہ کر کے، اس میں خرچ کر دیں گے تو صدر یا ممبران وغیرہ جو شرعی فقیر ہوں، ان کو مالک بنا کر حیلہ کر لیا جائے۔

حیلہ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زکوٰۃ کی رقم کا حیلہ شرعی کرنے کے بعد کسی سید کو مکان یا کسی اور سامان کی ضرورت میں دے سکتے ہیں۔ اگر دی جاسکتی ہے تو اس کو بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا نہیں؟

الجواب:-

زکوٰۃ کی رقم جب کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دے دی جائے تو وہ مالک ہوگیا۔ اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے جس کام میں خرچ کرنے کے لئے واپس دے گا صرف اسی کام میں خرچ کی جائے گی۔ حیلہ کرنے کے لئے، جس آدمی کو رقم دی جائے، اس کو پہلے یہ سمجھا دیا جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ "ہم تمہیں دے رہے ہیں، تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کی مدد یا فلاں کام میں خرچ کرنے کے لئے دے دو اس طرح ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور تمہیں اتنا روپیہ نیک کام میں خرچ کرنے کا ثواب مل جائے گا"۔ یہ حیلہ بھی مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے مجبوری کی حالت میں کرنا چاہیے کہ جب اس کام کے لئے پیسے حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو۔

زکوٰۃ کی رقم حیلہ کے ذریعے مسجد اور مدارس میں صرف کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید نے لوگوں سے مسجد و مدرسہ یا دارالعلوم کے لئے صدقہ فطر، عطیات اور ساتھ ہی زکوٰۃ بھی وصول کی کہ اس زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کروا کر مسجد اور مدرسہ میں استعمال کرے گا، مگر زید نے زکوٰۃ، صدقہ اور عطیہ کی رقم کو ملا دیا، اب اس کا استعمال مسجد میں کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

(۲) ایک شخص نے ایک تنظیم کو عطیہ دینے کا ارادہ کیا، بعد میں اسے یاد آیا کہ اس کی والدہ کی زکوٰۃ کسی عرصہ سے ادا نہیں ہوئی۔ کیا وہ شخص اس رقم کو جو عطیہ کے لئے رکھی تھی والدہ کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ کی مد میں اس تنظیم کو دے سکتا ہے؟ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور تنظیم کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔ کیا شریعت کی رو سے اس طرح کرنا جائز ہے؟

سائل: سلیم اشرفی، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:-

(۱) زکوٰۃ کے علاوہ جو دوسرے عطیات و صدقات ادارے جمع کرتے ہیں وہ اسی کام میں صرف کر سکتے ہیں، جن کاموں کے لئے وہ جمع کیے گئے تھے، ان کو یہ اجازت نہیں ہے کہ کسی شخص کو یہ مال بطور تحفہ یا بطور ہدیہ دیں۔ لہٰذا حیلہ کرنے کے لئے جب یہ مال کسی کو دیا جائے گا تو یہ ناجائز ہوگا۔ جن لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی تھی، ان کی اجازت کے بغیر یہ مال ملانا ہی ناجائز تھا اور اس کو صدقات کے ساتھ حیلہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ صرف ایک صورت ہے، جن لوگوں سے زکوٰۃ لی تھی، ان کو واپس کردیں پھر دوبارہ وہ ادارے کو دے دیں اور ادارے والے

ان سے حیلہ کرنے کی اجازت بھی حاصل کرلیں۔

(۲) اگر والدہ زندہ ہیں تو ان کی اجازت سے، انکی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے اور اگر ان کا انتقال ہو چکا ہے تو ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ اور دل میں ارادہ کرلینے سے صدقہ واجب نہیں ہوتا۔

بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے شیعت کا حلف نامہ بھرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین اس مسئلے میں کہ:

حکومت پاکستان کا زکوٰۃ و عشر آرڈیننس صرف ہم سنیوں پر ہے۔ زکوٰۃ و عشر سرکاری طور پر وصول کئے جاتے ہیں، جس سے سرکاری عملہ اور تقسیم کنندگان مستحقین کے جعلی دستخط اور انگوٹھے لگوا کر اپنے گھر بھر رہے ہیں یا اپنے عزیز و اقارب جو غیر مستحق ہیں، ان کی شکم پروری کر رہے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھ گچھ کرنے والا نہیں ہے۔ اس سراسر بے انصافی، دھاندلی اور مستحقین کی محرومی کے پیش نظر بہت سے لوگ اپنی زکوٰۃ و عشر کو صحیح مستحقین میں اپنے ہاتھ سے خرچ کرنے کے لئے بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے شیعت کا حلف نامہ بھرتے ہیں جبکہ وہ اپنے ایمان اور عقیدہ اہل سنت پر قائم رہتے ہیں۔ یہ محض ظلم و زیادتی سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ کیونکہ بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے قانون سے مستثنیٰ ہونے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ ہاں اگر آپ کے علم میں اور کوئی صورت ہو تو تحریر کریں۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی سنی مسلمان شیعہ ہونے کا حلف نامہ بھرے تو کیا اس سے اس کے ایمان پر کوئی حرف آئے گا یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: انوار احمد میمن، نواب شاہ

الجواب:-

شیعہ ایسا گروہ ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا منکر ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی براءت میں قرآن کریم کی آیات بینات نازل ہو چکی ہیں اب بھی، ان پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام لغویات کا اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے شامی، عالمگیری اور دیگر فتاویٰ کی تمام کتابوں میں ان کے کافر ہونے کا حکم لکھا ہے۔ تو جو شخص یہ کہے کہ میں شیعہ ہوں وہ اسی وقت اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اسے توبہ کرنی چاہیے اور تجدید ایمان کے ساتھ اگر شادی شدہ ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ قرآن کریم میں جو اجازت دی گئی ہے کہ قلب مطمئن ہونے کی صورت میں زبان سے کلمہ کفر بولا جا سکتا ہے، حالت "اکراہ" میں ہے۔ دنیاوی مفاد یا زکوٰۃ کو بچانے کے لئے نہیں ہے۔

نوٹ :-

شیعت کے رد میں مزید تفصیل کے لئے اسی جلد میں نماز جنازہ کے بیان میں " شیعہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم " کی طرف رجوع کریں ۔ (مرتب)

بینک سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

حکومت سال کے بعد جو بنک سے زکوٰۃ کاٹتی ہے کیا اس طرح مالک مال کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ؟

الجواب:-

حکومت مال زکوٰۃ وصول کر کے ، جس طرح خرچ کرتی ہے ، وہ صحیح نہیں ہے ۔ زیادہ روپیہ ایسی جگہ خرچ کیا جاتا ہے ، جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا ہے ۔ لہذا زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے ۔

مال زکوٰۃ و عطیات کو پی ، ایل ، ایس اکاؤنٹ میں جمع کروانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

مال زکوٰۃ اور دیگر عطیات سے جمع کردہ رقوم کو پی ، ایل ، ایس اکاؤنٹ میں جمع کروانا کیسا ہے ؟ اور مذکورہ مدات میں حاصل کردہ روپے سے این ، آئی ، ٹی یونٹس خرید کر رکھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا وتوجرو

سائلین : اراکین دھوراجی ایسوسی ایشن ، دھوراجی کالونی ، کراچی

الجواب:-

پی ، ایل ، ایس اکاؤنٹ میں روپے جمع نہیں کروا سکتے ۔ اس لئے کہ یہ سودی اکاؤنٹ ہے اور این ، آئی ، ٹی یونٹ بھی نہیں خرید سکتے ، یہ بھی ناجائز ہے ، صرف روپے کی حفاظت کی خاطر بنک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے جمع کروا سکتے ہیں ۔

مصارف زکوٰۃ میں تقدم کسے حاصل ہے ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :
زکوٰۃ دینے میں کس کس کو مقدم رکھا جائے اور کس ترتیب سے ادا کی جائے ؟
حکم شرعی صادر فرمائیں ۔

سائل : بندہ خدا

الجواب:-

فطرت انسانی کا یہ تقاضہ ہے کہ سب سے پہلے اس سے تعاون کیا جائے جو قریبی ترین عزیز رشتہ دار ہو اور اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہو ۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی صدقات و خیرات میں ذوی القربیٰ کو مقدم بیان کیا گیا ۔
صورت مسئولہ میں کتب فقہ سے جو تفصیل ملتی ہے اسکے بارے میں ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا :

و الافضل فی الزکوٰۃ و الفطر و النذور الصرف اولاً الی الاخوۃ و الاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام و العمات ثم الی اولادھم ثم الی الاخوال و الخالات ثم الی اولادھم ثم الی ذوی الارحام ثم الی الجیران ثم الی اھل حرفتہ ثم الی اھل مصرہ او قریتہ

(جلد (۱) کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف، صفحہ : ۱۹۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ، فطرہ اور نذر کردہ اموال اولاً بھائیوں اور بہنوں کو دیا جائے پھر ان کی اولادوں کو پھر چاچاؤں اور پھوپھیوں کو دیا جائے پھر انکی اولادوں کو ۔ پھر ماموں اور خالہ اور پھر ان کی اولادوں کو دی جائے ۔ پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر ہم پیشہ اور پھر اپنے شہر والوں یا بستی والوں کو دی جائے ۔

زکوٰۃ کی رقم سے قربانی کی کھالیں خرید کر مسجد میں صرف کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ :
زید ! جو ایک مسجد کا امام ہے اس نے دو جمعوں میں دوران تقریر یہ کہا کہ " مسجد زیر تعمیر ہے لہذا تمام حضرات زکوٰۃ، خیرات کی رقم میرے پاس جمع کرائیں ان پیسوں سے قربانی کی کھالیں خرید کر اور ان سے منافع کما کر مسجد کی تعمیر پر صرف کریں گے " ۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی رقم سے کسی قسم کا کوئی کاروبار کیا جاسکتا ہے ؟ اور کاروبار سے حاصل شدہ منافع مسجد کی تعمیر پر خرچ کیا جاسکتا ہے ۔ جبکہ کاروبار کی رقم زکوٰۃ کی ہے ۔

امام صاحب کا یہ اعلان کہاں تک درست ہے ؟ امید ہے کہ آپ جلدی اس کا جواب عنایت فرمائیں گے تاکہ محلے والوں کو بھی اطمینان ہو جائے ۔

والسلام : عبد العزیز خاں ، مغل ٹوبیکو کمپنی ، پرائیویٹ لیمٹڈ ، کراچی

الجواب :-

صورت مسئولہ میں جس طرح زکوٰۃ لینے کا تذکرہ ہے ، اس طرح زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوگی ۔ اور زکوٰۃ کے مال سے سوائے اس شخص کے جس کو مالک بنا دیا گیا ہے کوئی دوسرا شخص مال زکوٰۃ سے تجارت نہیں کرسکتا ہے ۔ اور ناجائز طریقہ پر حاصل کیے ہوئے نفع کو مسجد میں نہیں لگا جاسکتا ۔

صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک شخص جسکی ماہانہ انکم اتنی نہیں کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات پوری کر سکے ۔ تو کیا ایسے شخص کو مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے یا نہیں جبکہ اسکے پاس سونا چاندی اور نقدی ملا کر نصاب پورا ہوجاتا ہے ۔

الجواب :-

جس شخص کے پاس سونا چاندی اور نقدی روپے ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر پونجی ہوجائے وہ صاحب نصاب ہے ۔ اس پر خود زکوٰۃ دینا فرض ہے ۔ لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ۔ چاندی کی قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے ۔ اس لئے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت اس وقت دیکھی جائیگی، جس وقت زکوٰۃ نکالی جائے گی ۔

قرضدار کو زکوٰۃ نکالنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

زید نے بکر کے ساتھ شراکت کی ۔ سال کے آخر میں زکوٰۃ کا حساب ہوتا ہے ۔ جو کہ دونوں شرکاء کے حصوں میں سے نکالی جاتی ہے ۔ زید مقروض ہے ۔ (اس تجارت کے علاوہ ذاتی طور پر) اس صورت میں زید کے لئے کیا حکم ہے ؟ یہاں سعودی عرب کے نظام کے تحت ایک خاص محکمہ زکوٰۃ کا ہے ، جو ہر سال زکوٰۃ اسی روپے سے لیتے ہیں ۔ جتنا ان کو کام شروع کرتے وقت " راس المال " لکھوا دیا جاتا ہے اور اسی حساب سے

زکوٰۃ دینا لازم ہوتا ہے۔ کیا ان کو دیا ہوا مال، اپنی کل زکوٰۃ میں سے کم کر سکتا ہے۔ اور زکوٰۃ کن لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

الجواب :-

زید پر اگر اتنا قرض ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب اس کے پاس مال نہیں بچتا اور قرض بھی غیر معیادی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر وہ اتنا مقروض نہیں یا یہ قرض غیر میعادی یعنی قسط وار ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت جو قسط اسے ادا کرنا ہوگی صرف اسی کو کل مال زکوٰۃ سے منہا کر سکتا ہے۔ بکر پر اپنے مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ زید سعودی عرب کے قانون سے بچنے کے لئے جو حیلہ کرنا چاہتا ہے، جس کا ذکر سوال میں ہے ہمارے نزدیک یہ طریقہ درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنی ہی زکوٰۃ سے کچھ رقم کم کرتا ہے۔

مصارف زکوٰۃ

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ : زکوٰۃ کے مصارف کیا ہیں یعنی کن کن لوگوں کو مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے ؟ امید ہے کہ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب :-

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف گنوائے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک مصرف " مؤلفة القلوب " باجماع صحابہ ساقط ہوگیا ہے۔ یہ اجماع زمانہ خلیفہ اول میں منعقد ہوا۔ باقی مصارف زکوٰۃ مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) فقیر ! یعنی وہ شخص جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو لیکن وہ مالک نصاب نہ ہو۔

(۲) مسکین ! وہ شخص ہے، جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

(۳) عاملین ! عاملین وہ لوگ ہیں جن کو حاکم نے مال زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو۔ عامل اگر غنی بھی ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے لیکن اگر سید ہے تو زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

(۴) غلام

(۵) قرض دار

(۶) مسافر

(۷) مجاہدین اسلام

کتاب الصوم

رویت ہلال کا بیان

رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

حضور والا جناب وقار الملت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین صاحب !

مد ظلکم العالی

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

حضور کی خدمت میں ایک شرعی استفتاء پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں امید ہے کہ حسب سابق شفقت فرمائیں گے۔

امسال رمضان المبارک کا پہلا روزہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق ۲۸-۳-۹۰ بروز بدھ رکھا گیا اور عیدالفطر بروز جمعۃ المبارک مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۹۰ء کو ہوئی مگر صوبہ سرحد والوں نے بروز جمعرات ۲۶ اپریل کو عید منائی۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) امسال ماہ رمضان شریف ۲۹ دن کا تھا یا پورے تیس دن کا ؟

(۲) پورے ملک میں چاند کا ثبوت نہ ہونے کے اعلان کے بعد ایک صوبے کی زونل کمیٹی کا اعلان عید بعد میں ہینڈ بل کے ذریعہ کیا جانا ۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب پاکستان میں چاند یکساں طلوع نہیں ہوتا بلکہ صوبہ سرحد میں ایک دن پہلے چاند طلوع ہوتا ہے ۔ بصورت دیگر مرکزی کمیٹی نے ایک صوبہ کی شہادت کو نظر انداز کردیا حالانکہ شہادت کے لئے تو مخصوص تعداد اور کیفیت ہے وہ شروط جو شہادت کے لئے ضروری ہیں موجود ہوں تو شہادت قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوا کرتا اب یہ صورت حال دو امر سے خالی نہیں ۔ یا تو صوبہ سرحد میں غلط عید منائی گئی یا ملک کے باقی تین صوبوں میں ۔ اصل صورت حال سے آگاہ فرمایا جائے ۔

(۳) یہاں پر اہلسنت کے ایک جید عالم دین نے جمعرات کو عید منانے کے اعلان کے باوجود روزہ رکھا ۔ لیکن عید کی نماز بھی ادا کی ، جب ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا ، تو فرمایا کہ " یہ شہادت حکم شرعی کے مطابق نہ تھی " ۔ ایک صاحب نے کہا کہ دوسری تاریخ کا چاند کافی بڑا تھا اور کافی دیر بعد غروب ہوا ، جس کا جواب یہ دیا کہ فقہ شریف میں چاند کے چھوٹے بڑے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ۔

(۴) کہتے ہیں کہ عید کے دن شیطان کا روزہ ہوتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو ان صاحب کا عید کے دن روزہ رکھنا اور پھر عید گاہ میں نماز عید بھی ادا کرنا ، کیا شرعی حکم رکھتا ہے ؟

(۵) عید کونسی صحیح ہوئی ایک صوبہ کی یا تین صوبوں کی ؟

(۶) ماہ شعبان شریف کتنے دن کا تھا پورے تیس دن کا یا انتیس دن کا تھا ۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : میر عمر خان ، تحصیل ھنگو ضلع ، کوہاٹ

الجواب:-

چاند کے متعلق حدیث کا حکم یہ ہے :

صوموالرویتہ وافطروالرؤیتہ

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو ۔

اس کے بعد فرمایا :

فان اغمی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین

(بخاری، جلد (۱) کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الھلال فصوموا، صفحہ: ۲۵۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اگر ابر ہو جائے تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

شرعی شہادت سے ثبوت مل جائے تو رمضان اور عید وغیرہ کا ثبوت ہوجائے گا۔ گورنمنٹ رویت ہلال کمیٹی بناتی ہے اور چار صوبوں میں صوبائی کمیٹیاں بھی قائم کی ہیں وہ اپنے اپنے صوبوں میں چاند دیکھنے کے لئے مجلس قائم کرتے ہیں۔ اور شہادت ملنے پر چاند کا اعلان کر دیتے ہیں۔ شہادت ٹیلیفون سے نہیں حاصل ہو سکتی اور آج تک کسی ملک میں ٹیلیفون پر شہادت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔

لہذا مرکزی کمیٹی شرعی طور پر شہادت لے کر جب اعلان کردے گی تو وہ اعلان پورے ملک کے لئے ہوگا۔ کسی صوبے کو صرف اس بناء پر کہ "عرب" میں رمضان یا عید کب ہوا، اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اگر کسی صوبہ کے پاس شرعی شہادت تھی، تو اسے مرکزی کمیٹی کو اطلاع دینا چاہیے تھی۔ تاکہ مرکزی کمیٹی شہادت کی روشنی میں فیصلہ کرتی۔

ہم یہ نہیں بتاسکتے کہ صوبہ سرحد کے لوگ چاند دیکھنے کا کوئی ثبوت پیش کرتے ہیں یا نہیں۔ مگر ایک دن پہلے روزہ رکھنے یا عید کرنے کا اعلان کردیتے ہیں۔ جب رویت ہلال کمیٹی بنی تھی، اس وقت کے وزیر مذہبی امور کوثر نیازی صاحب ! نے سنی علماء کو دعوت دی تھی، میں بھی اس میں گیا تھا اور طے ہوا تھا کہ اگر صوبے میں رویت ہلال ہو جائے تو شہادت پہنچانے میں ٹیلیفون کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وہاں سے گواہوں کو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سامنے لانے کے لئے ہر صوبے میں ہوائی جہاز تیار رکھے جائیں گے۔ چاند دیکھنے والے یا صوبائی ہلال کمیٹی کے وہ ممبران، جنھوں نے گواہی لی تھی مرکز میں آکر شہادت دیں گے پھر مرکزی کمیٹی اعلان کرے گی۔ چنانچہ رویت ہلال کمیٹی کے اس وقت کے چیئرمین احتشام الحق تھانوی صاحب نے اس فیصلہ کا اعلان اخبارات میں کر دیا تھا۔

اب میں کمیٹی کا ممبر نہیں ہوں کئی سال پہلے میں نے استعفی دے دیا تھا مجھے نہیں معلوم اب کیا ہوتا ہے؟ آپ صوبہ سرحد میں رہتے ہیں اگر وہاں شرعی شہادت سے رویت ہلال ثابت ہوجائے تو اس کے مطابق روزہ رکھیں اور عید منائیں صرف "افواہ" پر عمل نہ کریں۔

جس عالم کا ذکر آپ نے کیا ہے کہ انھوں نے روزہ بھی رکھا اور عید کی نماز بھی پڑھا دی یہ عجیب بات ہے۔ اگر رویت ثابت ہوچکی تھی تو روزہ رکھنا حرام تھا اور نماز عید پڑھنا جائز تھا اور اگر رویت ثابت نہیں ہوئی تھی تو روزہ رکھنا فرض تھا اور عید کی نماز ناجائز۔ عید کی نماز نفل کے طور پر بھی نہیں پڑھی جاسکتی۔ چاند کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اعتبار نہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے وہ چھوٹا نظر آتا ہے اگر انتیس تاریخ کو چند منٹ کے فرق کی وجہ سے رویت نہ ہوئی تو تیس کا چاند تقریباً اتنا بڑا ہوگا جتنا دوسری تاریخ کو ہوتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں عیدین اور عید اضحی کے بعد ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذی الحج کو روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اس طرح سال میں کل پانچ دن بنتے ہیں جن میں روزہ رکھنا منع ہے۔ باقی سوالات کے جوابات انہیں جوابات سے آپ سمجھ لیں گے۔

چاند کی تاریخ اور دن کا تعین

الاستفتاء:-

مکرمی و محترمی جناب عالی!

ایک مسئلہ حل طلب ہے۔ سعودی عرب اور پاکستان میں چاند کی تاریخوں میں دو دن یا ایک دن کا فرق دیکھا گیا ہے۔ مذہبی معاملات تو یقیناً چاند کے لحاظ سے ہی چلتے رہیں گے لیکن تاریخی معاملات کس طرح حل ہوں گے؟ مثلاً جنگ بدر رمضان کی سترہ تاریخ کو ہوئی۔ پاکستان میں جب سترھواں رمضان ہوتا ہے تو سعودی عرب میں ۱۸ یا ۱۹ واں رمضان ہوتا ہے، اس طرح یقیناً ہم پاکستانی اصل دن کے بجائے دوسرے یا تیسرے روز یوم "بدر" مناتے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہے۔ حجاز مقدس کے لحاظ سے اس مبارک دن کے گزرنے کے دوسرے یا تیسرے دن ہم پاکستانی "جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" مناتے ہیں۔

شب قدر! جس رات قرآن کریم کا نزول ہوا یقیناً مکہ کے رمضان کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۵، ۲۷، ۲۹، ویں شب ہے، جبکہ ہم پاکستانی اس معاملہ میں بھی اصل شب کی جگہ کسی دوسری شب میں جاگتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایام اور عاشورہ حجاز مقدس کے لحاظ ہونے چاہیں۔ امید ہے کہ جناب والا دینی علوم اور دور جدید کو مد نظر رکھ کر اصل معاملے کی وضاحت فرما دیں گے۔

سائل: قمر الحق

الجواب:-

اسلام! اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ اور آسانی والا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے بارے میں آسان طریقہ بتایا۔ جس سے ہر شخص مطمئن ہو جاتا ہے اور آسانی سے عمل کر لے۔ ارشاد فرمایا:

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ

(بخاری جلد (۱) کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الھلال، صفحہ: ۲۵۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرلو۔

لہذا دار و مدار چاند دیکھنے پر ہے، اس کا اہتمام کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ

پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے ۔
(بہار شریعت ، حصہ پنجم ، چاند دیکھنے کا بیان ، صفحہ : ۸۰ ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ، لاہور)
یعنی کچھ لوگ اگر دیکھنے کا اہتمام کریں تو سب بچ جائیں گے اور اگر کوئی نہ دیکھے تو سب گناہ گار ہوں گے ۔ اور وہ پانچ مہینے یہ ہیں شعبان ، رمضان ، شوال ، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ۔
چاند ایک جگہ دیکھا گیا اور شریعت کے مقررہ اصولوں پر رویت ثابت ہوئی تو یہ رویت تمام دنیا کے لئے رویت مانی جائے گی یا نہیں اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام دنیا کے لئے ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے ایک جگہ ثبوت ہونے کے بعد دوسری جگہ رویت کی خبر پہنچا دینے کے لئے بھی شریعت نے قواعد مقرر کر دیئے ہیں ۔ ٹیلیفون اور تار وغیرہ سے خبر رسانی اس معاملہ میں کافی نہیں ہے ۔ بہر حال جب رویت کی خبر شرعی مقررہ طریقوں پر پہنچ جائے گی تو سب جگہ رویت ہو جائے گی ۔
چاند دیکھنے کے بارے میں یہ فرق تو ضرور ہوگا کیونکہ چاند سورج ڈوبنے کے بعد نظر آتا ہے ۔ سمت مشرق میں غروب آفتاب پہلے ہوتا ہے اور جتنا مغرب کی طرف بڑھتے جائیں گے غروب آفتاب پیچھے ہوتا رہے گا ۔ جس جگہ سورج ڈوبتا جائے گا وہاں رات شروع ہوتی جائے گی ۔ لہذا شب قدر ہر جگہ وہاں کے غروب کے بعد شروع ہوگی ، اس طرح زیادہ سے زیادہ دس گھنٹے تک کا فرق ہوتا ہے اور بارہ گھنٹے کا فرق ممکن ہے ، اس سے زیادہ فرق ہو ہی نہیں سکتا ۔
ایسی تمام راتیں جن کے متعلق قرآن و حدیث میں فضیلت آئی ہے غروب آفتاب سے صبح صادق تک کا تذکرہ ہے ۔ لہٰذا ہر جگہ کے اعتبار سے اس رات کی فضیلت ، عبادت کرنے والے حاصل کریں گے ، حجاز مقدس یعنی سعودی عرب میں واقعی یہ صورت ہے ، جو آپ نے سوال میں لکھی اور اس اتنے بڑے فرق کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کی حکومت نے اکثر کام کلینڈر کی تاریخوں کے مطابق کر دیئے ہیں ۔ یہ بات افسوسناک ہے ۔
کئی سال ہوئے ترکی میں تمام دنیا کے ہئیت دان جمع ہوئے اور انہوں نے ایک کلینڈر بنایا کہ سال بھر میں عیدیں ، محرم ، رمضان اور حج وغیرہ فلاں فلاں تاریخوں کو ہوں گے ۔ حکومت پاکستان نے اس فیصلہ کی ایک کاپی ہمارے پاس بھی بھیجی ، اس وقت میں بھی رویت ہلال کمیٹی کا ممبر تھا ۔ اس لئے مجھ سے بھی رائے لی گئی تو میں نے اپنے رائے میں لکھا تھا کہ تمام دنیا کے ہئیت دان یہ نہیں بتاسکتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو چاند دیکھا جائے گا ، صرف یہ بتاسکتے ہیں کہ چاند افق سے اتنی ڈگری پر ہوگا کہ دیکھنا ممکن ہے ۔ اگر بادل ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ نہیں دیکھا جاسکے گا اس لئے وہ دیکھے جانے کی بات نہیں کہہ سکتے ۔
حدیث میں ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ دیکھ کر "روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو اور اگر بادل ہو جائے تو تیس دن پورا کرو" یہ ایسا حکم ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر ہر مسلمان آنکھوں سے دیکھ کر اطمینان کرسکتا ہے ۔ چند ہئیت دانوں کی رائے پر احکام اسلام کو معلق نہیں کیا جاسکتا ۔ اس لئے کہ ان سے بھی غلطی ممکن ہے ۔ اسی سال یعنی ۱۹۸۶ء میں ایک ماہر فلکیات نے تفصیل سے "اخبار جنگ" میں اپنا بیان چھپوایا کہ سعودی عرب میں جو چاند کا

اعلان کیا جاتا ہے اس تاریخ کو رویت ممکن نہیں ہے لہذا اعلانات سے شریعت کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ دو دن پہلے روزے رکھ لیں یا دو دن قبل عید کرلیں، ہم اِن کے پابند نہیں ہیں۔

ہمارے یہاں رویت کا اہتمام ہے۔ لہذا جب رویت ثابت ہو جائے گی تو ہمارا عمل اس کے مطابق ہونا چاہیے۔ وہاں کے اعلان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور مسلمان جس ملک میں ہوگا وہاں کے رویت اور غروب و طلوع آفتاب کا پابند ہوگا مثلاً یہاں سے ایک آدمی روزہ رکھ کر سورج ڈوبنے سے دو گھنٹے پہلے چلے جدہ پہنچے گا تو یہاں سورج غروب ہوچکا ہوگا اور جدہ میں غروب میں دو گھنٹے باقی ہوں گے تو یہ نہیں کرسکتا کہ جدہ پہنچ کر یہ کہے کہ میں پاکستان سے روزہ رکھ کر چلا ہوں اور پاکستان میں غروب ہوگیا، لہذا میں افطار کرلیتا ہوں بلکہ اسے جدہ میں غروب آفتاب ہونے کے بعد افطار کرنا ہوگا۔ اسی طرح تمام احکام پر عمل کرنا پڑے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رصد گاہوں کی پیشن گوئیوں کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

محترم المقام حضرت مولانا مفتی وقار الدین صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

استفتائے ذیل کے بارے میں جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

رصد گاہوں! کی پیشن گوئیوں کے مطابق رمضان کی ابتداء و انتہاء نیز عید الاضحی کرنی جائز ہے یا نہیں؟

کیا چاند کی رؤیت کو رصد گاہوں کو پیشن گوئیوں کے ساتھ مشروط کرنا جائز ہے یا نہیں؟

یعنی رصد گاہ والے امکان رویت جس دن بتلاتے ہیں تو چاند کی گواہیاں معتبر ہوں گی ورنہ نہیں۔ حل طلب بات یہ ہے کہ رصد گاہ اور فن فلکیات والوں نے حساب لگا کر ایک قانون بنایا ہے کہ نئے چاند سے پہلے نئے چاند کے وقت اور نئے چاند کے بعد بیس گھنٹوں تک دنیا والوں کو چاند نظر نہیں آسکتا ہے تو اس صورت میں چاند کی رویت کے گواہوں کی گواہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں۔

نوٹ:-

رصد گاہ والوں کے مذکورہ ضابطہ کے خلاف بعض ممالک میں اور ہمارے یہاں برطانیہ میں ایک واقعہ میں سولہ آدمیوں نے دوسرے میں تین آدمیوں نے اور تیسرے میں ایک مرد اور دو عورتوں نے عید الفطر اور رمضان کے چاند دیکھے جانےکی گواہی دی ہے جو ہمارے ریکاڈ میں ہے۔ نیز پاکستان کے سرحدی علاقوں، ہندوستان، امریکہ، مصر اور سعودی عرب میں مذکورہ قاعدہ کے برخلاف چاند کی رویت کی گواہیاں دی ہیں اور وہاں اس کے مطابق

رمضان و عیدین کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔ فقہائے کرام اور مفتیان کرام کی تصریحات کے مطابق رصد گاہوں کی تحقیقات و قواعد کا مسائل شرعیہ میں اصلاً کوئی دخل نہیں۔ لیکن کیا جدید تحقیقات کے مطابق اب اس کا عمل دخل مسائل شرعیہ میں اصلاً جائز ہوگا یا نہیں ؟

(۲) کیا اوقات صلوۃ کے تعین میں رصد گاہوں کی تحقیق کو اولیت ہوگی یا نمازوں کے اوقات کا تعین جو فقہ میں بیان کیا گیا وہی صحیح ہے۔ اگر رصد گاہوں اور فقہ میں بیان شدہ اوقات میں اختلاف ہوجائے تو عمل کس پر کیا جائے گا ؟ ہمارے یہاں برطانیہ میں بعض مہینوں میں رات بمشکل آٹھ ساڑھے آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے اور سال بھر کے ہمارے مشاہدے کے مطابق شفق احمر بھی غروب آفتاب کے دو گھنٹوں بعد ان ایام میں غروب ہوتی ہے اور طلوع آفتاب بھی جلد ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں عشاء کی نماز دیر سے پڑھنے کی وجہ سے فجر کی نماز کے لئے اٹھنا دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً کام کاج والے حضرات کو بہت ہی شکل ہوتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں عشاء کے وقت کو معدوم سمجھتے ہوئے غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد عشاء پڑھ لی جائے بوجہ مذکورہ مجبوری کے تو کیا یہ جائز ہوگا اور عشاء کی نماز ادا ہو جائیگی ؟

نوٹ :-

سال بھر کے ہمارے مشاہدات کے مطابق عشاء کا وقت مفقود نہیں ہے کیونکہ احمر کا غروب یقینی ہے۔

ہمارے یہاں ایک عالم دین کہتے ہیں کہ مذکورہ مجبوری کی بناء پر عشاء کے وقت کو مفقود جان کر ان مہینوں یعنی اپریل، مئی، جون، جولائی اور اگست میں بعد غروب آفتاب قابل برداشت وقفہ کے بعد نماز عشاء پڑھنا جائز ہے۔ اور اپنے اس دعوی کی دلیل میں حدیث ذیل پیش کرتے ہیں :

(۱) عن ابن جریج عن عطاء قال لقد رایت معاویۃ یصلی المغرب ثم ما اطوف سبعاً او سبعین حتی یخرج فیصلی العشاء ولم یغب الشفق قال فکان عطاء صلی العشاء قبل ان یغیب الشفق قال عطاء و انی لاطوف احیانا سبعاً بعد المغرب ثم اصلی العشاء

مصنف عبد الرزاق

(۲) عبد الرزاق عن محمد بن مسلم عن ابراھیم قال رایت طاووساً یصلی المغرب ثم یطوف سبعاً واحداً ثم یصلی العشاء ثم ینقلب

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ غروب شفق سے پہلے نماز عشاء پڑھی جاسکتی ہے۔ اور شفق اس سرخی کا نام ہے جو جانب مغرب آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ نیز مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ انسانیت کے ساتھ آسانی کرو انھیں مشکلات میں نہ ڈالو۔

آیات :-

یرید اللہ ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفاً (النساء)

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ)

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج)

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (البقرہ)

احادیث :-

عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الدین یسر (بخاری)

قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم یسروا و لا تعسروا بشروا ولا تنفروا (بخاری)

مورخہ ۲۸ اپریل سنہ ۱۹۹۲ء بروز منگل دعوت صالحہ میں یاد رکھیں فقط و السلام محتاج دعا۔

مولوی یعقوب احمد مختاجی

الجواب :-

آپ کے جوابات سے پہلے چند باتیں بیان کرنا ضروری ہیں تاکہ آپ کو سوال کا جواب سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔

چاند سورج اور کواکب کی حرکات "مقدر" ہیں وہ اپنے مقررہ مداروں میں حرکات کرتے رہتے ہیں نہ وہ غائب ہوتے ہیں نہ ان کی حرکتیں بند ہوتی ہیں نہ وہ حرکات کے مقررہ مدار کو تبدیل کرتے ہیں۔ چاند کی روشنی سورج سے ہوتی ہے اور جتنا چاند سورج کے مقابل آجاتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے اور زمین پر رہنے والوں کو چاند کی روشنی دیکھنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ دیکھنے والا جس جگہ زمین پر کھڑا ہے اس کی نظر کے سامنے چاند اتنی بلندی پر ہو کہ چاند اسے نظر آسکے اور اس وقت سورج کی روشنی چاند پر پڑ رہی ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو زمین پر کھڑے ہونے والوں کو چاند نظر نہیں آئے گا۔ ہیئت دان اور ماہرین فلکیات حساب کرکے صرف یہ ہی بتاسکتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو چاند و سورج کا اس طرح مقابلہ ہوگا کہ چاند پر روشنی سورج کی پڑے گی اور چاند فلاں ملک کے افق پر اتنی بلندی پر ہوگا کہ وہاں نظر آسکے۔ لیکن سائنسدان یہ نہیں بتاسکتے کہ چاند دیکھا بھی جائے گا اس لئے کہ چاند دیکھنے کے لئے ان باتوں کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھنے والے اور افق کے درمیان بادل، گرد و غبار وغیرہ کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر یہ رکاوٹیں پائی جائیں گی تو چاند مقررہ جگہ پر ہونے اور ہیئت دانوں کے حساب کے صحیح ہونے کے باوجود دیکھا نہیں جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھنے پر احکام مقرر کئے ہیں اور فرمایا:

صوموا لرویتہ و افطروا لرویتہ

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر ابر ہوجائے تو تیس دن کا مہینہ پورا کرو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی صورت پیش آئی کہ چاند نظر نہیں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ طلب کئے حالانکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہیئت دان حساب سے جو باتیں جانتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں اپنے علم سے جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ چاند اس دن افق سے اوپر تھا اور اسی جگہ پر تھا کہ سورج کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رویت کا حکم دے دیتے۔ مگر ایسا نہ کیا بلکہ رویت کے گواہ طلب کئے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رویت کے معاملے میں منشا یہ ہے کہ عوام کو ان کی رویت پر احکام دیئے جائیں تاکہ وہ اطمینان سے عبادات کرسکیں

چند حساب دانوں کے علم پر روزہ و افطار کو معلق نہ کردیا جائے کہ اگر وہ غلطی کردیں تو ساری عبادتیں برباد ہو جائیں اور عوام کو اطمینان حاصل نہ ہو۔

جب شریعت نے احکام کا دارو مدار رویت پر رکھا ہے۔ تو رویت ہونے پر رمضان اور عید کے احکام شروع ہوجائیں گے۔ اگرچہ وہ حساب دانوں کے خلاف ہو مگر رویت کے ثبوت کے لئے بھی گواہوں کی تعداد اور شرعی صلاحیت دیکھی جائے گی۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ صرف ریڈیو، ٹیلیفون یا ٹیلیویژن کی خبروں سے دوسری جگہ رویت کا ثابت نہیں ہوسکتی۔ اھل دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود آج تک کسی ملک میں ٹیلیفون پر شہادت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر امریکہ کے صدر کو بھی کسی معاملہ میں گواہی دینی ہو تو انہیں حاکم کے سامنے جا کر گواہی دینی ہوگی۔ لہٰذا شریعت میں بھی ان آلات کے ذریعہ خبر کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ شرعی طریقہ پر جب ایک جگہ ثبوت ہوجائیگا اور وہاں کا قاضی شہادت پر رویت کا حکم دیدے گا تو اس قاضی کو جہاں تک کا قاضی مقرر کیا گیا ہے وہاں تک اس کا اعلان مان لیا جائے گا۔ اور اس کی حدود سے باہر یہ خبر شرائط کے ساتھ مانی جائیگی۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) یہ قاضی اپنا فیصلہ دو گواہوں کے سامنے لکھے اور ان کو سنا کر اپنی مہر لگا دے۔ یہ دو آدمی دوسرے قاضی کے پاس یہ خط لے کر جائیں گے۔ اور وہاں حلفیہ بیان دیں گے کہ یہ خط فلاں قاضی کے فیصلے کا ہے اس نے اس تحریر کو ہمارے سامنے لکھا ہے اور ہم یہاں لے آئے ہیں۔

آجکل بھی ایک جج کا فیصلہ جب دوسرے جج کے پاس بھیجا جاتا ہے تو آدمی لیکر جاتا ہے اور وہاں حاکم کے سامنے کھڑے ہوکر حلفیہ بیان دیکر وہ جج کو دیتا ہے شریعت کا یہ قانون پہلے سے ہی موجود ہے۔

(۲) ایک ملک کی خبر جب دوسرے ملک کو بھیجنی ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے، جو اوپر ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ ہے کہ یہاں کے عینی شاہدین خود جاکر دوسرے ملک میں گواہی دیں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں بھی ٹیلیفون پر خبر قابل قبول نہ ہوگی۔

(۳) یا یہاں سے کچھ لوگ جائیں اور وہاں قاضی کے سامنے شہادت دیں کہ ہم نے خود چاند دیکھا تھا تو قاضی ان کی شہادت پر فیصلہ کردے گا صرف ٹیلیفون پر خبر قابل قبول نہیں ہوگی لہذا ہر ملک والے وہاں رویت کا انتظام کریں اور اس پر روزہ اور عید کریں ۔

نمازوں کے اوقات کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ٥

(سورۃ (۴) النساء ، آیت : ۱۰۳)

یعنی بے شک نماز مسلمانوں پر وقت " باندھا " ہوا ہے ۔

جبریل امین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو نماز کے اوقات بتائے اور امت کے لئے ان کو نماز کا وقت مقرر کر دیا گیا ۔ جب تک گھڑی کا رواج نہیں تھا تو طلوع و غروب ، صبح صادق اور زوال کے اوقات ، سب مشاہدے سے مقرر کئے جاتے تھے ۔ اور اس کے ماہر بھی تھے وہ وقت مقرر کر دیتے تھے۔ طلوع و غروب کو ہر آدمی دیکھ لیتا تھا ۔ جب گھڑی کا رواج ہوگیا تو ماہرین نے طلوع و غروب وغیرہ کے اوقات گھڑی سے مقرر کردیئے ۔ اس وقت محکمہ موسمیات نہیں تھا ۔ یہ اوقات مسلمان ماہرین نے علم فلکیات سے مقرر کئے تھے اور اس وقت سے اوقات نماز کا نقشہ شائع ہونا شروع ہوگیا تھا ۔ اب محکمہ موسمیات والے جو طلوع و غروب روزانہ بتاتے ہیں ، بتائے گئے نقشے بالکل اس کے مطابق ہیں ۔ لہذا ان اوقات کے مطابق نماز پڑھنا صحیح ہے ۔

(۴) مختلف ممالک میں دن رات کی مقدار یکساں نہیں ہوتی ۔ لہذا جن ممالک میں دن رات اور طلوع و غروب روزانہ ہوتا ہے اور رات چھوٹی یا بڑی ہوتی ہے ، ان ممالک میں نمازیں اوقات کے مطابق پڑھی جائیں گی اور مغرب و عشاء کے اوقات میں وہی اعتبار کیا جائے گا جس کو حدیث شریف میں مقرر کردیا ہے ۔ سورج ڈوبنے سے مغرب کا وقت شروع ہوگا اور شفق غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہوجائے گا اور عشاء کا وقت شروع ہوجائے گا ۔

ہمارے ملک پاکستان میں مغرب کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہوتا ہے ۔ حنفیہ کے نزدیک شفق اس سپیدی کو کہتے ہیں ، جو سرخی کے بعد شمالاً جنوباً آسمان کے کناروں پر پھیلی ہوتی ہے ۔ جب یہ سپیدی غائب ہوجائیگی اور اندھیرا ہو جائے گا تو مغرب کا وقت ختم ہوجائے گا اور عشاء کا وقت شروع ہوگا ۔

لندن وغیرہ جن ممالک کا تذکرہ آپ نے کیا ہے ان میں بھی شفق غائب ہونے سے مغرب کا وقت ختم ہوگا اور وہاں بھی شفق اس سپیدی کو کہیں گے ۔ بعض آئمہ نے سرخی کو شفق مانا ہے ۔ ان کے نزدیک سرخی پر احکام ہوں گے کہ اب آپکا یہ عذر کہ رات چھوٹی ہوتی ہے ۔ اس لئے عشاء کی نماز غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد

پڑھ لی جائے شرعاً ناقابل قبول ہے۔ جب آپ خود اقرار کرتے ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد روزانہ عشاء کا وقت بھی ہوتا ہے مگر صبح کام پر جلدی جانیکی وجہ سے جلدی عشاء پڑھ کر سولیں اور پھر صبح کام پر چلے جائیں اس کا مقصد یہ ہوا کہ ہر ڈیوٹی والا ڈیوٹی کے اعتبار سے نماز پڑھ لیا کرے مسلمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ نماز جیسی اہم عبادت کو صرف دنیا کی خاطر بے وقت پڑھا جائے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو اوقات مقررہ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اور جو احادیث آپ نے نقل کی ہیں وہ سند کے اعتبار سے ایسی ہیں کہ مشہور محدثین اور ائمہ میں سے کسی نے انہیں قابل عمل نہ بتایا اور ان کے مقابل جو مستند احادیث تھیں ان پر عمل کیا۔ یہ حیلہ بازی ہے کہ اپنی سہولت کے لئے ایسی روایتیں تلاش کی جائیں جن سے اپنا مقصد حاصل ہوجائے اور دین میں آسانی حاصل کرنے کا یہ ہی مطلب لے لیا جائے جو آپ بیان کر رہے ہیں تو تمام احکام شرعیہ کو بدل دیا جائے اس لئے کہ جس پر یہ احکام شرعیہ لازم ہوتے ہیں یعنی عاقل بالغ، کو مکلف کہتے ہیں اور میسر (آسانی کا خواہاں) اس کی ضد ہے۔ لہٰذا آجکل کی مصروف دنیا میں یسر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو مکلف کی جگہ میسر کہا جائے اور سب کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ اپنی ڈیوٹی اور مشغولیت کی بنا پر جس وقت آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہو پڑھ لو، گرمی میں اگر روزہ نہیں رکھ سکتے ہو تو عیسائیوں کی طرح جاڑوں میں روزہ رکھ لیا جائے۔

مسائل روزہ

سحری کے وقت لاؤڈ اسپیکر سے حمد و نعت پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

سحری کے وقت ختم سحر سے گھنٹہ سوا گھنٹہ پہلے مسجد سے مسلسل حمد و نعت اسپیکر پر پڑھنا، کہاں تک جائز ہے؟ برائے مہربانی وضاحت سے جواب دیں۔

سائل: افضال احمد قاضی

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک اذان، اذان فجر سے پہلے دی جاتی تھی اس کا مقصد سونے والوں کو تہجد کے لئے اٹھانا تھا، اس سے اتنا معلوم ہوا کہ فجر سے پہلے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے کسی اچھے عمل کا کرنا شرعاً درست ہے۔ اسی بناء پر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مسجد کے مینار یا کسی اونچی جگہ پر "نقارہ"

بجایا جاتا تھا ۔ پاکستان میں بھی کئی مقامات پر سائرن بجایا جاتا ہے ، گلیوں میں اٹھانے والے صدا لگاتے ہیں اور مساجد میں نعت خوانی کرتے ہیں اس کا مقصد روزے داروں کو سحری کے لئے بیدار کرنا ہے ۔ اکثریت کو اٹھانا مقصود ہے تو اگر بعض بیماروں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اکثریت کی خاطر یہ تکلیف برداشت کرلینا چاہیے ، یہ تکلیف نا قابل برداشت نہیں ہے ۔ اسکے باوجود حمد ونعت پڑھنے والوں کو چاہیے کہ اس وقت اسپیکر کی آواز کو بہت زیادہ اونچا نہ کریں ۔ ہاں جب بیداری کا اعلان کرنا مقصود ہو تو اسپیکر کی آواز کو بڑھا دیں ۔

روزے میں انجکشن لگوانے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

بیمار شخص کا ماہ رمضان میں بیمار یا عمرہ وغیرہ پر جاتے ہوئے ٹیکہ لگوانا ، جو کہ قانونی طور پر لگوانا ضروری ہے ، روزہ کو توڑ دیتا ہے یا نہیں ؟ انجکشن دو طرح کا ہوتا ہے ، ایک جو گوشت میں لگایا جاتا ہے اور دوسرا نس میں ۔ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد ندیم اقبال سعیدی

الجواب :-

روزے کی حالت میں انجکشن لگوانا " مختلف فیہ " یعنی اس میں اختلاف ہے ۔ ہماری رائے کے مطابق ،اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ۔ لہذا روزہ دار کو انجیکشن لگوانے سے بچنا چاہیے ۔ انجیکشن دن میں لگوانا ضروری نہیں ، رات میں بھی لگوایا جا سکتا ہے ، اس لئے رات میں لگوائیں ۔

" قے " سے روزہ ٹوٹنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ :

منہ بھر " قے " آنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ " ٹوٹ جاتا ہے " جبکہ بکر کہتا ہے " نہیں ٹوٹتا ہے " ۔ آپ ارشاد فرمائیں کہ کس کا قول صحیح ہے ؟ وضاحت فرمائیں ۔

سائل : محمد اسلم قادری ، لیاقت آباد ، کراچی

الجواب:-

خود بخود "قے" ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے منہ بھر کر ہو یا نہ ہو۔ قصداً (جان بوجھ کر) قے کرنے سے اور "قے" منہ بھر کر ہو تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

وان ذرعه القئی و خرج ولم یعد لا یفطر مطلقاً ملاء اولا

یعنی اگر بلا اختیار قے ہوگئی اور حلق میں نہ لوٹی تو مطلقاً روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ منہ بھر ہو یا منہ بھر نہ ہو۔

اس سے آگے لکھا:

وان استقاء ای طلب القئی عامداً ای متذکرا الصوم ان کان ملأ الفم فسد بالاجماع مطلقاً وان اقل لا

(بر حاشیہ شامی، جلد (۲) کتاب الصوم، مطلب فیما یکرہ للصائم، صفحہ: ۱۲۱، ۱۲۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور اگر قصداً یعنی از خود قے کی۔ یعنی یہ یاد رہتے ہوئے کہ وہ روزے سے ہے تو اگر منہ بھر ہے تو اجماعاً روزہ ٹوٹ گیا اور اگر کم (منہ بھر نہیں) تو نہیں ٹوٹا۔ اور منہ بھر نہ ہو صحیح مذہب پر نہیں ٹوٹتا ہے۔

ماہ رمضان میں حافظ اور سامع صاحبان کی خدمت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کی امامت کے لئے حفاظ کرام کا تقرر کیا جاتا ہے اور سامع حضرات کا اہل محلہ اپنی بساط کے مطابق حافظ اور سامع صاحبان کی خدمت کرتے ہیں یعنی نقد کی صورت میں نذرانہ پیش کرتے ہیں اور کپڑوں کے سوٹ وغیرہ تحائف میں پیش کئے جاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح نذرانے وغیرہ پیش کرنا از روئے شرع کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بینوا وتوجروا

سائل: محمود حسین، ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

لوگوں سے جس کام کیلئے چندہ وصول کیا جاتا ہے وہ چندہ اسی کام میں خرچ کیا جائے گا۔ عام طور پر مساجد میں رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر جو چندہ کیا جاتا ہے، اس سے تراویح پڑھانے والے، امام، مؤذن اور خادم کو نذرانے دیئے جاتے ہیں اور شیرینی وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس اضافی چندہ سے حافظ، سامع، امام اور مؤذن کو نذرانہ دینا جائز ہے مگر بطور معاوضہ اور اجرت نہیں دیا جاسکتا۔

رمضان کی ۲۷ ویں شب کو مسجد میں چراغاں کرنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

جامع مسجد ناظم آباد نمبر ۴ جوکہ علاقہ کی سب سے بڑی مسجد ہے ، جمعہ واعظ میں مولانا نے تقریر میں کہا "کہ رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو مسجد میں چراغاں کرنا گناہ ہے" ۔ جب کہ ایک شخص عرصہ سے مسجد اپنے پاس سے سجاتا تھا ۔ امام نے یہ بھی کہا کہ شبینہ بھی نا جائز ہے" ۔ آپ سے درخواست ہے کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اس مسئلے پر روشنی ڈالیں ۔

الجواب :-

چراغاں کرنے کے کئی مقاصد ہوتے ہیں ۔

(۱) جہاں لوگوں کی کثرت سے آمد ہو تو اس لئے روشنی کا انتظام کردیا جاتا ہے ۔

(۲) کسی اہم واقعہ کا اظہار مقصود ہو ۔

(۳) کسی معاملہ کی اہمیت ظاہر کرنا ہو ۔

(۴) یا اپنے مال و دولت اور اپنی بڑائی ظاہر کرنا مقصود ہو ۔

آخری صورت نا جائز ہے ۔ اور یہ اسراف میں بھی داخل ہے ۔ مگر پہلی تین صورتیں جائز ہیں ۔ پہلی صورت کے جائز ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر روشنی کرنا ، اس کے جائز ہونے کے لئے وہ احادیث کافی ہیں ، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ " میری ولادت کے وقت ایسی روشنی ظاہر ہوئی کہ میری والدہ نے دیکھا کہ شام کے محلات روشن ہو گئے " ۔

(مشکوۃ المصابیح ، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ ، الفصل الثانی ، صفحہ : ۵۱۳ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

اور خوشی کے ہی اظہار کے لئے شادی کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں ۔ اور اعلان بھی مقصود ہوتا ہے ۔

(۳) شب قدر کی اہمیت تو قرآن کریم سے ظاہر ہے ، اور عام طور پر مسلمان اس رات میں عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی رات میں اکثر مساجد میں ختم قرآن ہوتا ہے۔ اور بعض میں شبینہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اس رات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے چراغاں ہوتا ہے اور مسلمانوں کو متوجہ کیاجاتا ہے کہ وہ اس رات کو غفلت میں نہ گذاریں۔ مسجد میں آکر ختم قرآن کی متبرک محفل میں شریک ہوں اور رات عبادت میں گذاریں ۔ لیکن ان تمام مواقع پر حد اعتدال میں رہتے ہوئے چراغاں کیا جائے اور خاص مسجد کے فنڈ کو اس میں استعمال نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے روپے سے چراغاں کرتا ہے تو کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے ۔ اور اسکی اصل وہ حدیث

ہے جو علامہ جلال الدین عبد الرحمن سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۹۱۱ھ نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں نقل فرمائی۔

واخرج ابن عساكر عن اسمٰعيل بن زياد قال ؛ مرعلى بن ابى طالب على المساجد فى رمضان و فيها القناديل فقال ؛ نور الله على عمر فى قبره كما نور علينا فى مساجدنا

(فضائل عمر بن خطاب رضى الله عنه ، فصل فى اوليات عمر رضى الله عنه ، صفحه : ۱۳۷ ، مطبوعه مير محمد كتب خانه ، كراچى)

یعنی ابن عساکر نے اسمعیل بن زیاد سے تخریج کی انہوں نے فرمایا حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما رمضان کے مہینے میں مساجد کے پاس سے گذرے ان مساجد میں قندیلیں روشن تھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ انہوں نے ہماری مساجد کو روشن کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے رمضان المبارک میں مساجد کے اندر روشنی کا انتظام ہوتا تھا۔

ان مواقع پر جو ہماری مساجد میں روشنی کی جاتی ہے، اس کے نا جائز ہونے کے دیوبندی لوگ فتوے دیتے ہیں مگر ان کے عقیدت مند شادیوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کرتے ہیں، ان پر اسراف وناجائز ہونے کے فتوے نہیں لگاتے۔ ان ہالوں میں دیوبندی علماء نکاح پڑھانے جاتے ہیں، وہاں بھی اپنے عقیدت مندوں کو اس روشنی کے بارے میں منع نہیں کرتے۔ کراچی میں تو مشہور دیوبندی علماء کے شادی حال بھی ہیں، ان میں جس دن شادی نہیں ہوتی ہے، جب بھی ویسی ہی روشنی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ شادی کے دن ہوتی ہے۔ شادی ہال بک کرانے والوں کو یہ نصیحت نہیں کرتے کہ ضرورت کے لائق روشنی کی جائیگی۔ زیادہ روشنی نا جائز و اسراف ہے۔ اور یہی دیوبندی علماء اپنے مذہبی جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں، ان جلسہ گاہوں میں بھی ضرورت سے زیادہ روشنی کی ہوتی ہے۔

مگر ان کے فتوے صرف میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لیلۃ القدر، شب معراج اور شب براءت کے موقع پر کی جانیوالی روشنی کے متعلق صادر ہوتے ہیں۔ مسلمان دیوبندی مفتیوں کے اس متضاد رویے سے، ان کے فتوؤں کی حقیقت سمجھ لیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جس مولوی نے شب قدر کے موقع پر مسجد میں چراغاں کرنے کو گناہ کہا وہ نرا جاہل ہے، مسلمان ہرگز اس کی بات نہ مانیں۔

رہا شبینہ کا مسئلہ تو اگر پڑھنے والے صحیح قرآن پڑھتے ہوں، الفاظ قرآن کو صحیح مخارج کے ساتھ ادا کرتے ہوں اور بلا معاوضہ پڑھتے ہوں تو اس صورت میں شبینہ بھی جائز ہے۔

مسائل افطار

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

رمضان المبارک میں بکثرت مسلمان! عمرہ کے ادائیگی کے لئے بیت اللہ شریف کی حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں دوران پرواز یا جدہ وغیرہ پہنچ کر جہاز ہی میں اگر پاکستانی وقت کے مطابق افطار کا وقت ہو جاتا ہے تو جہاز کا عملہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ پاکستانی وقت کے مطابق افطار کا وقت ہو چکا ہے، روزہ افطار کرلیں۔ حالانکہ وہاں کے وقت کے مطابق ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا ہوتا کیونکہ حجاز مقدس یعنی مکہ مکرمہ اور جدہ وغیرہ میں یہاں کے حساب سے دو گھنٹے بعد سورج غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ افطار کر لیتے ہیں اور کچھ نہیں۔

اب آپ وضاحت فرمائیں کہ درج بالا صورت میں روزہ افطار کرنا چاہئے یا کہ نہیں؟

الجواب:-

افطار میں روزہ دار زمین پر جس جگہ ہوگا وہاں کے غروب کا اعتبار ہوگا۔ زمین پر غروب ہونے کے بعد وہیں سے اگر کوئی شخص بلندی پر چلا جائے تو اسے سورج نظر آجائے گا۔ اس سے زمین پر روزہ افطار کرنے والوں کے افطار پر فرق نہیں پڑتا۔ ہوائی جہاز کئی ہزار فٹ کی بلندی پر ہونے کی وجہ سے سورج بہت دیر تک نظر آتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس پر افطار کا دار و مدار نہیں ہے۔ ہوائی جہاز والوں کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ پاکستان میں افطار کا وقت ہوگیا ہے، ہوائی جہاز سعودیہ جانے کی صورت میں مغرب کی طرف جاتا ہے، وہاں پاکستان کے وقت اعتبار سے دیر سے افطار ہوگا یہاں تک کہ سعودیہ میں دو گھنٹہ بعد افطار کا وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا پرواز کے دوران جہاز جس جگہ پر تھا اگر اس کی سیدھ میں نیچے زمین پر افطار کا وقت ہوگیا تھا، اس وقت جہاز والوں نے افطار کیا تو روزہ صحیح ہوگیا۔ اگر دوران پرواز زمین پر افطار کا وقت نہیں ہوا تھا اگرچہ مشرق کی سمت پاکستان میں افطار کا وقت ہو گیا تھا اور ہوائی جہاز والوں نے روزہ افطار کرلیا اور کروا دیا تو ان سب لوگوں کو ایک روزے کی قضا کرنا ہوگی۔

غروب آفتاب کے کتنی دیر کے بعد افطار کریں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

غروب آفتاب کے کتنے منٹ بعد یقینی طور پر افطار کا وقت ہو جاتا ہے اور اذان مغرب دی جا سکتی ہے۔

الجواب :-

گھڑی اور نقشہ صحیح ہو تو غروب آفتاب کے ایک منٹ بعد افطار کر سکتے ہیں ۔ اور غروب کے دو تین منٹ بعد اذان مغرب بھی دی جا سکتی ہے ۔

غلطی سے وقت سے پہلے افطار کرنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

آج غروب آفتاب سات بجکر بیس منٹ پر تھا ۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے غلطی سے سات بجکر اٹھارہ منٹ پر اذان دے دی اور تقریباً تمام لوگوں نے افطار کر لیا ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اذان ۲ منٹ پہلے ہو گئی تھی ۔ کیا ان تمام لوگوں کا روزہ کہ جنہوں نے ٹی وی وغیرہ کی اذان سے روزہ افطار کیا آیا ان کا روزہ ہوا یا نہیں ؟ اگر نہیں ہوا تو کیا روزہ کی قضا کے ساتھ کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا یا صرف روزے کی قضاء واجب ہے ؟

سائل : زاہد علی زیدی

الجواب :-

صورت مسئولہ میں اگر واقعی سورج غروب ہو چکا تھا اور اس کا یقین تھا ، اس کے بعد روزہ افطار کیا تو یہ روزہ درست ہوا اور اگر سورج غروب نہیں ہوا تھا اور روزہ افطار کیا تو یہ روزہ نہیں ہوا ، اس دن کے روزے کی قضا ضروری ہے کفارہ نہیں ۔

اعتکاف کا بیان

مسائل اعتکاف

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلے میں کہ :

رمضان میں معتکفین کے لئے جو پردے وغیرہ مساجد میں لگائے جاتے ہیں ۔ نماز کے وقت ان پردوں کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے یا نماز باجماعت کے لئے اوپر اٹھا دیا جائے اور اگر نہ اٹھایا جائے تو آیا اس سے نماز میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوگی یا نہیں ؟ نیز انتظامیہ کو کیا اختیار حاصل ہے کہ پردہ نہ اٹھانے کی صورت میں اس جگہ کو مسجد سے خارج قرار دے جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں ۔

سائل : محمد زاہد خاں قادری ، لانڈھی ، کراچی

الجواب :-

اعتکاف میں پردے صرف اس لئے لٹکائے جاتے ہیں کہ معتکف کو عبادت میں " ریا " کا خیال نہ آئے اور سونے میں " شرمگاہ " وغیرہ کھل جائے تو پردہ رہے ۔ جماعت کے وقت میں اچھا یہ ہے کہ پردہ کو اٹھا کر صف سیدھی و مکمل کی جائے اور اگر پردہ کو نہیں اٹھاتے ہیں اور صف متصل اور سیدھی رہے تو پردے لٹکے رہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ پردہ کا تعلق مسجد ہونے یا نہ ہونے سے نہیں اور نہ ہی مسجد کی انتظامیہ کو اختیار ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو غیر مسجد قرار دے ۔

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کیا معتکف کے لئے پردے کے پیچھے بیٹھنا لازمی ہے؟ کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردے کے پیچھے بیٹھا کرتے تھے؟

الجواب:-

پردے میں بیٹھنا لازم نہیں ہے، بہتر ہے۔ رات میں ان چٹائیوں کو اٹھا کر جو مسجد میں بچھی ہوئی ہوتی تھیں، گھیر کر ایک حجرہ کی طرح بنا دیا جاتا تھا۔ اس کے اندر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے۔

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتکف اپنا منہ چھپا کر رکھے نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معتکف پردے کے اندر رہے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا؟

الجواب:-

لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔

الاستفتاء:-

معتکف اگر بھول کر مسجد سے باہر نکل جائے تو کیا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؟ اگر ٹوٹ جائے تو کیا اس کی

قضا ہے؟ کیا اعتکاف فرض کفایہ ہے؟

الجواب:-

معتکف اگر بھولے سے مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا صرف اس دن کے اعتکاف کی قضا کرنا ہوگی۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کا اعتکاف فرض کفایہ نہیں بلکہ "سنت کفایہ" ہے۔

الاستفتاء:-

کیا معتکف لاؤڈ اسپیکر پر سحری کے لئے لوگوں کو اٹھا سکتا ہے؟

الجواب:-

اٹھا سکتا ہے، اگر لاؤڈ اسپیکر مسجد کے اندر ہو۔

الاستفتاء:-

ہماری مسجد میں محراب کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، جس میں قرآن رکھے ہیں اور یہیں سے اذان دی جاتی ہے اگر معتکف اس کمرہ میں چلا جائے تو کیا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؟

الجواب:-

جی ہاں اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

اعتکاف کی نیت اور اقسام

الاستفتاء:-

اعتکاف واجب، اعتکاف سنت اور اعتکاف نفل کی نیت عربی میں کس طرح کی جاتی ہے عربی میں نیت

تحریر کریں نیز واجب ، سنت اور نفل اعتکاف کون کون سے ہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

وہ اعتکاف! جس کی منت مانی جائے ، وہ واجب ہے۔ رمضان المبارک کے آخری " عشرے " یعنی آخر کے دس دنوں کا اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ اور مسجد میں جب داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلی جائے تو یہ اعتکاف نفل کہلاتا ہے۔ عربی میں اعتکاف کی نیت مندرجہ ذیل ہے :

(۱) واجب اعتکاف کی نیت : نویت اعتکاف الواجب

(۲) سنت اعتکاف کی نیت : نویت اعتکاف سنۃ الکفایۃ فی رمضان

(۳) مستحب اعتکاف کی نیت : نویت اعتکاف السنۃ

نفل اعتکاف کا حکم

الاستفتاء:-

محترم المقام جناب قبلہ مفتی اعظم پاکستان!

جناب عالی گزارش ہے کہ رمضان میں معتکفین کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہوتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا نفل اعتکاف بھی ہوتا ہے اگر ہوتا ہے تو اس کی مدت کیا ہے اور نفلی اعتکاف میں مسجد میں کھانا اور سونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

نفلی اعتکاف بھی ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا سنت اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو۔ جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف میں رہے گا اور جب مسجد سے نکلے گا تو اس کا یہ اعتکاف ختم ہو جائے گا۔ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں۔ نفلی اعتکاف میں بھی کھانا پینا اور سونا مسجد میں جائز ہے۔

معتکف کا دوسری مسجد میں جمعہ کے خطاب کے لئے جانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ :

ایک مولوی صاحب نے اپنے محلے کی مسجد میں اعتکاف کیا اور اس مسجد میں جمعۃ المبارک بھی ہوتا ہے تو

کیا یہ صاحب کسی دوسری مسجد میں جمعہ کی تقریر کے لئے جا سکتے ہیں؟ جبکہ اس مسجد میں امام مسجد موجود ہیں لیکن وہ جمعہ کی تقریر نہیں کر سکتے۔

سائل: محمد احمد، غریب آباد، کراچی

الجواب:-

جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے اور وہاں جمعہ بھی ہوتا ہے تو جمعہ پڑھنے یا پڑھانے کے لئے دوسری مسجد نہیں جایا جا سکتا۔

معتکف کا مسجد کی چھت پر جانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

معتکف کو انسانی ضروریات کے علاوہ دیگر کن کن ضروریات کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے؟ کیونکہ گرمی کی وجہ سے کچھ مساجد میں نماز عشاء و تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جاتی ہے اور کچھ مساجد میں مسجد کی چھت پر جانے کے لئے راستہ خارج مسجد سے ہوتا ہے یعنی وضو خانے یا مدرسہ وغیرہ سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔

سائلین: اراکین کمیٹی، اعظم مسجد سی ایریا، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

معتکف صرف حوائج انسانی یعنی بول و براز یا غسل جنابت کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں جبکہ چھت کا راستہ مسجد سے باہر ہے تو معتکف چھت پر نہیں جا سکتا اگر چھت کی سیڑھی مسجد کے اندر سے ہو تو جا سکتا ہے۔

کتاب المناسک

حج و عمرہ کی فرضیت کا بیان

شوال کا چاند حرم شریف میں دیکھنے سے حج کے فرض ہونے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی وقار الدین صاحب ! ایک مسئلے کا جواب درکار ہے:
رمضان المبارک میں کوئی شخص عمرہ کرنے گیا ، اس نے حج نہیں کیا ہوا اب وہ شخص عید الفطر مدینہ شریف ، مکہ معظمہ ، جدہ یا سعودی عرب کے کسی اور شہر میں کرے ، تو کیا اس پر حج کرنا واجب ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ وضاحت سے بیان فرمائیں -

الجواب:-

شوال سے حج کے مہینے شروع ہوتے ہیں - لہٰذا جو شخص ، ان مہینوں میں وہاں رہ جائے گا وہ بغیر حج کیے واپس نہیں آسکتا ، اس پر حج فرض ہوگیا -

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

(سورۃ (۳) آل عمران ، آیت : ۹۷)

یعنی جو شخص راستہ کے اعتبار سے حج کی طاقت رکھتا ہے (تو وہ بیت اللہ کا حج کرے)۔
یہ شرط اس کے حق میں پائی جارہی ہے۔ لہذا عمرہ کے لیے جانے والوں کو شوال سے پہلے آجانا چاہیے ، انہیں غیر قانونی طور پر وہاں رہنا بھی ناجائز ہے۔

اگر حکومت ان کو نکال دے گی تو پھر بھی ان پر حج فرض ہو چکا ہے ، ان کو قضا کرنا ضروری ہے اور اگر غیر قانونی طور پر وہاں قیام کر کے حج کر لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا مگر گناہ گار ہوگا۔

استطاعت نہ رکھنے والے کا حج ، حج فرض ادا ہوتا ہے یا نفل

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

غریب شخص ، جو کہ صاحب استطاعت نہ ہو کسی دوست کے تعاون ، بذریعہ کمپنی یا جو حکومت کی طرف سے حج پر بھیجا جاتا ہے۔ جانے والے کا فرض حج ادا ہوگا یا نفل ؟

سائل : فیض الحسن

الجواب:-

جب کوئی شخص کسی غریب آدمی کو حج کی درخواست دینے سے پہلے حج کے " مصارف " کا مالک بنا دے تو وہ غنی ہو گیا اب اس نے جو حج کیا وہ اس کی طرف سے فرض حج ادا ہوگا۔ اور اگر اس کو مالک بنا کر روپیہ نہیں دیا تھا بلکہ روپیہ خرچ کرنے والے نے بنک میں جمع کر دیا اور اس کے نام سے درخواست دے دی تو یہ طریقہ باطل ہے لیکن جانے والے کا نفلی حج ادا ہوگا جبکہ فرض حج اس پر باقی رہے گا۔ جب یہ غنی ہوگا تو پھر دوبارہ اس کو اپنا فرض حج ادا کرنا ہوگا۔

قرض لیکر حج کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

میں اپنے والد صاحب ! کو حج پر بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں ، اور میری یہ دلی تمنا ہے کہ والد صاحب کو حج کروانے کی سعادت حاصل کرسکوں۔ میں نوکری کرتا ہوں۔ اور والد صاحب بھی ایک جگہ ملازمت کرتے ہیں۔ لیکن یکمشت اتنی رقم جمع نہیں ہو سکتی کہ وہ حج پر جا سکیں نیز سال بسال حج کے اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لہذا

میں چاہتا ہوں کہ قرض لیکر والد صاحب کو حج کرواؤں اور آہستہ آہستہ قرض اتار دوں گا۔ والد صاحب جتنا عرصہ حج میں لگائیں گے اتنے عرصے کیلئے اہل و عیال کے لئے خرچہ بھی چھوڑ جائیں گے۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کہ قرض لے کر حج کرنا جائز ہے یا نہیں۔

سائل: بندہ خدا

الجواب:-

صورت مسئولہ میں اگر سائل کے والد بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کسی سال بھی زمانہ حج میں اتنے روپے کے مالک ہوئے تھے، جن سے حج فرض ہوتا تھا اور دوسری شرائط فرضیت بھی پائی گئیں تھیں تو ان پر حج فرض تھا اور جب ایک مرتبہ حج فرض ہو جاتا ہے تو اگر چہ مال فنا ہو جائے اور یہ فقیر ہو جائے، جب بھی حج فرض ہی رہے گا تو اس صورت میں اس پر فرض ہے کہ وہ قرض لے کر حج کرے اور نیت یہ رکھے کہ میں یہ قرض ادا کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی کے ذرائع پیدا فرما دے گا۔ اور اس صورت میں بیٹا بھی قرض لے کر باپ کو روپے ھبہ کرے اس طرح کہ والد کے ہاتھ میں دے دے تاکہ وہ اپنا فرض ادا کریں تو یہ بیٹے کے لئے سعادت ہے۔ اگر باپ کے ہاتھ میں ابھی اتنے پیسے آئے ہی نہ تھے کہ جس سے حج فرض ہوتا تو اس صورت میں قرض لے کر حج کرنا فرض نہیں ہے لیکن بیٹا اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ قرض لینے کے بعد ادا کر سکے گا تو وہ قرض لے کر اگر باپ کو دے دے، تو یہ جائز ہے۔

کسی ادارے کی طرف سے حج کرنے کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

کسی سرکاری محکمہ کی جانب سے اگر اس کے ملازمین کو "حج بیت اللہ" پر بھیجا جائے اور سفر حج کا پورا خرچہ سرکاری محکمہ ادا کرے یا اس محکمہ کے تمام ملازمین اپنی تنخواہ میں سے ہر ماہ کچھ رقم مختص کر کے ایک یا دو آدمیوں کو اس رقم سے حج کروائیں اور یہ صورت ہر سال بذریعۂ قرعہ اندازی ہو تو کیا ایسی صورت میں حج کرنا یا کروانا جائز ہے؟ نیز کیا اس شخص کا جو کہ حج کی استطاعت نہیں رکھتا اس طرح سے فرض حج ادا ہو جائے گا؟

الجواب:-

محکمہ حج کے تمام اخراجات خود ادا کرے تو ایسی صورت میں ملازم کا حج کرنا اور محکمہ کی طرف سے حج کروانا جائز ہے۔ دوسری صورت جو کہ سوال میں مذکور ہے، جائز نہیں ہے۔ محکمہ اگر وہ رقم، اس کی ملکیت میں دے دے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک کمپنی میں ، یہ اسکیم شروع کی گئی ہے کہ ہر ماہ لیبر اور اسٹاف ممبران سے دس ، دس روپے جمع کئے جاتے ہیں۔ جب حج کے دن آتے ہیں تو بذریعہ قرعہ اندازی ایک لیبر اور ایک اسٹاف ممبر کو حج پر بھیجا جاتا ہے۔ حج کے اخراجات میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ کمپنی کا مالک پوری کرتا ہے۔ کمپنی کا مالک اہلسنت و جماعت سے تعلق رکھتا ہے ، جبکہ ملازمین میں اہلسنت کے علاوہ مختلف فرقے کے لوگ یعنی دیوبندی ، وہابی اور شیعہ وغیرہ بھی ہیں۔

اس اسکیم میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہ اسکیم " جوا " کی تعریف میں تو نہیں آتی ؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں جو طریقہ بیان کیا گیا ہے یہ نا جائز ہے اور " جوا " ہے۔ اگر ملازمین سے پیسے نہ جمع کئے جائیں ، صرف کمپنی اپنی طرف سے روپیہ خرچ کرے اور قرعہ اندازی میں ، جس شخص کا نام نکلے اور وہ حج کرنے کی اہلیت رکھتا ہے ، اسے بھیجے ، تو یہ جائز ہے۔

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب !

ایک کمپنی ہے۔ کمپنی کے ملازمین کی " یونین " کا کمپنی کے مالکان سے اس بات پر معاہدہ ہے کہ کمپنی ہر سال اپنے خرچ پر ملازمین میں سے ایک یا ایک سے زیادہ افراد کو بذریعہ قرعہ اندازی حج پر بھیجے گی۔ کمپنی کے افسران بالا کا کہنا ہے کہ " کمپنی کی جانب سے ملازمین کو حج کروانا ، ادائیگی حج نہیں بلکہ صرف زیارت ہے "۔

لہٰذا آپ اس مسئلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کمپنی کے افسران کا کہنا صحیح ہے یا غلط ؟

الجواب:-

اس میں دو صورتیں ہیں اگر کمپنی جس آدمی کو حج پر بھیجے روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اس کو مالک بنا دے ، تو جس وقت وہ روپیہ کا مالک ہوا ، تو اس پر حج فرض ہو گیا اور حج کرنے سے فرض حج ادا ہو گیا۔ اور اگر کمپنی نے اسے روپے کا مالک نہیں بنایا بلکہ روپے پہلے جمع کروا کے پھر قرعہ اندازی میں ، جس کا نام نکلا ، اسے ٹکٹ دے دیا ، تو ایسی صورت میں ، اس کا یہ حج نفل ہوگا ، اگر پہلے سے ہی یہ ملازم اتنا مال دار تھا کہ اس پر حج فرض تھا تو پھر بھی اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا۔

ذاتی کام کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہونا اور عمرہ کا حکم

الاستفتاء:-

میقات سے باہر رہنے والا، جو مسلمان تجارت وغیرہ کی غرض سے، مکہ معظمہ جائے، تو کیا احرام باندھ کر جانا اور عمرہ کی ادائیگی ضروری ہے؟ یونہی سرکاری ملازم جو کام کے سلسلے میں میقات سے باہر آتے جاتے رہتے ہیں جیسے ڈرائیور حضرات وغیرہ تو ان کے لیے مکہ معظمہ میں داخلہ کے لیے کیا شرائط ہیں؟ اگر ایسے لوگ احرام کے بغیر داخل ہو جائیں اور عمرہ نہ ادا کریں تو اس کے ازالے کی کیا صورت ہے؟

الجواب:-

میقات سے باہر رہنے والا کوئی شخص جب مکہ معظمہ جانے کا قصد (ارادہ) کرے تو اس کو احرام باندھنا ضروری ہے۔ حج و عمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت وغیرہ کا۔ ابن شیبہ اور طبرانی وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجاوز الوقت الا باحرام

(بحوالہ فتح القدیر، جلد (۲) کتاب الحج، فصل المواقیت التی لا یجوز ان یجاوزھا الخ، صفحہ: ۳۳۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص میقات سے بغیر احرام آگے نہ بڑھے۔

لہٰذا ڈرائیور اور سرکاری ملازم وغیرہ یا جو بھی شخص میقات کے باہر سے مکہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہو، وہ بھی بغیر احرام کے مکہ میں نہیں جا سکتا، جتنی مرتبہ مکہ میں داخل ہوں گے ہر مرتبہ ایک عمرہ واجب ہوگا۔

مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ واپسی پر عمرہ کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

جو حجاج کرام حج سے پہلے مکہ مکرمہ سے عمرہ کر کے مدینہ طیبہ چلے جاتے ہیں جب وہ حج کے لئے مکہ واپس ہوں گے تو کیا ان کے لئے دوبارہ عمرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور اگر حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھ لیں تو قارن کے حکم میں داخل ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب:-

ایسے لوگ مکہ معظمہ میں بغیر احرام کے نہیں داخل ہو سکتے۔ لہذا حج و عمرہ کا احرام باندھ لیں تو قارن ہو جائیں گے۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر حج و عمرہ کے لئے نکلنا

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری والدہ حج کا ارادہ رکھتی ہیں لیکن "کراچی" سے "جدہ" تک سفر وہ بغیر "محرم" کے کریں گی اور جدہ سے، ان کے داماد جو جدہ میں رہائش پذیر ہیں، ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔ کیا وہ گھر سے سفر حج یا عمرہ کے لئے بغیر محرم کے نکل سکتی ہیں یا کہ نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: عصمت عادل، ایف بی ایریا، کراچی

الجواب:-

احادیث میں عورت کو بغیر محرم کے بقدر شرعی مسافت یعنی تقریباً ۵۷ میل یا اس سے زیادہ اکیلے سفر کرنا منع ہے۔ یہاں سے جب بغیر محرم جدہ تک کا سفر کریں گی تو یہ سفر بغیر محرم ہوگا، یہ جائز نہیں۔ اور اگر سفر کیا تو گناہ گار ہوں گی۔

کیا داماد ساس کے لئے محرم ہے؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

میری والدہ ماجدہ اور میری ساس صاحبہ میرے ساتھ حج پر جانا چاہتی ہیں۔ کیا داماد ساس کے لئے محرم ہے؟

سائل: محمد سعید، شو مارکیٹ، نشتر روڈ

الجواب:-

بیٹا ماں اور داماد ساس کے لیے محرم ہے۔ لہذا ساس داماد کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے۔

مسائل حج و عمرہ کا بیان

مسائل حج

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ:

(۱) احرام کی حالت میں جوتا، چپل اور موزوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲) ٹولیوں کی شکل میں بیک زبان "تلبیہ" پڑھنا۔

(۳) عرفات میں غسل کرنا۔

(۴) مزدلفہ کے علاوہ کہیں اور سے کنکریاں لینا نیز کیا کنکریاں دھو کر صاف کی جا سکتی ہیں؟

(۵) مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی سنتیں، نوافل نیز وتر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۶) پہلے قربانی پھر "رمی" کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ نیز اگر مکہ مکرمہ میں قربانی کرے تو کیا طریقہ ہوگا؟

(۷) ذی الحج کی ۹ تاریخ کو روزہ رکھنا۔

(۸) غار حرا اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کرنا

درج بالا تمام سوالات کے جوابات قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں دیجئے

عین نوازش ہوگی۔

سائل: محمد شفیع، یوسف پلازہ، ایف بی ایریا، کراچی

الجواب:-

(۱) جوتے یا چپل کا استعمال حالت احرام میں جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کی ابھری ہوئی ہڈی کھلی رہے، اس کو چھپانا احرام میں "حرام" ہے۔ اسی لئے موزوں کا حالت احرام میں پہننا ناجائز ہے۔

(۲) ٹولیوں کی صورت میں " تلبیہ " یعنی لبیک کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(۳) یوم عرفہ کو غسل کرنا سنت ہے۔
(۴) منیٰ سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے، اس کے علاوہ جہاں سے چاہے اٹھائیں۔
(۵) پہلے مغرب کی نماز پڑھیں گے اس کے فوراً بعد نماز عشاء اس کے بعد مغرب کی سنتیں اور پھر عشاء کی سنتیں اور وتر پڑھے جائیں گے۔
(۶) پہلے رمی کرے گا پھر قربانی اور اس کے بعد حلق یا قصر کرے گا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب ہے۔ اس کے خلاف کرے گا تو دم واجب ہوگا۔ قربانی زمین حرم پر ہر جگہ کرسکتا ہے، مکہ مکرمہ بھی حرم میں داخل ہے۔
(۷) ذی الحج کی ۹ تاریخ کو حجاج کے لئے روزہ رکھنا منع ہے۔
(۸) باعث برکت ہے۔

عورت کے لئے مسائل حج

الاستفتاء :-

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم

ایک صاحبہ جو امسال حج کا ارادہ رکھتی ہیں۔ مگر امراض نسوانی فتور الرحم، بے قاعدگی ایام، کثرت حیض، کثرت سیلان الرحم جیسی تکالیف میں مبتلا رہتی ہیں۔ رطوبت کا اخراج دن میں کئی بار ہوتا ہے۔ علاج برابر جاری ہے۔ اگر دوران نماز، عمرہ، اور مناسک حج، نیز حاضری روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان امراض میں سے کوئی مرض ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ مذکورہ حالات میں سفر حج کر سکتی ہیں یا نہیں اور درخواست حج جمع کرائیں یا نہیں؟

(۲) احرام باندھتے وقت اگر اخراج رطوبت ہو تو کیا کرنا ہوگا۔ نیز بحالت احرام رحم کے باہر نکلنے کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ کیا دم دینا ہوگا، اگر دم دینا ہوگا تو کب کتنا اور کہاں؟ بے قاعدگی ایام میں مناسک حج کس طرح ادا ہونگے؟ ان صورتوں کے جوابات تفصیل سے دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب :-

حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن۔ دو حیضوں کے درمیان کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے۔ کم سے کم ۹ برس کی عمر سے حیض آسکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پچپن سال کی عمر تک آتا ہے۔ حیض کے چھ رنگ ہوتے ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، زرد، گدلا، مٹیالا، سفید رنگ کی رطوبت حیض نہیں

ہوتی ہے ۔

ان باتوں کے سمجھ لینے کے بعد ، یہ سمجھ لیجئے کہ جب حیض آتا ہوگا اس وقت نماز ، روزہ ، قراءتِ قرآن ، مسجد میں داخل ہونا اور مجامعت وغیرہ یہ سب کام حرام ہو جاتے ہیں اور حیض کے زمانہ کے علاوہ اگر خون آئے تو وہ حیض نہیں ہے ۔ اس کو " استحاضہ " کہتے ہیں ۔ عورت دوران استحاضہ لنگوٹ باندھ کر تمام فرائض ، قرآن کی تلاوت اور مسجد میں داخل ہونا یہ سب امور جائز ہو جاتے ہیں ۔ دوران حج زمانہ حیض میں مسجد میں جانے کے علاوہ باقی سب افعال بجا لائے گی یعنی منیٰ ، عرفات ، اور مزدلفہ کے تمام ارکان ادا کرے گی ۔

احرام باندھتے وقت اگر حیض آرہا ہو جب بھی احرام باندھنے کی نیت کرے گی لیکن احرام کے نفل نہیں پڑھے گی ۔ ہاں حرم میں داخلے کے بعد مکہ شریف میں ٹھرے گی ، مسجد حرام میں نہیں جائے گی ۔ پاک ہونے کے بعد عمرہ ادا کرے گی یا حج کا احرام باندھنے کی صورت میں حج کا طواف کرے گی ۔

اگر احرام باندھتے وقت استحاضہ کا خون آرہا تھا تو تمام اعمال پاک لوگوں کی طرح کرے گی ۔ مگر اس کے لئے وضو کے احکام معذور کی طرح ہوں گے ۔ معذور کا حکم یہ ہوتا ہے کہ مثلاً اگر ہر وقت جسم سے کسی جگہ خون آنے کی وجہ کوئی شخص معذور ہے کہ اتنا موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ وضو کر کے نماز فرض پڑھ سکے تو اگر ایک نماز کا وقت اسی طرح گذر گیا تو یہ معذور شرعی ہے ۔ معذور شرعی کا حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے اور اس وقت کے اندر اس وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھے ۔ پھر اس وقت میں جس وجہ سے معذور ہوا ہے ، اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ وضو توڑنے والی دوسری وجوں سے وضو ٹوٹ جائیگا" ۔ وقت ختم ہوتے ہی اس کا وضو ختم ہو جائے گا ۔ دوسری نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد دوسرا وضو کرے گا ۔

حیض کے جو رنگ لکھے ہیں ان رنگوں کی رطوبتیں استحاضہ کے زمانہ میں بھی نجاست غلیظہ ہیں ۔ یہ مختصر احکام ہیں جو لکھ دیئے گئے ۔ حیض و نفاس اور استحاضہ کی تفصیل کے لئے صدر الشریعہ حکیم ابو العلیٰ محمد امجد علی اعظمی قادری کی تصنیف بہار شریعت کے دوسرے حصے اور حج کے احکام کے چھٹے حصے کا مطالعہ کیجئے ۔

حائضہ کے عمرہ کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عورت یہاں سے عمرہ کے لئے روانہ ہوئی اور اس نے احرام بھی باندھ لیا ۔ لیکن جدہ پہنچنے سے پہلے

ہی اسے ماہواری شروع ہو گئی ۔ چنانچہ وہ مکہ مکرمہ سے اسی حالت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئی ، یہاں پاک ہوئی ۔ مدینہ طیبہ میں اس نے پہلے عمرہ کا احرام کھول دیا اور نئے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئی ۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ احرام پہلے اور دوسرے عمرہ کے لئے کافی ہے یا پہلا عمرہ اس کا قضا ہو گیا اس لئے نیا احرام باندھ کر اس عمرہ کی قضاء کرے گی ؟

الجواب:-

پہلا عمرہ جب تک ادا نہ کرے وہ اس کے ذمہ باقی ہے ۔ جب وہ عورت حالت احرام میں مدینہ چلی گئی تھی تو دوبارہ مکہ مکرمہ آکر عمرہ ادا کرتی ، اس نے جو دوبارہ عمرہ کی نیت کی اس کی ضرورت نہ تھی ۔ مدینہ طیبہ میں پہلا احرام کھول دیا تھا تو دوسرا احرام باندھنا ئے عمرہ کا تھا اب اس کو پورا کرے گی اور پہلے عمرہ کی قضا کرے گی اور اس عمرہ کو توڑنے کا " دم " بھی دے گی اور یہ دم زمین حرم پر ہی دیا جا سکتا ہے ۔

عورت کے لئے " قصر " کی مقدار

الاستفتاء:-

کیا فرماتے مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

عورتوں کیلئے قصر کی کیا مقدار ہے ؟ کیا ایک آدھ " لٹ " کتروانے سے وجوب ادا ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ مذکورہ سوال کا جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں ۔

سائل : فیض الحسن

الجواب:-

عورت کیلئے لٹکے ہوئے بالوں میں سے ایک " پورا " برابر کتروا دینے سے " قصر " ہو جاتا ہے ۔

حج قران کرنے والے کے لئے حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید ! حج " قران " کرنا چاہتا تھا مگر حکومت پاکستان نے اسے حج سے قبل مدینہ طیبہ بھیج دیا اب زید مدینہ سے حج قران کا احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں ؟ نیز حدود حرم سے نکل کر حج قران کا احرام باندھا جا سکتا ہے یا

نہیں ؟

سائل : فقیر محمد پرویز

الجواب :-

صورت مسئولہ میں زید مدینہ منورہ سے حج قران (جب عمرہ اور حج ایک ہی احرام میں کیا جائے تو اسے حج قران کہتے ہیں) کا احرام باندھ سکتا ہے ۔ میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے قران جائز نہیں ، اسی طرح میقات سے باہر والا جب حرم میں پہنچا اور عمرہ کر لیا اور میقات سے باہر نہ گیا تو قران نہیں کر سکتا ہے ۔

عرفات ! کیا میقات سے باہر ہے ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

عرفات حدود حرم کے اندر ہے یا باہر ؟ اگر کوئی مکہ معظمہ سے عرفات کی زیارت کے لئے گیا تو کیا وہاں سے دوبارہ احرام باندھ کر آنا پڑے گا ؟

الجواب :-

مکہ میں نیت اقامت کی ہے اور اگر عرفات میں جائے گا تو اسے واپسی میں احرام باندھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عرفات میقات کے اندر ہے ۔

میدان عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے نکلنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

زید نے اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور لاعلمی میں میدان عرفات سے غروبِ آفتاب سے پہلے واپس ہو گیا ۔ سوال یہ ہے کہ اگر وقوف عرفات غروبِ آفتاب سے پہلے ختم کر دیا جائے تو کیا دم واجب ہوتا ہے ، اگر دم واجب ہے تو کیا دم ایام حج میں ہی دینا لازم ہے ، نیز کیا خود جا کر دے یا کسی اور شخص کو بھی وکیل بنا سکتا ہے ؟

الجواب:-

عرفات ! سے اگر غروب آفتاب سے پہلے نکل آیا، پھر غروب سے پہلے واپس عرفات میں نہ گیا تو اس پر "دم" واجب ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

لودفع قبل الغروب فان جاوز حدود عرفة لزمه دم الا ان یعود قبله و یدفع بعده فیسقط

(جلد(۲) کتاب الحج، مطلب فی الدفع من عرفات، صفحہ: ۱۹۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر غروب آفتاب سے پہلے میدان عرفات سے نکل آیا اور عرفات کی حدود سے تجاوز کر لیا تو دم لازم ہوگا اگر غروب آفتاب سے پہلے واپس آ جائے اور پھر غروب کے بعد نکلے تو دم ساقط ہو جائے گا۔

سوال میں مذکور دیگر سوالوں کے جوابات کے لئے کتاب المناسک، احکام دم کی طرف رجوع کریں۔

رمضان میں عمرہ کا ثواب

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

میں نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ " رمضان المبارک میں جو شخص عمرہ کرے اسکا یہ عمل ویسا ہی ہے جیسے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج مبرور ادا کیا " ۔ کیا رمضان المبارک میں عمرہ کرنے سے مراد بحالت روزہ عمرہ ادا ہے یا رات کے وقت بھی عمرہ ادا کرنے کی یہی فضیلت ہوگی؟

الجواب:-

رمضان کے مہینے میں دن یا رات میں، جس وقت بھی عمرہ کریں، اس حدیث کی بشارت میں داخل ہے۔

عمرہ کا ثواب زندہ یا مردہ کو بخشنا

الاستفتاء:-

کیا عمرہ ادا کر کے اس کا ثواب ہم کسی زندہ یا فوت شدہ عزیز کو بخش سکتے ہیں؟

سائل: غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

جس کو ثواب بخشنا ہے، اس کی جانب سے عمرہ کا احرام باندھتے وقت نیت کر لیں، اس کو ثواب مل جائے گا۔

زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

احرام کہاں سے باندھا جائے؟

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

مندرجہ ذیل صورتوں میں آپ کی رہنمائی درکار ہے۔

ہم جب حج و عمرہ کے لئے جاتے ہیں تو جدہ ائر پورٹ پر اترنا ہوتا ہے۔ کیا عمرہ کے لئے احرام کراچی سے باندھنا ضروری ہے یا وہاں جا کر باندھ لیں؟ عمرہ ادا کرنے کے بعد جب ہم مدینہ منورہ جائیں، تو کیا احرام اتار سکتے ہیں؟ ہم ایک سے زیادہ عمرے ادا کرنا چاہتے ہیں، کیا ہر عمرے کے لئے نیا احرام باندھنا ہوگا؟ حج کے موقع پر ہم مکہ مکرمہ میں مقیم ہوں گے، تو کیا حج کے لئے احرام رہائش ہی باندھنا ہوگا یا اس کے لئے کسی مخصوص جگہ جانا پڑے گا؟ حج کے لئے ایک ماہ کے قیام کی صورت میں کیا ہم مکہ مکرمہ کے مقیم متصور ہوں گے؟

سائل: شیخ غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

جو یہاں سے مکہ شریف جانے کے ارادے سے نکلے، اسے یہیں سے احرام باندھنا ہوگا کیونکہ جدہ میقات کے اندر ہے۔ عمرہ طواف و سعی سے پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد حلق یا قصر کروا کر احرام کھول لیں۔ اگر صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران جتنے چاہیں عمرے کر سکتے ہیں لیکن ہر عمرے کا احرام الگ سے باندھنا ہوگا۔ اور احرام کے لئے حرم سے باہر قریب ترین میقات "تنعیم" ہے اور سب سے دور میقات "جعرانہ" ہے۔ ان دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ جا کر عمرے کا احرام باندھیں۔ جو شخص حرم کے اندر ہے، اسے حج کا احرام ! حرم ہی سے باندھنا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ مسجد حرام سے حج کا احرام باندھا جائے۔ مسلسل ایک ہی جگہ پندرہ دن رہنے کی نیت کرنے سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں نماز پوری پڑھنی ہوگی۔ مکہ معظمہ، منیٰ اور عرفات علیحدہ علیحدہ مقامات ہیں اگر دونوں جگہ پندرہ دن رہنے کی نیت کی تو مقیم نہ ہوگا۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص حج کر کے مدینہ منورہ گیا ۔ پھر مدینہ سے واپس مکہ مکرمہ آیا مگر آج کل کے نئے راستہ سے جدہ پہنچ کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا تو کیا اس پر دم لازم آیا کہ نہیں ؟

الجواب:-

میقات اور اس کی محاذات (آمنا سامنا) سے گزرنے پر مکہ جانے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے بغیر احرام کے میقات سے گذرنا گناہ ہے اور ایک " دم " واجب ہوتا ہے اگر اس کا مکہ جانے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ مدینہ منورہ سے " جدہ " میں رہنے کے ارادے سے گیا پھر وہاں سے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو جدہ سے احرام باندھ سکتا ہے ۔

حج و عمرہ کرنے والوں کا ایک دوسرے کا سر مونڈھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کوئی شخص عمرہ کے لئے جائے ، تو طواف اور سعی کرنے کے بعد وہ اپنا سر خود مونڈ سکتا ہے یا اسکا ساتھی جو کہ عمرہ کر رہا ہو وہ طواف و سعی کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈ کر احرام کھول سکتے ہیں یا نہیں ؟ اسی طرح جو لوگ حج کریں وہ قربانی کے بعد ایک دوسرے کا " قصر " یا " حلق " کر کے احرام کھول سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اس طرح ان کے ثواب میں کوئی کمی تو واقع نہ ہوگی ؟

الجواب:-

حج اور عمرے میں جب حلق یا قصر کروانے کا وقت آجائے تو خود حاجی اپنا سر مونڈ سکتا ہے اسی طرح دو " محرم " بھی ارکان ادا کرنے کے بعد ایک دوسرے کا سر مونڈ سکتے ہیں ۔

جس پر غسل فرض ہو وہ کون سے ارکان ادا کر سکتا ہے ؟

الاستفتاء:-

ہم احتلام کی حالت میں کونسے ارکان ادا کر سکتے ہیں اور کونسے نہیں ؟

الجواب:-

طواف کے علاوہ حج کے دوسرے ارکان ادا کر سکتے ہیں ۔

طواف کا بیان

طواف وداع اور طواف زیارت کے چھوٹ جانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) اگر کسی سے " طواف وداع " چھوٹ جائے تو اسے کیا تاوان دینا ہوگا ؟

(۲) اگر حاجی نے طواف زیارت کے بعد کئی نفلی طواف کر لئے تو کیا یہ نفلی طواف ، طواف وداع کے قائم مقام ہو سکتے ہیں ؟

(۳) اگر کسی نے طواف زیارت نہیں کیا تو وہ کیا کرے ؟

سائل : قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی ، خطیب نیو میمن مسجد ، کراچی

الجواب:-

(۱) طواف وداع واجب ہے ۔ اس کے چھوڑنے سے ایک قربانی واجب ہوگی ۔ اس میں قصداً یا کسی عذر کی وجہ سے چھوڑنے میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ بلکہ جبراً چھڑوا دینے سے بھی قربانی واجب ہے ۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

الواجب دم علی محرم بالغ و لو ناسیا او جاھلا او مکرھا فیجب علی نائم

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۲) کتاب الحج ، باب الجنایات ، صفحہ : ۲۱۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی بالغ محرم پر ترک واجب کسی وجہ سے ہو، دم واجب ہے۔ اگر چہ اس سے "غلطی" بھول کر ہو، عدم علم سے ہو یا اسے غلطی کرنے پر مجبور کیا گیا ہو حتی کہ سوئے ہوئے شخص (سے بھی ترک واجب ہو جائے تو اس) پر دم واجب ہے۔

علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

ولما کان طواف الصدر واجبا وجب بترک کلہ او اکثرہ دم

(جلد (۳) باب الجنایات، فصل ولا شیئی ان نظر الخ، صفحہ: ۲۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور طواف صدر (وداع) جب واجب ہے تو اسکو چھوڑ دینے یا اکثر حصہ ترک کر دینے پر دم واجب ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے:

لان طواف الصدر واجب و ترکہ یوجب الدم

(جلد (۲) کتاب الحج، باب الجنایات، صفحہ: ۶۰، مطبوعہ الکبری الامیریۃ، مصر)

یعنی طواف صدر واجب ہے اور اسکے ترک سے دم واجب ہوتا ہے۔

(۲) طواف وداع ادا ہونے کی شرط یہ ہے کہ واپسی کا ارادہ کرنے کے بعد کیا جائے، تو ارادہ واپسی کے بعد اگر نیت نفل سے بھی طواف کرے گا، تو طواف وداع ادا ہو جائے گا اور اگر واپسی کے ارادے سے پہلے نفلی طواف کئے ہیں، تو یہ طواف، طواف وداع کے قائم مقام نہیں ہوں گے۔ در مختار میں ہے:

ثم النیۃ للطواف شرط فلو طاف هاربا او طالبالم یجز لکن یکفی اصلها فلو طاف بعد ارادۃ السفر و نوی التطوع اجزاہ عن الصدر

پھر طواف کے لئے نیت شرط ہے اگر کسی نے بھاگتے ہوئے یا برضاء طواف کیا یہ جائز نہیں لیکن اس کی نیت ادائیگی کے لئے کافی ہے۔ پس اگر کسی نے ارادہ سفر کے بعد طواف کیا اگر چہ نیت طواف نفل کی، کی ہو تو وہ طواف صدر کے قائم مقام ہو جائے گا۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

ان اول وقتہ بعد طواف الزیارۃ اذا کان علی عزم السفر

(شامی، جلد (۲) کتاب الحج، مطلب فی طواف الصدر، صفحہ: ۲۰۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی طواف وداع کا ابتدائی وقت طواف زیارت کے بعد شروع ہوتا ہے جب وہ واپسی کے سفر کا ارادہ کئے ہوئے ہو۔

(۳) جس نے طواف زیارت نہیں کیا، وہ حرم کے جانے والے یا وہاں کے رہنے والے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دے تاکہ وہ اس کی طرف سے قربانی کرے۔

ناپاکی کی وجہ سے طواف نہ کرسکنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

عورت نے ناپاکی کے باعث ، طواف زیارت نہیں کیا کہ اسی اثناء میں واپسی کا سرکاری حکم آگیا تو اب وہ کیا کرے ؟

الجواب:-

اس صورت میں اگر عورت کے پاک ہونے تک کسی بھی صورت میں ٹھہرنا اور اس طواف کے لیے دوبارہ جانا بھی ممکن نہ ہو ، تو اس صورت میں یہ طواف کرے اور ایسی صورت میں " بدنہ " واجب ہوگا۔ یعنی اونٹ یا سالم گائے کی قربانی حدود حرم میں کرنا واجب ہوگی۔ پہلے دور میں اس قسم کی پابندی کے واقعات پیش نہیں آتے تھے اور نہ وطن واپس آکر دوبارہ جانے میں کوئی دشواریاں تھیں اس لیے وہ وہاں ٹھہر جاتے تھے یا دوبارہ جاکر ادا کرلیا کرتے تھے۔

طواف زیارت کی عدم ادائیگی اور عورت کی حلت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل صورتوں کے بارے میں کہ :

ایک شخص حج کرنے کے لیے گیا اور ۱۰ ذی الحج کا فرض طواف نہیں کرسکا واپس اپنے وطن آگیا۔ کیا اس کی بیوی اس پر حلال ہے ؟ اگر عورت کو حیض آجائے اور وہ ۱۰ تاریخ کا طواف نہ کرسکے واپس اپنے ملک آجائے تو کیا وہ اپنے شوہر پر حلال ہے کہ نہیں ؟

الجواب:-

جس شخص نے طواف زیارت نہ کیا ہو ، اس کی بیوی ، اس کیلئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک یہ طواف زیارت نہ کرلے۔ طواف زیارت کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ہے اگر اس وقت میں طواف نہ کرسکا تو بہرحال اس پر طواف کرنا ضروری ہے اور تاخیر کی وجہ سے دم بھی دینا واجب ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

ولولم یطف طواف الزیارۃ اصلاً حتیٰ رجع الیٰ اھلہ فعلیہ ان یعود بذالک الاحرام لانعدام

التحلل منہ وھو محرم عن النساء ابداً حتیٰ یطوف۔

یعنی اگر وہ طواف زیارت (فرض طواف) بالکل نہ کرسکا یہاں تک کہ اپنے وطن گھر لوٹ آیا تو اس پر لازم ہے کہ اسی احرام کے ساتھ واپس جائے بسبب اس کے حلال نہ ہونے کے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہے۔

اس عبارت سے پہلے صاحب ھدایہ نے لکھا:

لزمہ الدم عند ابی حنیفۃ بالتاخیر

(ھدایہ اولین، کتاب الحج، باب الجنایات، فصل فی ما یتعلق بالطواف بغیر الطہارۃ، صفحہ: ۲۷۳، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی طواف زیارت میں تاخیر ہونے کی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک دم دینا واجب ہوگا۔

بلکہ عالمگیری میں ہے کہ برسوں گزر جائیں تو بھی عورت حلال نہ ہوگی۔

جو عورت طواف زیارت حیض ونفاس کی وجہ سے نہ کرسکے اور اس کی واپسی کا وقت بھی ہو جائے تو اسی حالت میں یہ طواف زیارۃ کرے اور ایک قربانی گائے کی بھی دے اور یہ قربانی سرزمین حرم ہی میں کرنا ہوگی کسی اور جگہ نہیں کی جاسکتی۔ منسک میں ہے:

ولو طاف الزیارۃ جنبا او حائضاً او نفساء کلہ او الاکثر ھو اربعۃ اشواط فعلیہ بدنۃ و یقع معتدابہ فی حق التحلل و یصیر عاصیا

اور اگر طواف زیارت کے تمام چکر یا اکثر جو چار چکر ہیں جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں کرلئے تو اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہے اور حلال ہونے میں حد سے بڑھنے والا ہوگا اور گناہ گار ہوگا۔

طواف زیارت کے بعد ترک سعی کا حکم

الاستفتاء:-

ایک شخص نے حج تمتع کیا۔ بیت اللہ پہنچ کر طواف کیا پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور سعی کے بعد حلق کرکے احرام کھول دیا تو اس طرح اس کا عمرہ مکمل ہوگیا۔ پھر آٹھ ذی الحج کو حج کے لیے احرام باندھا اور ذی الحج کی دس تاریخ کو عشاء کے وقت "طواف زیارت" کیا مگر اس میں سعی نہیں کی، تو اس صورت میں اس پر دم لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب:-

پہلے جو سعی کی تھی وہ عمرے کی سعی تھی اور اس کے ذمہ حج کی بھی سعی واجب ہے، اس نے حج کی سعی نہیں کی تو اسے "دم" دینا واجب ہے۔

رمی کا بیان

رمی جمار کو چاند ماری سے تشبیہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

رمی جمار کی ابتداء کب سے ہوئی ہے۔ نیز اس کی حقیقت اور حکم کیا ہے؟ اس کو چاند ماری سے تشبیہ دینا کیسا ہے؟ کیوں کہ یہاں دبئی میں اس قسم کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں، جس میں اس کو چاند ماری سے مشابہ بتایا گیا ہے۔

الجواب:-

رمی جمار حج کے واجبات میں سے ہے۔ صحاح کی تمام کتابوں میں حدیثیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی جمار کی اور مسلمانوں کو حکم دیا۔

(مسلم شریف، جلد (۱) کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکباً، صفحہ: ۴۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اس کی ابتداء کے بارے میں صاحب تفسیر ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں لکھا۔

و قال الامام احمد حدثنا شریح و یونس قالا حدثنا حماد بن سلمة عن ابی عاصم الغنوی

عنابی الطفیل عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ قال لما امر ابراھیم علیہ الصلاۃ و السلام بالمناسک عرض لہ الشیطان عند السعی فسابقہ فسبقہ ابراھیم علیہ الصلاۃ و السلام ثم ذھب بہ جبرئیل علیہ الصلاۃ و السلام الی جمرۃ العقبۃ فعرض لہ الشیطان فرماہ بسبع حصیات حتیٰ ذھب ثم عرض لہ عند الجمرۃ الوسطی فرماہ بسبع حصیات

(جلد (۴) صفحہ: ۱۵، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر)

اور امام احمد نے فرمایا کہ ہم سے حضرت شریح اور حضرت یونس نے حدیث بیان فرمائی اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی حماد بن سلمہ نے اور وہ روایت کرتے ہیں ابو عاصم الغنوی سے اور وہ ابو طفیل سے اور وہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے کہ انہوں نے فرمایا: جب حضرت ابراھیم علیہ الصلاۃ و السلام کو حج کرنے کا حکم ہوا تو سعی کے وقت شیطان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے سامنے آیا تو اس نے ابراھیم علیہ السلام سے مسابقت کی تو حضرت ابراھیم علیہ السلام اس پر سبقت لے گئے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام انھیں لے کر جمرہ عقبہ کے پاس گئے تو پھر شیطان آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر جمرہ وسطیٰ کے پاس آپ کے سامنے آیا تو ابراھیم علیہ السلام نے شیطان کو (مزید) سات کنکریاں ماریں۔

تفسیر روح البیان میں (سورۃ (۳۷) الصّٰفّٰت، آیت: ۱۰۳) کے تحت لکھا ہے۔

روی ان ابلیس عرض لابراھیم عند جمرۃ العقبۃ فرماہ بسبع حصیات حتیٰ ذھب ثم عرض لہ عند الجمرۃ الکبریٰ فرماہ بسبعحصیات حتیٰ ذھب ثم مضی ابراھیم لامر اللہ تعالیٰ وعزم علیالذبح و منہ شرع رمیالجمرات فیالحج فھو من واجبات الحج یجب بترکہ الفدیۃ باتفاق الائمۃ

یعنی روایت کی گئی ہے کہ بے شک شیطان جمرہ عقبہ کے پاس حضرت ابراھیم علیہ السلام کے سامنے آیا تو آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ کبریٰ کے پاس سامنے آیا تو پھر سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام تعمیل امر الٰہی کے لئے بڑھے اور ذبح کا عزم کیا۔ یہاں سے رمی جمرات حج میں شروع ہوئیں جو کہ حج کے واجبات میں سے ہیں اسکے ترک پر باتفاق ائمہ کرام دم واجب ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رمی واجب ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے تو اس کو چاند ماری سے تعبیر دینا استہزاء ہے یہ کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ مسلمان کہلانے والے اپنی زبان کو بے باکانہ استعمال کرتے ہیں اس لیے حدیث میں فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو ان کی زبانوں نے جہنم میں اوندھا گرا دیا۔ رمی کی ابتداء کے متعلق بھی مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوگیا، اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بذات خود رمی کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی مفتی صاحب! دامت برکاتکم العالیہ

عرض ہے کہ حج میں حاجی مرد ہو یا عورت، اس کا از خود رمی کرنا، کیا حج کا رکن ہے اگر کوئی بوجہ ضعیفی یا کثرت ہجوم رمی نہ کر سکے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اگر وہ بغیر رمی کے قربان گاہ پہنچ جائے اور قربانی، حلق یا تقصیر کروا کر خانہ کعبہ چلا جائے اور وہاں سے اپنے قیام کی جگہ پر، تو اس کا حج ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اگر حج کے دوران اتنی رقم ہی نہ بچے کہ قربانی کر سکے تو کیا وہ گھر آکر قربانی دے سکتا ہے؟

سائل: محمد ظہیر ندیم، حکیم بلڈنگ، کراچی

الجواب:-

رمی کرنا واجب ہے واجب کے چھوڑنے سے "دم" واجب ہوتا ہے۔ پہلے رمی کرنا اس کے بعد قربانی حلق یا تقصیر کروانا، یہ ترتیب واجب ہے۔ صورت مسئولہ میں ترتیب کے خلاف بھی کام کیا۔ لہٰذا اس شخص پر دو قربانیاں واجب ہیں۔ یہ قربانی زمین حرم پر کرنا واجب ہے۔ یہاں نہیں ہو سکتی۔ کسی جانے والے کو روپیہ دے دیں وہ مکہ معظمہ یا حرم کے پورے علاقہ میں قربانی کردے۔ اس کا گوشت صرف غرباء ہی کھا سکتے ہیں۔

رمی نہ کر سکنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

الحمد للہ! میں فرضی حج ادا کر چکا ہوں۔ پھر دوسری مرتبہ والد مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے حج کیا۔ ۱۱ ذی الحج کو بسبب ہجوم میں پھنس جانے اور بمشکل تمام اپنی جان بچانے کے بڑے شیطان کو پوری سات کنکریاں نہ مار سکا اور اس صورت حال سے خائف ہو کر منجھلے اور چھوٹے شیطان کو ایک بھی کنکری نہ مار سکا۔ حسب معمول ۱۲ ذی الحج کو مکہ مکرمہ واپسی کی بجائے ۱۳ ذی الحج تک منیٰ میں قیام کیا۔ کیا ایک دن منیٰ میں اضافی قیام اور اس دن میں کی گئی رمی جمرات پہلی رمی کے قائم مقام ہو جائے گی جبکہ قیام میں رمی کی نیت نہ تھی نیز وضاحت فرمائیں کہ اب لغزش پر جو حکم شرع ہو اس کی تعمیل منیٰ یا مکہ مکرمہ میں ضروری ہے یا اپنے وطن میں بھی کی جا سکتی ہے؟ از راہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: ولی محمد

الجواب:-

رمی ایک دن کی چھوٹ جائے یا تینوں دن کی ایک شیطان کی چھوٹے یا تینوں کی ، ایک قربانی واجب ہوگی ۔ اور یہ قربانی زمین حرم پر کرنا واجب ہے ۔ لہذا کسی جانے والے کو روپیہ دے دیں وہ مکہ میں جاکر یہ قربانی کردے ۔

رمی میں نائب بنانے کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

رمی جمرات کے موقع پر جو " اژدھام " ہوتا ہے ، اس کی وجہ سے اس واجب کو دشواری سے ادا کیا جاتا ہے ۔ ہر سال سننے میں آتا ہے کہ کئی اموات " رمی " کے موقع پر ہوگئیں ۔ اکثر حجاج کو یہ کہتے سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوگیا کہ زندہ بچ گیا ورنہ بھیڑ نے دبا لیا تھا ۔ ایسے حالات میں بوڑھے اور بیمار چل تو سکتے ہیں مگر اس بھیڑ کا سامنا کرنے سے سخت خائف ہوتے ہیں اور عورتوں کو دوسرے خطرات کے علاوہ غیر مردوں کے ساتھ بدن دبنے کا یقین ہوتا ہے ۔ اس صورت سے بچنے کے لئے رمی میں اپنا نائب مقرر کرنے کی اجازت ہے یا نہیں ؟ بعض اوقات رات کو عورتوں کے ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہوتا اور لوگ بتاتے ہیں کہ رات کو بھی کافی رش ہوتا ہے خصوصاً آخری دن تو شام تک منیٰ میں مختلف وجوہ کی بناء پر قیام بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ ازراہ کرم وضاحت سے تحریر فرمائیں کہ کن حالات میں کن لوگوں کو نائب مقرر کرنے کی اجازت ہے یا عدم ادائیگی کی صورت میں دم ہی دینا پڑے گا ۔

الجواب:-

رمی ! میں نائب مقرر نہیں کرسکتے ۔ یہ تکلیفات جن کا تذکرہ سوال میں ہے اس لیے ہوتی ہیں کہ ہر شخص جلدی کرنا چاہتا ہے ۔ لہذا بوڑھے اور عورتیں آخری وقت میں جائیں ۔ رات میں رمی کرنا اگرچہ مکروہ ہے ، مگر عذر کی وجہ سے یہ کراہت باقی نہیں رہتی ۔ مشاہدہ یہی ہے کہ مغرب کے بعد بھیڑ نہیں رہتی ۔ رمی کسی وجہ سے نہ کرسکے تو دم دینا واجب ہے ۔ مگر ایک دن کی رمی ترک ہونے سے بھی ایک دم اور صرف ایک جمرہ کی رمی ترک ہونے سے بھی ایک دم اور تینوں دن کی رمی ترک ہونے سے بھی ایک دم لازم آئے گا ۔ لہذا اگر ایسا عذر ہو کہ جس کی وجہ سے رمی نہیں کرسکتا ہے تو تیسرے دن دم دے گا اور یہ دم زمین حرم پر دینا ضروری ہے ۔

احکام دم

کیا سعودی عرب میں جانور جھٹکے سے ذبح کئے جاتے ہیں ؟

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی وقار الدین صاحب !

مفتی دار العلوم امجدیہ ، کراچی

آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا سعودی عرب میں جانور جھٹکے سے ذبح کئے جاتے ہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

سعودی عرب میں جو جانور ذبح ہوتے ہیں ، وہ جھٹکے سے نہیں ذبح نہیں کئے جاتے ۔ ہاں دوسرے ممالک جیسے کوریا اور ہندوستان وغیرہ سے جو گوشت ڈبوں وغیرہ میں آتا ہے ، اس کے بارے میں " ذبیحہ " ہونے کی تصدیق نہیں کی جاسکتی ، اس کو نہیں کھانا چاہئیے ۔

کیا دم حدود حرم ہی میں دینا لازم ہے ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

دم! حدود حرم ہی میں دیا جائے یا غیر حرم میں بھی دیا جاسکتا ہے؟ نیز اس کے لئے وقت مخصوص ہے یا کسی بھی وقت دیا جاسکتا ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

جنایت کا دم زمین حرم پر دینا ضروری ہے، دوسری جگہ ادا نہیں ہوگا۔ اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، جب چاہے دے سکتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

و یتعین یوم النحر ای وقتہ و ھو الایام الثلاثۃ لذبح المتعۃ و القران فقط فلم یجز قبلہ بل بعدہ و علیہ دم و یتعین الحرم لا منٰی للکل

یعنی (قربانی کے لئے) متعین ہے یوم نحر اور اس کے لئے وقت صرف تین دن ہیں واسطے تمتع اور قران والے کی قربانی کے۔ پس اس سے پہلے اور بعد جائز نہیں اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا تو اس پر "دم" ہے۔ اور دم زمین حرم میں کسی جگہ بھی دیا جاسکتا ہے اس کے لئے "منٰی" مخصوص نہیں۔

در مختار کی درج بالا عبارت کے لفظ "فقط" پر علامہ شامی نے لکھا:

لا یتعین غیر ھما فیھا

(جلد (۲) کتاب الحج، باب الھدی، صفحہ: ۵۴۲، ۲۷۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ان دونوں (متمتع و قارن) کے علاوہ ان اوقات میں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔

دم اور قربانی والے کا ایک گائے میں شریک ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:

دم جنایت اور دم شکر والے ایک جانور میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایک حاجی "قارن" (وہ حاجی جس نے عمرہ اور حج ایک ہی احرام میں کئے ہوں) نے کوئی غلطی کی جس سے دم واجب ہوگیا اور دو یا تین اشخاص جنہیں دم شکر ادا کرنا تھا، یہ سب ملکر ایک گائے خرید لیں اور دم ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد جمیل الرحمن سعیدی رضوی

الجواب:-

وہ جانور جس میں سات حصے ہوتے ہیں، اس میں شرکاء مختلف قسم کے تقرب کی نیت سے شریک ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ تقرب کسی شریک پر واجب ہو اور کسی پر واجب نہ ہو، بہر صورت جائز ہے۔ لہٰذا صورت

مسئولہ میں دم شکر اور دم جنایت ادا ہو جائیں گے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

وشمل مالو کانت القربة واجبة علی الکل او البعض اتفقت جهاتها او لا کاضحیة و احصار وجزاء صید و حلق و متعة و قران

(جلد (۵) کتاب الاضحیة، صفحہ: ۲۲۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی شامل ہوا جا سکتا ہے اگر چہ وہ قربانی سب پر واجب ہو یا بعض پر۔ سب کی نیت ایک ہو یا جدا جدا جیسے قربانی، دم حصار، شکار کا بدلہ، دم حلق یا متمتع اور قارن کی قربانی۔

حاجی کا بذریعہ بینک قربانی کروانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

آج کل قربانی کی رقم بینک میں جمع کروانے اور اس کے ذریعہ سے قربانی کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیا متمتع اور قارن قربانی کی رقم بینک میں جمع کروا سکتے ہیں؟ جبکہ احناف کے نزدیک ترتیب ضروری ہے۔

سائل: حافظ محمد صدیق، راولپنڈی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں قربانی جائز نہیں۔ لہٰذا حجاج کرام کو بذریعہ بینک قربانی کروانے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

حج بدل کا بیان

حج بدل کرنے والے کے لئے احکام

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق۔ براہ کرم کتب فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرما کر اجر دارین پائیں۔

(۱) حج بدل کرنے والا شخص کس قسم کے حج کی نیت کرے اور کیا اس پر قربانی بھی ضروری ہے یا نہیں؟ کیا حج بدل کرنے والا حج سے پہلے یا بعد جو عمرہ ادا کرے وہ اپنی طرف سے بھی کر سکتا ہے یا کہ نہیں اسی طرح طواف بیت اللہ کی سعادت اپنی طرف سے حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: فیض الحسن

الجواب:-

حج بدل کرنے والے کو، حج کروانے والا، جو ہدایات دے گا، انہی پر حج کرنے والا عمل کرے گا۔ جب اس نے مطلقاً حج کرنے کا حکم دیا تو صرف "افراد" (حج کی تین اقسام میں سے ایک قسم ہے یعنی صرف حج کرنا) کرے گا یعنی یہاں سے صرف حج کا احرام باندھ کر جائے گا اور اگر بھیجنے والے نے "تمتع" یا "قران" کا کہا، تو اس کے کہنے کے مطابق تمتع یا قران کرے گا۔ مگر تمتع یا قران کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔ یہ قربانی حج کرنے والے کو اپنے مال سے کرنا ہوگی۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا ہے:

دم القران و التمتع و الجنایة علی الحاج ان اذن له الأمر بالقران و التمتع

(بر حاشیہ شامی، جلد (۲) کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، صفحہ: ۲۶۷،۶۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی قران، تمتع اور جنایت (گناہ) کا دم حج کرنے والے پر ہے (نہ کہ حج کروانے والے پر) اگرچہ حج کروانے والے نے قران یا تمتع کی اجازت دی ہو۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حج پر بھیجنے والے سے، یہ اجازت لے لی جائے کہ روپیہ جس طرح اور جس جائز کام میں چاہوں خرچ کروں گا، حج اور عمرہ اس کی طرف سے کروں گا، جس کے حج بدل کے لیے تم مجھے بھیج رہے ہو۔ مکہ معظمہ میں رہائش کے دوران میں اپنی طرف سے یا والدین وغیرہ کی طرف سے بھی عمرہ کروں گا۔ یہاں سے احرام حج بدل کروانے والے کی طرف سے باندھے گا۔ اپنی طرف سے یا کسی اور کی جانب سے نہیں باندھ سکتا۔ اگر حج بدل پر بھیجنے والے سے اجازت لے لی ہے کہ خالی اوقات میں کسی دوسرے کی طرف سے طواف یا عمرہ کروں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

والدین کی طرف سے خود یا کسی دوسرے سے حج بدل کروانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص جو خود حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہے وہ اپنے والدین یا کسی عزیز کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں یا وہ کسی نیک آدمی سے حج بدل کروائے؟ جو صورت جائز ہو، اس سے آگاہ فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: حافظ محمد ایوب

الجواب:-

حج بدل کروانے کے لیے، جس مسلمان، عاقل و بالغ کو چاہیں بھیج سکتے ہیں۔ جس کی طرف سے حج کروایا جائے گا، اس کی طرف سے حج ہو جائے گا۔ مگر عالم اور مسائل حج جاننے والا بھیجا جائے تو اچھا ہے۔ اور اگر کسی مسلمان کو بغیر نیت حج بدل کے حج کے لیے پیسہ دیا جائے، ایک آدمی دے یا متعدد دیں، ان پیسہ دینے والوں کو ثواب مل جائے گا اور جو حج کرنے جائے گا، حج اس ہی کی طرف سے ہوگا۔

جس نے حج نہ کیا ہو، اس سے حج بدل کروانا

الاستفتاء:-

جس شخص سے حج بدل کروانا ہو، تو کیا ضروری ہے کہ اس نے پہلے حج کیا ہوا ہو اور صاحب استطاعت ہو یا وہ بھی کر سکتا ہے، جس نے پہلے حج نہیں کیا ہے اور وہ صاحب استطاعت بھی نہ ہو؟ نیز پہلے رشتہ داروں میں سے کسی کو کروایا جائے یا غیر رشتہ دار کو؟ کیا ایک غریب عورت جو رشتہ میں مرحوم کی ممانی ہے وہ مرحوم کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمد حبیب

الجواب:-

حج بدل میں، ایسے شخص کو بھیجنا چاہیے، جو متقی، پرہیزگار اور حج کے مسائل جاننے والا ہو۔ اگر پہلے حج کر چکا ہے تو زیادہ اچھا ہے اور اگر پہلے حج نہیں کیا ہے جب بھی اس کا بھیجنا جائز ہے۔ ممانی یا کسی رشتہ دار کو بھیجنا زیادہ اچھا ہے۔

حج بدل کروانے کے بجائے اتنی رقم صدقہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے دو مرتبہ حج کی درخواست جمع کروائی، مگر منظور نہ ہوئی۔ مرحوم کے بھائی نے سوچا کہ مرحوم کی طرف سے حج بدل کروانے کے بجائے اتنی ہی رقم کسی اور نیک کام میں خرچ کریں تو وہ نیت یا ارادہ جو مرحوم نے کیا تھا پورا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد حبیب

الجواب:-

جب مرحوم پر حج فرض تھا اور انہوں نے اس کے لیے روپیہ بھی جمع کیا تھا اور مرحوم وصیت کر گیا کہ میری طرف سے حج کروا دینا، تو وارثوں پر واجب ہے کہ وہ مرحوم کی طرف سے حج کروائیں۔ اور اگر وصیت نہیں کی تھی تو جب بھی ورثاء کو چاہیے کہ اس کی طرف سے حج کروائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ سب وارث بالغ ہوں تو سب کی اجازت سے حج کروایا جائے اور اگر کوئی وارث نابالغ ہے تو اس کے حصے میں سے خرچ نہیں کیا جائے گا۔ بالغ اپنے حصے سے خرچ کریں گے۔ روپیہ صدقہ کر دینے سے میت کا حج ساقط نہیں ہوگا وہ حج نہ کرنے کے گناہ میں مبتلا رہے گا۔

حج بدل کروانے والے کا اپنے نام کے ساتھ حاجی لکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

وہ شخص جس کی جانب سے حج بدل کیا گیا ہو، اس کو اپنے نام کے ساتھ لفظ "حاجی" لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

اپنی نیکی کا اعلان کرنا، اچھی بات نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں اس شخص نے تو حج کیا ہی نہیں، حج بدل کروانے کی وجہ سے، اس کو حج کا ثواب تو مل جائے گا، مگر اس کو اپنے نام کے ساتھ حاجی لکھنا صحیح نہیں ہے۔

کتاب الاضحیۃ

قربانی اور مسائل قربانی کا بیان

کیا قربانی ہر سال واجب ہے

الاستفتاء:-

محترم المقام واجب الاحترام جناب قبلہ مفتی صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان دین اس مسئلے میں کہ:

صاحب نصاب پر، ہر سال قربانی واجب ہے یا زندگی میں صرف ایک بار قربانی کر کے واجب ختم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زید نے ایک سال اپنی طرف سے قربانی کی دوسرے سال وہ گائے خرید تا ہے ساتوں حصوں میں اپنا کوئی حصہ نہیں رکھتا اور حضور علیہ الصلوۃ و السلام، صحابہ کرام اور حسنین کریمین کی طرف سے قربانی کرتا ہے، اس طرح ساتوں حصے ختم کر دیتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ میں تو گزشتہ سال قربانی ادا کر چکا ہوں۔

اب آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں زید کا عمل درست ہے یا نہیں؟

الجواب:-

صاحب نصاب پر ہر سال قربانی واجب ہے، جب تک وہ صاحب نصاب رہے گا، اس کا اپنا واجب ادا نہ کر کے دوسرے لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا عقل کے خلاف ہے۔ واجب کا ترک سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا

(سنن ابن ماجہ، ابواب الاضاحی، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا، صفحہ: ۲۲۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جو قربانی کرنے کی سکت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

صاحب نصاب ہو لیکن نقدی نہ ہو تو قربانی کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص صاحب نصاب ہے، اس کے پاس سونا چاندی موجود ہے۔ مگر وقتی طور پر نقدی روپیہ قربانی کرنے کے لئے نہیں ہے۔ انشاء اللہ بقر عید کے بعد روپے مل جائیں گے۔ اس صورت میں کیا صاحب نصاب قرض لے کر قربانی کرسکتا ہے؟

سائل: ڈاکٹر عنایت اللہ صدیقی

الجواب:-

جو صاحب نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے۔ قربانی کرنے کے لئے اپنا سونا چاندی فروخت کرے یا قرض لے کر کرے، دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر عمل کرے۔

اداروں کی طرف سے مشترکہ قربانی کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ:

مختلف اداروں کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ قربانی میں حصہ داری کیجئے۔ اس سلسلے میں ایک مخصوص رقم فی حصہ مقرر کی جاتی ہے۔ کیا شرعی لحاظ سے یہ طریقہ صحیح ہے؟ برائے مہربانی تفصیلی جواب سے مستفید فرما کر مشکور فرمائیں۔

سائل: محمد اقبال قادری، المسلم ویلفئر سوسائٹی، کھارا در، کراچی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اعلان کرنے والے قیمت معین کر کے حصے فروخت کریں، یہ تو حرام ہے اور بیع باطل ہے اس لئے کہ جو چیز ابھی بیچنے والوں کی ملکیت میں نہیں، اس کو بیچ رہے ہیں اور بیع باطل کا حکم یہ ہوتا ہے کہ قبضہ کرنے کے بعد خریدار اس کا مالک نہیں ہوتا ہے اور بیچنے والے پر عمر بھر یہ واجب ہے کہ یہ قیمت واپس کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اعلان کرنے والے یہ اعلان کریں کہ "قربانی کرنے والے اتنی رقم جمع کرادیں "گائے خریدنے کے بعد جو حصہ کی قیمت ہوگی وہ لی جائے گی اور کم زیادہ کا حساب کرلیا جائے گا" یہ صورت جائز تو ہے مگر اعلان کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے وہ خریدتے وقت ہر گائے کی قیمت علیحدہ علیحدہ طے کریں۔ پھر ایک ایک گائے میں سات معین اشخاص کو شریک کریں، پھر قیمت اور مصارف ملاکر، ان پر تقسیم کریں اور ہر شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کریں اور ہر گائے کا گوشت وزن کرکے اس کے شرکاء میں تقسیم کریں۔ یہ نہیں کرسکتے کہ جتنی گائے خریدی ہیں، ان کی قیمت اور مصارف جوڑ کر سب شرکاء پر تقسیم کردیں، اس لئے کہ گایوں کی قیمت میں فرق ہوگا، اس کو سب شرکاء کیوں برداشت کریں گے۔

قربانی کے جانوروں کی خرید و فروخت اور بیع سلم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ایک ادارہ بقرعید کے موقعہ پر اجتماعی قربانی کا انتظام کرتا ہے۔ ادارہ اگر یہ صورت اختیار کرے کہ کسی ٹھیکیدار کو معین قیمت پر معین تعداد میں جانوروں کی فراہمی کا آرڈر دے دے۔ مثلاً گائے ۴۰۰۰ روپے میں۔ ادارہ ٹھیکیدار کی طرف سے فراہم کردہ جانوروں کے لینے اور ٹھیکیدار طے شدہ اصولوں کے مطابق جانور دینے پر مجبور ہوں تو کیا شرعاً ایسی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

سائل: غلام یسین، بفرزون، کراچی

الجواب:-

سوال میں جو صورت لکھی گئی ہیں اسے شریعت میں "بیع سلم" کہتے ہیں۔ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ قیمت تو دے دی جائے مگر جو چیز خریدی جارہی ہے وہ بعد میں دی جائے۔ اس بیع کے لئے بہت سی شرائط ہیں، ان شرائط کے پائے جانے سے بیع صحیح ہوجاتی ہے۔ مگر جانوروں میں بیع سلم جائز نہیں، اس لئے کہ بیع سلم میں جس چیز کو خریدا جاتا ہے وہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کو صفات سے متعین کیا جاسکے۔ جانور کو صفات سے متعین نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس کو وزن کرکے متعین کرنا چاہیں تو بھی نہیں کرسکتے۔ اس لئے کہ جانور "وزن" کی چیز نہیں ہے اور اس کا صحیح وزن ہو بھی نہیں سکتا۔ جس وقت وہ سانس باہر کو نکالے گا تو وزن کم ہوگا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں بیع سلم کی بحث میں "لایصح" کے ضمن میں لکھا:

لا فی حیوان ما

(بر حاشیہ شامی، جلد (۴) کتاب البیوع، باب السلم، صفحہ: ۲۲۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کسی قسم کے جانور میں بیع سلم جائز نہیں۔

شراکت کی قربانی میں تقسیم گوشت کا حکم

الاستفتاء:-

گائے کی قربانی میں سات حصہ دار شریک ہوسکتے ہیں۔ لیکن جب گوشت کی تقسیم کا موقع آتا ہے تو سات برابر، برابر حصے کرنا بہت دشوار ہوتا ہے اس سلسلے میں یہ سنا گیا ہے کہ اگر تمام حصے دار کسی ایک یا دو افراد کو اختیار دے دیں اور وہ جس طرح چاہیں گوشت تقسیم کریں تو کیا یہ جائز ہے؟ چاہے سات حصے کریں یا نہ کریں پھر وہ فرد یا افراد گائے خود جاکر خریدیں یا کسی اور کی معرفت خریدائیں قربانی کے وقت تمام شریک موجود نہ ہوں تو کیا ان سب صورتوں میں قربانی جائز ہے اور کیا تمام شرکاء کی قربانی ہو جائے گی؟

الجواب:-

شرکت کا مطلب یہ ہے کہ ہر "جزو میں شرکت ہوتی ہے" تقسیم کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ ہر شریک کا جو حصہ دوسرے شریک کے مال میں تھا، اس کو شریک کے حصے سے بدل رہا ہے جو اس کے مال میں ہے۔ مثلاً دس سیر گیہوں دو آدمیوں نے شراکت میں خریدے تو اس میں ایک شریک کے گیہوں میں آدھے دوسرے کے ہیں وہ اپنے ان آدھے گیہوں کو ان آدھے گیہوں سے بدل رہا ہے جو اس کے پاس دوسرے شریک کے ہیں۔ اور ناپ، تول کر بکنے والی چیزوں میں جب ہم جنس سے تبادلہ کیا جائے گا تو برابر رکھنا ضروری ہے کمی زیادتی سود ہے اور سود حرام ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت احادیث اس مضمون کی ہیں۔ لہٰذا شرکت کی چیز کو اگر کم یا زیادہ کر کے تقسیم کیا جائے تو حرام ہے اس لئے کہ وہ تبادلہ ہے اور جس طرح سود حرام ہے اسی طرح شبہ سود بھی حرام ہے۔ مثلاً گیہوں کا ایک ڈھیر دوسرے ڈھیرے سے بدلہ جائے اور وزن نہ کیا جائے تو کم یا زیادہ ہونے کا شبہ ہونے کی وجہ سے اس ڈھیر کا بدلنا بھی حرام ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قربانی کا جانور سب شرکاء میں مشترک ہے اور اس کا گوشت بھی مشترک ہے۔ تقسیم کرتے وقت کم یا زیادہ لیں تو گوشت کو گوشت سے بدلنا ہے اور اس میں زیادتی حرام ہے۔ اور اگر اندازے سے تقسیم کریں اور وزن نہ کریں تو کمی یا زیادتی کا شبہ ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔ تول کر برابر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ سوال میں جو اختیار دینے کے بارے میں لکھا ہے، یہ صورت جائز نہیں۔ ہاں اگر سب حصہ دار ایک شریک کو سچے دل سے مالک بنا دیں وہ جس کو چاہے گوشت دے اور جس کو چاہے نہ دے اور اس کے نہ دینے سے کوئی شریک ناراض بھی نہ ہوگا تو جواز کی صورت ہو سکتی ہے اسے تقسیم کرنے کے لئے وزن کرنا ضروری نہ

ہوگا۔ قربانی کا جانور خریدنے کے لئے یا قربانی کرنے کے لئے کسی کو وکیل مقرر کریں اور وہ قربانی کر دے تو یہ جائز ہے حصے داروں کا قربانی کرتے وقت جانور کے پاس ہونا مستحب ہے۔ اگر وہاں نہ ہوں گے قربانی جب بھی جائز ہو جائے گی۔

گائے کی قربانی میں سات سے کم شرکاء کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

اس مسئلے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ:

تین اشخاص یعنی زید، خالد اور عمر نے مل کر گائے کی قربانی کا فیصلہ کیا۔ اور اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ زید ایک حصہ اور باقی دونوں اصحاب دو دو حصے لیں گے۔ اس طرح کل پانچ حصے ہوں گے قربانی کے گوشت کے برابر سات حصے کیے گئے اور پانچ حصوں کے بعد دو حصوں کا گوشت بھی دوسرے حصوں میں ملا دیا گیا اب اس سلسلے میں عرض خدمت ہے کہ:

گائے کی قربانی میں کیا سات حصہ داروں کا ہونا ضروری ہے یا کہ قربانی تین یا پانچ اشخاص مل کر بھی کر سکتے ہیں نیز گائے کی قربانی میں شرکاء کا طاق عدد میں ہونا ضروری یا کہ جفت میں بھی کر سکتے ہیں؟

الجواب:-

قربانی کی شرط یہ ہے کہ بکری، بھیڑ وغیرہ صرف ایک آدمی کر سکتا ہے جبکہ گائے اور اونٹ وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور سات سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ مثلاً چار آدمی شریک ہوں، ان میں سے ایک آدمی یہ کہے کہ آٹھواں حصہ میرا ہے باقی تم تینوں کا اس صورت میں سب کی قربانی باطل ہوگی یا سات ہی حصہ دار ہوں ان میں سے ایک یہ کہے کہ میں آٹھویں حصے میں شریک ہوں اور باقی سات حصے بقیہ چھ شریکوں کے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔

اور اگر سات سے کم شریک ہوں اور پوری گائے میں برابر حصے لے لیں مثلاً چھ آدمی ملکر ایک گائے چھ سو روپے میں خرید لیں اور ہر آدمی سو سو روپے دے۔ تو یہ جائز ہے۔ اس طرح دو آدمی آدھی آدھی گائے کی شرکت کر لیں یہ بھی جائز ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ کہا گیا تھا کہ پوری گائے کے پانچ حصے کیے جائیں گے ایک حصہ ایک آدمی کا ہوگا اور دو دو حصے باقی دو آدمیوں کے ہوں گے تو جائز ہے اور اگر ایسا تھا کہ گائے میں سات حصے ہوں گے ایک حصہ ایک آدمی کا دو دو حصے دو آدمیوں کے اس طرح پانچ حصے ہوئے اور باقی دو حصوں میں اگر ثواب کی نیت

سے کوئی بھی شریک ہوگا مثلاً عقیقہ یا صدقہ وغیرہ تو سب کی قربانی جائز ہوجائے گی اور اگر ثواب کی نیت نہ ہو۔ محض گوشت کھانے کی نیت ہو تو سب کی قربانی باطل ہو جائے گی۔

آپ لوگوں نے دو حصے گوشت سب حصوں میں ملا دیا اس کا مطلب بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری گائے کی قیمت بھی پانچ حصے کر کے اس طرح دی گئی ہوگی ایک حصے والے نے قیمت کا ایک حصہ اور دو دو حصوں والوں نے قیمت کے دو دو حصے دیئے ہوں گے تو سب کی قربانی جائز ہوگی۔

ایصال ثواب کی نیت سے ایک حصہ قربانی میں شرکت

الاستفتاء:-

ہمارے قول و قرار کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ ایک شریک صرف ایک حصہ لے گا اور باقی کے دو شرکاء دو دو حصہ لے کر پانچ کا اعداد پورا کریں گے کیا ہمارا یہ طریقہ شریعت کے مطابق درست ہے یا غلط؟

الجواب:-

قربانی کی شرط یہ ہے کہ بکری، بھیڑ وغیرہ صرف ایک آدمی کرسکتا ہے جبکہ گائے اور اونٹ وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اور سات سے کم بھی شریک ہوسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو مثلاً چار آدمی شریک ہوں، ان میں سے ایک آدمی یہ کہے کہ آٹھواں حصہ میرا ہے باقی تم تینوں کا اس صورت میں سب کی قربانی باطل ہوگی یا سات ہی حصہ دار ہوں ان میں سے ایک یہ کہے کہ میں آٹھویں حصے میں شریک ہوں اور باقی سات حصے بقیہ چھ شریکوں کے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔

اور اگر سات سے کم شریک ہوں اور پوری گائے میں برابر حصے لے لیں مثلاً چھ آدمی ملکر ایک گائے چھ سو روپے میں خرید لیں اور ہر آدمی سو سو روپے دیں تو یہ جائز ہے۔ اس طرح دو آدمی آدھی آدھی گائے کی شرکت کر لیں یہ بھی جائز ہے صورت افراد مسئولہ میں اگر یہ کہا گیا تھا کہ پوری گائے کے پانچ حصے کیے جائیں گے ایک حصہ ایک آدمی کا ہوگا اور دو دو حصے باقی دو آدمیوں کے ہوں گے تو جائز ہے اور اگر ایسا تھا کہ گائے میں سات حصے ہوں گے ایک حصہ ایک آدمی کا دو دو حصے دو آدمیوں کے اس طرح پانچ حصے ہوئے اور باقی دو حصوں میں اور اگر ثواب کی نیت سے کوئی بھی شریک ہوگا مثلاً عقیقہ یا صدقہ وغیرہ تو سب کی قربانی جائز ہو جائے گی اور اگر ثواب کی نیت نہ ہو محض گوشت کھانے کی نیت ہو تو سب کی قربانی باطل ہو جائے گی۔

آپ لوگوں نے دو حصے گوشت سب حصوں میں ملا دیا اس کا مطلب بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری گائے کی قیمت بھی پانچ حصے کر کے اس طرح دی گئی ہوگی ایک حصے والے نے قیمت کا ایک حصہ اور دو دو حصوں

والوں نے قیمت کے دو دو حصے دیئے ہوں گے تو سب کی قربانی جائز ہوگی ۔

بینک اور اسٹیٹ لائف کے ملازمین کے ساتھ قربانی میں شرکت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ :
بینک اور انشورنس کمپنی کے ملازمین کے ساتھ قربانی میں شرکت کرنا کیسا ہے ؟

سائل : عبد اللہ ، منظور کالونی ، کراچی

الجواب:-

ملازمت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں ۔ جب معصیت (گناہ) متعین کر کے ملازمت اختیار کی جائے تو اس صورت میں تنخواہ ناجائز ہوتی ہے ۔ اور اگر ملازمت مطلق تھی تو جب نا جائز کام کرے گا تو گناہ گار ہوگا مگر ملازمت جائز ہوگی ۔ لہذا جس صورت میں ملازمت نا جائز ہے اس کے ساتھ قربانی میں شرکت بھی نا جائز ہے ، اور جس صورت میں ملازمت جائز ہے ، اس میں اس کے ساتھ قربانی میں شرکت بھی جائز ہے ۔

مخلوط کمائی سے قربانی کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب !
جناب عالی عرض یہ ہے کہ :
بندہ ناچیز گزشتہ کئی روز سے سخت پریشان ہے ۔ پریشانی کی وجہ ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب کا فتویٰ ہے چونکہ میں حجام کے پیشہ سے وابستہ ہوں ۔ ہمارے امام صاحب کے کہنے کے مطابق حجام لوگ جو کمائی کرتے ہیں ، وہ حرام ہوتی ہے ۔ لہذا ان کے ساتھ قربانی جائز نہیں ۔ میں اس سے پہلے ہر سال قربانی کیا کرتا تھا ، لیکن امام صاحب کی اس وضاحت کی وجہ سے ،اس سال قربانی نہیں کر سکا ۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم اپنے ہر گاہک کی اجازت کے بغیر اس کا " شیو " نہیں بناتے ہیں وہ ہمیں کہتا ہے تو ہم یہ کام کرتے ہیں ۔ لہذا اگر ہم گناہ گار ہیں تو شیو کروانے والا بھی برابر کا مجرم ہے تو ہمارے امام صاحب کو " شیو " کروانے والے کو بھی قربانی سے منع کرنا چاہیے تھا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا ۔ جناب عالی آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی رو سے مسئلہ کا درست حل بتائیں تاکہ بندہ دن رات کی پریشانی سے بچ سکے ۔

سائل : بدر الزماں

الجواب:-

داڑھی منڈانا حرام ہے۔ اور حجام کا داڑھی مونڈنا بھی حرام ہے اور حرام کام کی اجرت بھی حرام ہے۔ مگر حجام بال بھی کاٹتا ہے اور بال کاٹنے کی اجرت حلال ہے تو حجام کی کمائی مخلوط مال ہے، مخلوط مال سے، اس وقت دنیا میں ہزاروں میں سے ایک آدمی بھی محفوظ نہیں ہوگا تو امام کے قول کے مطابق تو کسی کی قربانی بھی جائز نہیں ہوگی۔ لہٰذا امام کا قول صحیح نہیں ہے۔ مخلوط مال میں قربانی، زکوٰۃ اور دیگر تمام حقوق مالیہ واجب ہیں، ان کو ادا کرے گا۔

والدین زکوٰۃ لیں اور بیٹا قربانی کرے اسکا شرعی حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کیا وہ شخص قربانی کر سکتا ہے، جس کے والدین زکوٰۃ لیتے ہوں۔ حالانکہ وہ شخص اپنے والدین کو ہر مہینہ مبلغ آٹھ سو روپیہ ماہانہ منی آرڈر کرتا ہے اور اس شخص کے والد بھی دو تین سو روپے کما لیتے ہیں اور خاندان تین افراد پر مشتمل ہے۔

(۲) کیا اتنی آمدنی والے حضرات پر زکوٰۃ لینا جائز ہے، اس وقت میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں کہ والدین نے میری مرضی کے بغیر یہ کام کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے والدین کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور میرے والدین مجھ پر بھی ناراض نہ ہوں۔ لہٰذا آپ سے التماس ہے اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈال کر فدوی کو پریشانی سے نجات دلوائیں۔

الجواب:-

زکوٰۃ وہ شخص نہیں لے سکتا جو مالک نصاب ہو۔ اگر آپ کے والدین مالک نصاب ہیں تو زکوٰۃ نہیں لے سکتے اور اگر مالک نصاب اور سید نہیں اور حاجت مند ہیں تو زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ کسی بھی شخص کے لئے اس دن سے زکوٰۃ لینا حرام ہوجاتی ہے جو جس دن نصاب کا مالک ہوا تھا۔ اور جو لوگ جان بوجھ کر مالک نصاب کو زکوٰۃ دیں گے ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اب رہا قربانی کا معاملہ تو باپ کے احکام باپ کے ساتھ ہیں اور بیٹے کے احکام بیٹے کے ساتھ۔ لہٰذا جس بیٹے کے پاس اس دور میں تین ہزار روپے ہوں گے وہ صاحب نصاب ہے، اس پر زکوٰۃ بھی فرض ہے اور قربانی بھی۔ اور اگر باپ مالک نصاب نہیں تو اس پر قربانی واجب نہیں اور نہ ہی بیٹے پر یہ لازم ہے کہ وہ والدین کو اتنی رقم دے

کہ وہ قربانی کر سکیں۔

قربانی کے گوشت پر فاتحہ کرنا

الاستفتاء:-

قربانی کرنے کے بعد، کیا ہم گوشت کو پکا کر، اس پر اپنے والدین جو فوت ہو چکے ہیں، ان کے لئے فاتحہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:-

قربانی کرنے کے بعد گوشت قربانی کرنے والے کی ملکیت ہوتا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی غرباء میں اور ایک تہائی رشتہ داروں میں تقسیم کریں اور ایک تہائی خود اپنے لئے رکھیں۔ اگر سب گوشت پر بھی کسی کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ دلا دیں تو بھی جائز ہے۔

خصی جانور کی قربانی کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی معظمی جناب مفتی صاحب!

مسئلہ ذیل میں آپ کی رہنمائی کا متمنی ہوں کہ:

خصی جانور کی قربانی کیسا ہے؟ جانور کا خصی ہونا کیا عیب میں شمار ہوگا یا نہیں؟

سائل: حکیم محمد سعید خان

الجواب:-

قربانی کے جانور کے متعلق عیب سے پاک ہونا احادیث سے منصوص ہے۔ لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جانور قربانی کے طور پر ذبح فرمایا اس کے بارے میں ابو داؤد شریف میں حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث شریف مروی ہے:

قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین

(حصہ (۲) کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، صفحہ: ۳۰، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو مینڈھے سینگ

والے خوبصورت خصی (خصیے نکالے ہوئے) ذبح فرمائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیل، بکرے یا مینڈھے وغیرہ کا خصی ہونا عیب نہیں۔ اگر عیب ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی نہ کرتے۔ اس کے علاوہ عیب سے جانور کی قیمت کم ہو جاتی ہے مگر خصی بکرے کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔

چرم قربانی کا بیان

چرم قربانی کی قیمت مسجد میں لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

قربانی کی کھال بیچ کر حاصل شدہ رقم مسجد اور مصارف مسجد میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تفصیلاً جواب سے نوازیں۔

سائل: حافظ محمد اسماعیل، ضلع ساہیوال

الجواب:-

قربانی کی کھال کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔ ہر نیک کام میں خرچ کرسکتے ہیں مسجد کی ضروریات میں بھی خرچ کرنا جائز ہے۔ عام طور پر جو قربانی مالک نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے، اس کی کھال کے بارے میں ہمارے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بعینہٖ کھال کو اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے یا گوشت کی طرح کسی مالدار اور غریب سب کو دے سکتا ہے۔ لہذا کھال اگر فقیر کو دے دی اور فقیر اسے بیچ کر رقم خرچ کردے تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر مسجد کو دے دیں اور متولی فروخت کر کے قیمت مسجد پر خرچ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ صدقہ نافلہ ہے اور صدقات نافلہ مسجد میں خرچ کرنا جائز ہیں۔

لیکن اگر قربانی کرنے والا خود قربانی کی کھال کو فروخت کرتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت

یہ ہے کہ اس لیے فروخت کرے کہ اس کی قیمت کو اپنی ذات پر خرچ یا اپنے مال میں اضافہ کرنے کا قصد ہے، تو یہ صورت جائز نہیں بلکہ اس قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ اس کو صدقہ واجبہ کی طرح غیر سید غیر مالک نصاب غریب آدمی کو مالک بنا کر دینا ہوگا۔ مسجد وغیرہ اور دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس لیے فروخت کیا کہ ارادہ تو صدقہ کرنا ہے مگر چند لوگوں کو دینا مطلوب تھا یا جس کو دینا ہے وہ یہاں نہیں ہے اس لیے کھال بیچ کر اس کی قیمت کو محفوظ رکھے گا تو اس صورت میں قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا:

ولا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ و عیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد الاستھلاک ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق کذا فی التبیین

(جلد (۵) کتاب الاضحیۃ، الباب السادس، صفحہ: ۳۰۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کھال کو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لیے فروخت کرنا جائز نہیں اور مذہب صحیح کے مطابق گوشت کا حکم بھی کھال کی طرح ہے یہاں تک کہ اس کو ایسی چیز کے بدلے نہیں فروخت کرسکتے جس کو ہلاک کرکے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور اگر کھالوں کو اس غرض سے فروخت کیا کہ اس روپے کو صدقہ کردے گا تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح نیکی کا کام ہے۔

علامہ الشیخ زین الدین المعروف ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھا:

ولا یبیعہ بالدراھم ینفق الدراھم علی نفسہ و عیالہ المعنی فیہ ان لا یتصرف علی قصد التمول واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح فلا یبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد الاستھلاک ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق بالجلد واللحم

یعنی قیمتاً فروخت نہیں کرے گا تاکہ اس کو اپنی ذات اور اولاد پر خرچ کرے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک وہ نہیں صدقہ کرے گا اپنے مال میں اضافے کے ارادہ سے اور گوشت کا حکم کھال کی طرح ہے صحیح مذہب کے مطابق اور اس کھال کو کسی ایسی چیز سے فروخت نہیں کرسکتا جس کو ہلاک کرکے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اس کھال کو روپوں سے اس لیے فروخت کیا کہ وہ روپے صدقہ کردے گا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ بھی کھال اور گوشت صدقہ کرنے کی طرح نیکی کا کام ہے۔

بعینہ یہی عبارت فقہ کی مشہور ترین کتاب تبیین الحقائق میں بھی موجود ہے۔

اس کے علاوہ جس نے قربانی کی منت مانی یا کسی غریب غیر مالک نصاب نے بنیت قربانی جانور خریدا، ان دونوں صورتوں میں قربانی کی کھال اور گوشت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اپنے استعمال میں بھی نہیں لاسکتے اور نہ ہی مسجد اور دیگر رفاہی کاموں میں صرف کرسکتے ہیں۔ ایسی کھال ان ہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو زکوٰۃ اور صدقہ فطر لینے کے مستحق ہیں۔

پہلی صورت جو جواب میں ذکر ہوئی کہ جو قربانی مال و دولت کی وجہ سے مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے، اسکی

کھال مسجد میں دینے کو نا جائز کہنے والے بلا وجہ نا جائز کہتے ہیں ، وہ یہ بتائیں کہ قربانی عین جلد (کھال) کا صدقہ کرنا واجب ہے اس لیے مسجد میں نہیں دے سکتے ہیں یا یہ کہیں کہ مسجد میں صدقات نافلہ نہیں لگائے جاسکتے تو پھر مسجد میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں ، اس کا کیا حکم ہے ؟

چرم قربانی امام وخطیب کو دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ہماری مسجد کے امام و خطیب ، صاحب حیثیت یعنی مالک نصاب ہیں مگر محلہ کے کچھ لوگ یہ کہہ کر قربانی کی کھال دیتے ہیں کہ یہ ہمیں نماز پڑھاتے ہیں ، ان کا حق بنتا ہے ۔ اب آپ سے معلوم کرنا ہے آیا مذکور حیثیت کے امام وخطیب کو چرم قربانی دینا جائز ہے یا نہیں اور دینے والوں کی قربانی ہوگی یا نہیں ؟

برائے کرم قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں فتوی عنایت فرمائیں ۔

سائل : قاری کرم حسین طاہر

الجواب:-

امام جب مالدار ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ، تو اس کا سوال کرنا بہت برا اور منصب امامت کی تذلیل ہے ۔ قربانی کے گوشت اور چمڑے سب کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے ، جس طرح گوشت مالداروں کو دینا جائز ہے ای طرح چمڑا بھی مالدار کو ہدیتاً دے سکتے ہیں مگر مستحب یہ ہے کہ چمڑا کسی نیک کام میں لگایا جائے ۔

امام اگر غریب ہے یعنی زکوۃ لینے کا مستحق ہے تو اسے قربانی کی کھال دی جاسکتی ہے ۔ لیکن اس نیت سے کہ وہ نماز پڑھاتا ہے ، اس کے معاوضہ میں قربانی کی کھال دی جائے ، تو یہ نا جائز ہے اور قربانی بھی ناجائز ۔ کیونکہ قربانی کے کسی " جزو " کو کسی کام کے معاوضہ میں نہیں دیا جاسکتا ۔

فیس لینے والے مدارس کو چرم قربانی دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایسے مدارس کو قربانی کی کھالیں دینا ، جن میں بچوں سے تعلیم کی فیس لی جاتی ہو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد اقبال عبد العزیز ، ڈیفنس سوسائٹی ، کراچی

الجواب:-

قربانی کی کھال کا تصدق واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ ہر نیک کام میں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مدارس میں قربانی کی کھالوں کا دینا جائز ہے اگر بچوں کی فیس سے اخراجات پورے ہو جاتے ہوں تو ایسی صورت میں قربانی کی کھالیں جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فلاحی اداروں کو کھال دینے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ:

ایک ادارہ رفاہی کاموں کے لیے قائم کیا گیا، وہ قربانی کی کھالیں وصول کر کے، ان کی رقم سے دینی مدرسے کا قیام اور اس کے جملہ مصارف نیز ایک کالج اور ہسپتال بھی قائم کرنا ہے اور ان کے جملہ مصارف بھی پورے کرنے ہیں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح ہے؟

سائل: حاجی عبد الغفار، شہید ملت روڈ، کراچی

الجواب:-

قربانی کی کھالوں کی رقم سے کالج، دینی مدارس اور ہسپتال وغیرہ قائم کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن کسی کام کے معاوضے میں قربانی کی کھال یا اسکی رقم کو نہیں دیا جا سکتا۔

کھالوں کی رقم سے سیر و تفریح کرنا

الاستفتاء:-

جناب مفتی وقار الدین صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ہمارے محلے میں ایک مدرسہ قائم ہے جو کہ شام کے وقت چلتا ہے اور محلے کے بچے، اس مدرسے میں ناظرہ اور قرآن حفظ کرتے ہیں جیسا کہ عام محلوں میں مدرسے چلتے ہیں اور ہر سال مدرسہ انتظامیہ "عید الضحیٰ" کے موقع پر کھالیں وغیرہ جمع کرتی ہے۔ اور ان کھالوں کی رقم سے مدرسہ بھی چلتا ہے اور ہر سال بچوں کو ٹھٹھہ مزارات کی زیارت اور کلری جھیل سیر و تفریح کے لیے لے جایا جاتا ہے، جس میں کھانے کا انتظام سمیت تقریباً ۲۰۰۰ روپے خرچ ہوتے ہیں، جو کہ قربانی کی کھالوں کو بیچ کر حاصل کئے گئے ہوتے ہیں۔ سیر و

تفریح پر جانے والوں میں امیر والدین کے بچے اور مدرسین بھی شامل ہوتے ہیں اور جانے والوں میں کچھ خود بھی صاحب نصاب ہوتے ہیں۔
اب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ کیا چرم قربانی سے حاصل کردہ رقم سے سیر و تفریح کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل : سیف اللہ خان نیازی قادری

الجواب:-
مدرسے والے جو کھالیں وصول کرتے ہیں، ان کی قیمت ایسے کاموں میں خرچ کریں جو مدرسے کے متعلقات میں سے ہوں۔ کھال دینے والے اسی لئے انہیں کھال دیتے ہیں۔ لہٰذا سوال میں جو صورت مذکورہ ہے، اس میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

چرم قربانی "الخدمت" والوں کو دینے کا حکم

الاستفتاء:-
محترمی مفتی صاحب!
عرض یہ ہے کہ ہمارے چند "سنی" دوستوں نے اس سال قربانی کی کھالیں "الخدمت" یعنی جماعت اسلامی کو دی ہیں، کیا یہ جائز ہے اور ان لوگوں کی قربانی ہوگئی۔ اگر یہ جائز نہیں، تو ان لوگوں کو صرف کھالوں کی قیمت صدقہ کرنی چاہیے یا پوری قربانی کا صدقہ کریں؟ برائے کرم تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔
سائل : قاری محمد سلطان، نارتھ کراچی

الجواب:-
جماعت اسلامی # ! الخدمت " کے نام سے، جو رقم جمع کرتی ہے، اس میں سے بڑا حصہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ان طالب علموں کو دیتی ہے جو جماعت اسلامی کے ورکرز ہیں۔ لہٰذا ان کو قربانی کی کھال دینا جائز نہیں۔ جن سنی مسلمانوں نے اپنی قربانی کی کھال ان کو دی ہے، اس کی قیمت کا صدقہ کریں، قربانی کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کھال کی قیمت سے مدرس کو تنخواہ دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام مندرجہ ذیل صورت کے بارے میں کہ :

ہماری محلہ مسجد سے ملحقہ ایک دینی مدرسہ چل رہا ہے ، جس میں مقامی بچے زیر تعلیم ہیں ۔ کیا ان بچوں کو تعلیم دینے والے مدرسین کی تنخواہ کھالوں سے حاصل شدہ آمدنی سے دی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ برائے کرم جواب سے نوازیں ۔

سائل : یونس حاجی احمد سوریا

الجواب:-

قربانی کی کھال ہر نیک کام میں خرچ کی جاسکتی ہے ۔ اس میں مالک بنانا شرط نہیں ہے ۔ مگر کسی کام کے معاوضہ میں نہیں دی جاسکتی ۔ لہذا مدرسین کی تنخواہ بھی کھالوں کی قیمت سے نہیں دی جاسکتی ہے ۔

صدقہ کے ذبیحہ کی کھال کا مصرف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

صدقہ کا جو جانور ذبح کیا جاتا ہے ، اس کا گوشت وغیرہ غرباء و مساکین میں بطور طعام یا بطور حصہ تقسیم کیا جاتا ہے ۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسے جانور جو صدقہ کیا گیا اس کی کھال کا کیا حکم ہے اور کھال کن لوگوں کو دی جا سکتی ہے ؟

سائل : شادی خان

الجواب:-

صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے ۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی کام کے لیے " منّت " مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں فلاں چیز صدقہ کروں گا تو اس چیز کا ہر " جز " صدقہ کرنا واجب ہے ۔ اور وہ چیز صرف ان لوگوں کو دے گا جو زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں ۔ لہذا اگر منت کا جانور ہو تو اس کی کھال مصارف زکوٰۃ میں سے کسی مصرف میں دی جائے گی ۔

دوسرا صدقہ نافلہ ہے مثلاً بیمار کی صحت کے لیے اور کسی مشکل کی آسانی کے لیے بغیر منت مانے رضائے

الٰہی کے لیے کوئی جانور صدقہ کرنے کی نیت کرے تو یہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اور زکوٰۃ کی طرح اس میں " تملیک " (مالک بنانا) شرط نہیں۔ غرباء کو کھلا دینا بھی جائز ہے اور تقسیم کرنا بھی جائز ہے، اس کی کھال کا صدقہ کرنا مستحب ہے، کسی غریب کو دے دی جائے تو بہتر ہے۔ مالدار کو بھی دے سکتے ہیں مگر دینا صحیح نہیں کیونکہ مقصد تصدق کے خلاف ہے۔

عقیقے اور ولیمے کا کھانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

عقیقہ کرنے کے لئے جانور خریدا گیا، پھر اس جانور کے گوشت کو " دعوت ولیمہ " میں استعمال کر لیا، تو یہ عقیقہ صحیح ہوا یا نہیں؟

سائل: عبد الغنی

الجواب:-

عقیقہ بھی قربانی کی طرح ہے۔ اسکے گوشت کے تقسیم کرنے کا وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک حصہ غرباء، ایک رشتہ داروں اور ایک اپنے لئے۔ اگر کسی نے سب گوشت تقسیم کردیا تو یہ بھی درست ہے اور اگر سب گھر کے لئے رکھ لے یا احباب کی دعوت کرے تو یہ بھی درست ہے۔ لہٰذا اگر عقیقے کی گوشت سے دعوت ولیمہ کی گئی تو یہ جائز ہے۔

منت پورا کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت یہ ہے کہ میں بہت پریشان ہوں، مندرجہ ذیل سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

میرے والد صاحب! بیمار تھے۔ میں نے منت مانی اگر والد صاحب صحت یاب ہو جائیں تو میں ایک بکرا صدقہ کروں گا۔ اور یہی منت والد صاحب نے بھی مانی۔ والد صاحب صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے ایک بکرا صدقہ کر دیا۔ لیکن میں اپنی منت پوری نہ کر سکا۔ میں نے سوچا بعد میں کر دوں گا۔ مگر حالات خراب ہوتے گئے

اور میرے والد پھر بیمار پڑ گئے اور اسی بیماری میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)
اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اُس منت کا پورا کرنا مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟
سائل: محمد شمیم قریشی، کورنگی، کراچی

الجواب:-

(۱) قرآن کریم میں ہے:
ولیوفوا نذورھم
(سورۃ(۲۲)الحج، آیت:۲۹)

یعنی اپنی منتیں پوری کرو۔
لہذا صورت مسئولہ میں اس منت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ جب استطاعت ہو اسے جلد از جلد پورا کر دیجئے۔

منت کی رقم کا مصرف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ:
عامۃ المسلمین گیارہویں شریف کی "منت" مانتے ہیں اور مراد حاصل ہو جانے پر، اس منت کی رقم کا کھانا مسلمانوں کو بلا امتیاز غنی و فقیر کھلا دیتے ہیں۔ یہ معمول عرصہ دراز سے رائج ہے اور منت ماننے والا، جب یہ منت مانتا ہے تو اس کی ادائیگی کی یہی صورت اس کے ذہن میں ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس معمولہ صورت کو ترک کر کے گیارہویں شریف کی رقم سے دینی مدارس کے طلباء کے طعام کا انتظام کرنا یا اس سے دینی کتب چھپوا کر یا خرید کر غرباء میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟ اور فقہ حنفی کے مشہور قاعدہ "المعروف کالمشروط" کے پیش نظر اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے۔ جواب مدلل و مفصل دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔
سائل: الفقیر ابو الاکرم احمد حسین قائم الحیدری، سنسہ، ضلع کوٹلی، آزاد کشمیر

الجواب:-

اولیاء کرام کے ایصال ثواب کے لیے مسلمان جو منتیں مانتے ہیں، یہ نذر شرعی نہیں، اسی لیے ان کا وجوب بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ منت کے مطابق کام ہو جانے کی صورت میں فلاں بزرگ کی روح کے ایصال ثواب کے لیے میں یہ کروں گا، اس لیے اس منت کے احکام بھی "منت اللہ" کے نہیں ہوتے

۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے جو منت مانی جاتی ہے وہ صرف عبادت مقصودہ کی ہو سکتی ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے ۔ اور اگر کھانا کھلانے یا صدقہ کرنے کی منت ہے تو صرف غرباء کو کھانا کھلایا جائے گا اور انہیں پر صدقہ کیا جائے گا ۔

اولیاء کرام کے لیے جو منت ہوتی ہے اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے ۔ بلکہ حصول خیر و برکت کے لیے ایسی منتوں کا پورا کرنا مستحب ہے اور ایصال ثواب کے لیے کھانا مٹھائی وغیرہ پر فاتحہ دیکر غریب و امیر سب کو کھلانا جائز ہے ۔ اور کھانا کھلانے کی جگہ کسی نیک کام میں اس نیت سے خرچ کر دینا کہ اس کا ثواب ان بزرگ کی روح کو پہنچے ، جن کی منت مانی تھی ، یہ بھی جائز ہے ۔

کتاب الحظر و الاباحة

ممنوعات و مباحات کا بیان

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ:

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانا کیسا ہے؟ کچھ علماء اسپیکر پر نماز کی ادائیگی سے منع کرتے ہیں حالانکہ حرمین شریفین میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ہی نماز پڑھائی جاتی ہے۔ صحیح شرعی حکم واضح فرمائیں! احسان ہوگا۔

سائل: محمد طیب فاروق، سعود آباد، کراچی

الجواب:-

تمام اکابر اہلسنت، دیوبندی اور اہل حدیث سب کا متفقہ فتویٰ متعدد بار پہلے بھی شائع ہوچکا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء از روئے احکام شرع صحیح نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ حرمین میں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں یہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نماز کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر درس دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری مسجد کے پیش امام صاحب نماز فجر کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر اپنی پوری قوت گویائی سے تقریر کرتے ہیں ۔ حالانکہ مسجد میں چند ہی حضرات موجود ہوتے ہیں باقی زیادہ لوگ جماعت کے بعد آتے ہیں جو صحن مسجد میں اپنی نماز ادا کرتے ہیں ۔ لاؤڈ اسپیکر پر درس کی وجہ سے نہ صرف مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہے بلکہ قرب و جوار میں مستورات اپنے گھروں میں اس وقت تک نماز ادا نہیں کر سکتیں ، جب تک یہ درس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے ۔

ایک حدیث سننے میں آئی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند قرآن تلاوت فرما رہے تھے کہ جبریل وحی لائے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں قرآن آہستہ پڑھو تو معلوم کرنا ہے کہ اس حدیث کی صحت اور پیش امام صاحب کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے ۔

المستفتی: عبد الرشید

الجواب:-

آپ نے سوال کے آخر میں جو حدیث لکھی ، ایسی کوئی حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے ۔ امام کو نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے مائیک پر اس طرح تقریر کرنی چاہیے کہ جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑے ۔ مسجد کے اندر کے ہارن کھلے رکھیں اور باہر کے بند کر دیں ، جن کو سنانا ہے وہ سنیں ۔

امامت ، اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

امامت ، اذان اور تعلیم قرآن پر تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

متاخرین فقہاء نے اذان ، امامت اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے ۔ شیخ الاسلام برہان الدین

ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

وبعض مشایخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم

اور اس کے بعد "وعلیہ الفتویٰ" تحریر فرمایا۔

(ھدایہ اٰخرین، کتاب الاجارات، باب الاجارۃ الفاسدۃ، صفحہ: ۳۰۳، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی ہمارے بعض مشائخ نے اس دور میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز قرار دیا اور اس پر فتویٰ ہے۔
اسی بات کو صاحب ہدایہ کے بعد ہمارے تمام فقہاء نے اختیار کیا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

و یفتی الیوم بصحتھا لتعلیم القران و الفقہ و الامامۃ و الاذان

(بر حاشیہ شامی، جلد (۵) کتاب الاجارۃ، مطلب فی الستیجاد علی الفاعات، صفحہ: ۳۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اس دور میں تعلیم قرآن و فقہ اور امامت و اذان پر (حصول اجرت) کے صحیح ہونے کا ہی فتویٰ دیا جائیگا

در مختار کی اس عبارت پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں بہت سی کتابوں کا حوالہ دیا اور علامہ شامی کا اصول یہ ہے کہ وہ اس قول کو اختیار کرتے ہیں، جس پر فتویٰ دیا گیا۔ لہٰذا امام کو تنخواہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کمیٹی والے نذرانہ تو نہیں دے سکتے ہیں اس لیے کہ نذرانہ تو اس رقم کو کہتے ہیں جو بلا معاوضہ کسی کی خدمت میں پیش کی جائے اور کسی وقف یا عوامی ادارے کے منتظمین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قوم کی یا وقف کی آمدنی کو بلا معاوضہ کسی کو نذرانہ دیں۔ وظیفہ اور تنخواہ دونوں میں فرق نہیں ہے۔ لہٰذا وظیفہ بھی لکھ سکتے ہیں اور تنخواہ بھی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مقرر و واعظ کا طے کر کے نذرانہ لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ :

میلاد شریف، سیرت النبی یا دیگر جلسوں سے جو علماء خطاب کرتے ہیں، ان کا پہلے سے نذرانہ کے بارے میں طے کر لینا نیز بطور پیشگی کچھ رقم جمع کروا لینا از روئے شرع کیا حیثیت رکھتا ہے؟ مفصل جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب:-

اس بارے میں متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ " اجارہ علی الطاعۃ " نا جائز و حرام ہے ۔ ان کے نزدیک تعلیم قرآن اور اذان وغیرہ پر اجرت لینا ناجائز تھا ۔ متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح امامت اور قرآن پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے اسی طرح وعظ پر بھی اجرت لینا جائز ہے ۔ محتاط علماء متقدمین کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں اسی مسلک کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکام شریعت میں اختیار کیا اور ضرورت و حالات کے پیش نظر دوسرے مسلک کو اختیار کیا ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین نے فتاوی شامی میں لکھا :

وزادبعضهم الاذان والاقامة والوعظ

(کتاب الاجارۃ، مطلب فی الاستیجار علی الطاعات، جلد (۵) صفحہ: ۳۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی بعض فقہاء نے اذان و اقامت اور وعظ کو زیادہ کیا ہے ۔ یعنی ان چیزوں پر بھی اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے ۔

اس سے جواز تو معلوم ہوتا ہے ۔ مگر علماء کو اپنے وقار و عزت کو ملحوظ رکھنا چاہیے ۔ اس لیے ان کی شان کے مناسب نہیں ہے کہ وعظ پر اجرت طے کریں ۔ اگر جلسہ کروانے والے از خود کچھ پیش کر دیں تو اسے قبول کر لیں ۔

استنجاء خانہ کی چھت پر نماز پڑھنا

الاستفتاء:-

جناب عالی ! آپ سے سوال ہے کہ :

ہماری مسجد کی نچلی منزل میں دوکانیں ہیں ۔ اوپر والا حصہ نماز کے لیے استعمال ہو رہا ہے ۔ نمازی حضرات کی سہولت کے پیش نظر ایک دوکان میں باہر کی جانب استنجاء خانہ بنوانا ہے ۔ ارشاد فرمائیں کہ شرعی لحاظ سے ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں ؟ اور استنجاء خانے کی چھت پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

ابتدائی مرحلہ میں مسجد بناتے وقت جو حصہ دوکانوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا، یہ دکانیں مسجد نہ بنیں ۔ جس طرح دوکان میں کاروبار کیا جاتا ہے اسی طرح اس میں استنجاء خانہ بھی بنا سکتے ہیں اور اوپر مسجد ہونے میں اور نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ۔

استنجاء خانہ اور لیٹرین کا رخ قبلہ کی طرف ہونا

الاستفتاء :-

محترم جناب مفتی صاحب !

دار العلوم امجدیہ ، کراچی

میں آپکی خدمت میں ایک اہم مسئلہ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں مجھے امید ہے کہ آپ ہماری ضرور مدد فرمائیں گے ۔ مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ کورنگی نمبر ۱ ناصر کالونی میں جامع مسجد چشتیہ کی لیٹرین اور استنجاء خانہ قبلہ رخ بنائے گئے ہیں ، یعنی قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے ۔ لہٰذا برائے مہربانی ہمیں تحریری فتویٰ عنایت فرما دیں ۔ تاکہ مسجد کمیٹی کو پیش کر کے لیٹرین اور استنجاء خانہ کا رخ صحیح کروا سکیں ۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ کریم ، نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل آپکا سایہ ہم پر تادیر قائم و دائم رکھے ۔ آمین ثم آمین ۔

سائل سید آصف علی قادری ، ناصر کالونی ، کراچی

الجواب :-

بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کیا جائے اور نہ پیٹھ ۔ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے ۔ ترمذی شریف میں ہے :

عن ابی ایوب الانصاری قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها

(جلد (۱) ابواب الطهارة ، باب فی النهی عن استقبال القبلة بغائط او بول ، صفحہ : ۳ ، فاروقی کتب خانہ ، ملتان) یعنی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہُ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ، جب تم بول و براز اور رفع حاجت کی جگہ آؤ تو پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ ہو اور نہ پیٹھ ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ لیٹرین اور استنجاء خانے اس طرح بنائے جائیں کہ استنجاء اور رفع حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ ہوں ۔

مرد و عورت کا لاکٹ وغیرہ پہننا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ:

لاکٹ اور انگوٹھی، جس پر آیت الکرسی اور قرآنی آیات وغیرہ لکھی ہوئی ہوتی ہیں، مرد کے لیے پہننا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی خیال رہے کہ یہ آیات وغیرہ لوہے، پیتل اور تانبے وغیرہ سے بنائی گئی انگوٹھیوں پر لکھی ہوئی ہوتی ہیں؟

الجواب:-

ان دھاتوں کی بنی ہوئی کوئی چیز مرد کو پہننا جائز نہیں ہے۔ خواہ ان پر کچھ لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔ عورتیں صرف سونے، چاندی کی انگوٹھی اور دیگر زیورات پہن سکتی ہیں۔

مرد و عورت کیلئے جائز اور ناجائز دھاتیں!

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

مرد کے لئے کس دھات کی انگوٹھی پہننا جائز ہے؟ نیز مرد و عورت کون کونسی دھات استعمال نہیں کر سکتے؟ اور ممنوعہ دھات کی انگوٹھی یا زیورات پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز کرتے کے بٹن وغیرہ کون کون سی دھات کے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

الجواب:-

مرد کے لیے چاندی کی ایک انگوٹھی! ان شرائط کے ساتھ پہننا جائز ہے کہ:

وزن ساڑھے چار ماشے سے زیادہ نہ ہو، اس میں نگ ضرور ہو، نگ ایک ہی ہو۔ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے حرام ہے۔ اور دوسری دھاتوں کی مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ تحریمی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ولا یتختم الا بالفضۃ

یعنی مرد کے لئے چاندی کے علاوہ (کسی دھات) کی انگوٹھی جائز نہیں۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا:

و التختم بالحدید و الصفر و النحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء

(جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی لوہے، پیتل، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی پہننا مردوں اور عورتوں سب کیلئے مکروہ ہے۔

حدیث میں قانون یہ بیان فرمایا گیا ہے:

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء و المتشبھات من النساء بالرجال

(۲) کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء و المتشبھات بالرجال، صفحہ: ۸۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اپناتے ہیں اور ان عورتوں پہ جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

اس لیے مرد زیورات کی قسم کی کوئی چیز نہیں پہن سکتا۔ انگوٹھی کا استثنائی حکم حدیث میں آگیا تھا اس لیے وہ جائز ہو گئی۔ لیکن بغیر نگ کا حلقہ جسے چھلا کہتے ہیں، سوا زیور کے کچھ نہیں کہلاتا۔ لہٰذا وہ مرد کے لیے نا جائز ہے اور جب ایک سے زیادہ نگ انگوٹھی میں لگے ہوں تو وہ بھی اسی بناء پر نا جائز ہے کہ وہ بھی زیور ہے اور زینت کے لیے ہی پہنی جاتی ہے۔

بٹنوں میں اگر باہم ملانے والی زنجیر نہ ہو تو سونے اور چاندی سمیت دیگر دھات کے بنے ہوئے بٹن، مرد و عورت، دونوں کے لیے جائز ہیں۔

جو چیزیں مکروہ ہیں، ان کو پہن کر نماز پڑھنا اور پڑھانا، مکروہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

مفتی دار العلوم امجدیہ، کراچی

مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ کی راہنمائی مطلوب ہے کہ :

دھات کی چین والی گھڑی ہاتھ پر باندھ کر فرض و واجب یا سنت و نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی ۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں دلائل دے کر مسئلہ حل فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں ۔

سائل : مقبول علی ، بیراج کالونی ، سکھر

الجواب :-

گھڑی میں دھات کی چین مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے ۔ صرف سونے اور چاندی کی چین وغیرہ عورتوں کو استعمال کرنا جائز ہے ۔ ایسی گھڑی پہن کر نماز ادا کرنا خواہ فرض و سنن ہوں یا نوافل ، مکروہ تحریمی ہے ۔

تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ کی تصنیف " احکام شریعت " کا مطالعہ فرمائیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

گھڑی کی چین سے متعلق مختلف مدارس کے فتاویٰ

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

دھات کی چین والی گھڑی ہاتھ پر باندھ کر فرض و واجب یا سنت و نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ کیونکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی ۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں دلائل دے کر مسئلہ حل فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں ۔

سائل : مقبول علی ، بیراج کالونی ، سکھر

جن دار العلوم ! کو استفتاء بھیجا گیا ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری گیٹ ، لاہور ۔

(۲) دار العلوم حزب الاحناف ، لاہور ۔

(۳) جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم ، گوجرانوالہ ۔

(۴) دار العلوم احسن البرکات ، حیدر آباد ، سندھ ۔

(۵) دار العلوم امجدیہ ، کراچی ۔

(۶) دار العلوم غوثیہ رضویہ ، سکھر ۔

جن مدارس کو استفتاء ارسال کیا گیا ان میں سے صرف دار العلوم غوثیہ رضویہ ، سکھر والوں نے فتویٰ دیا کہ دھات کی چین والی گھڑی ہاتھ پر باندھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ۔

حسب ترتیب متذکرہ اداروں سے موصول ہونے والے جوابات درج ذیل ہیں :

جامعہ نظامیہ رضویہ ، لاہور

الجواب :-

ھو الموفق للصواب

مرد ! کے لیے چند ماشے کی ایک نگ والی انگوٹھی کے علاوہ ہر قسم کی دھات خواہ سونا ، چاندی ، لوہا ، تانبہ یا پیتل وغیرہ کی انگوٹھی ، گھڑی کی چین یا قمیض کے بٹن وغیرہ ، ہر حال میں نا جائز ہیں ۔ نماز میں بھی ، نماز کے علاوہ بھی لیکن نماز میں تو بدرجہ اُولیٰ نا جائز ہیں ۔ علامہ شامی نے اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر آیا فرمایا "کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آتی ہے اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا فرمایا کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں " اس نے اسے بھی اتار دیا ۔ عرض کی کس چیز کی انگوٹھی پہنوں ؟ فرمایا : چاندی کی اور اس کو ایک مثقال (سات ماشے) پورا نہ کرو ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجیب : عبد اللطیف ، مفتی ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری گیٹ ، لاہور

حزب الاحناف ، لاہور

الجواب :-

دھات کی چین والی گھڑی باندھ کر نماز مکروہ ہوگی ۔ کیونکہ تانبے اور پیتل کا پہننا منع ہے ۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مالی اجدمنک ریح الاصنام

(سنن ابی داؤد، حصہ (۲) کتاب الخاتم، باب ماجاء فی خاتم الحدید، صفحہ: ۲۲۹، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی کیا ہے میرے لیے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں۔

پھر وہی شخص لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مالی اریٰ علیک حلیۃ اھل النار

(حدیث بالا)

یعنی کیا ہے میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں؟

تو اس نے عرض کی حضور کون سی دھات کی انگوٹھی پہنوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

چاندی کی۔

فقہاء نے فرمایا ہے کہ انگوٹھی مردانی ساخت کی ہو، صرف ایک نگ کی ہو، ساڑھے چار ماشے سے کم ہو، تو جائز ہے۔

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے احکام شریعت میں لکھا:

تانبہ، لوہا، پیتل کی انگوٹھی پہننا عورتوں کو بھی جائز نہیں۔ اگر مرد اثنائے نماز میں پہنے گا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ نماز پڑھتے وقت یا تو نمازی دھات کی چین والی گھڑی جیب میں ڈال لے ورنہ گھڑی کا پٹہ پلاسٹک کا ہونا چاہیے۔

احقر العباد، محمد رمضان، مفتی دار العلوم حزب الاحناف، لاہور

جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم، گوجرانوالہ

الجواب:-

تحقیق یہ ہے کہ مرد و عورت کے لئے دو دھاتوں کے علاوہ اور کسی دھات کا استعمال بطور زیور یا انگوٹھی جائز نہیں۔ ان دو دھاتوں میں سے مرد صرف چاندی کی ایک نگ والی انگوٹھی زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار ماشے تک کی پہن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ زیور کی شکل و صورت کی کوئی چیز چاندی کی بھی نہیں پہن سکتا۔ جبکہ عورت سونا چاندی کے جملہ زیورات وغیرہ استعمال کر سکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے، کہ ایک شخص رسول اللہ صلی علیہ و سلم کی بارگاہ میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آتی ہے؟ اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ اور دوسرے دن لوہے کی انگشتری پہن کر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ تم جہنمیوں کا لباس پہنے ہوئے ہو؟ اس نے اسے بھی پھینکا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی علیہ و سلم میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ آپ نے فرمایا: چاندی کی۔ اور ایک مثقال پورا نہ کرو (یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم

کی ہو۔

سنن ابی داؤد، حصہ ۲، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی خاتم الحدید، صفحہ ۲۲۹، مکتبہ حقانیہ، ملتان

مردوں کیلئے چاندی کے ماسواء دھاتی انگوٹھی پہننا نا جائز و مکروہ ہے۔ مجدد دین و ملت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے "احکام شریعت" میں اور "فتاوی رضویہ" میں وضاحت فرمائی ہے۔

اور یہی بات علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھی۔

التختم بالحدید و الصفر و النحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء

فتاوی شامی، جلد ۵، کتاب الحظر و الاباحۃ فصل فی اللبس

یعنی لوہے، پیتل، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی پہننا، مردوں اور عورتوں کیلئے مکروہ ہے۔

لہذا جو امام ایسی انگوٹھی پہنے ہوئے ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس کا لوٹانا واجب ہوگا۔

یہی حکم دھات کی چین والی گھڑی کا ہے۔

واللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم

فقیر محمد رضاء المصطفیٰ ظریف القادری، جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم، گوجرانوالہ

دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد

الجواب

ھو الموفق للحق والصواب۔ نماز فرض، واجب، سنت، نفل اور تراویح سب کا حکم ایک ہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پڑھنا لازم ہے۔

گھڑی کی چین دراصل زیور کے حکم میں ہے۔ اور چین خواہ سونے چاندی کی ہو یا کسی اور دھات کی، مرد کے لیے تو اس کو گلے میں پہننا، کاج میں لٹکانا یا کلائی پر باندھنا منع ہے۔ صاحب در مختار نے عورت کے لئے سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات پہننا نا جائز اور منع لکھا ہے۔

عوام کا یہ اختراعی خیال ممانعت شرعی کو دور نہیں کرسکتا کہ اگر جائز چیز کو چھوڑ کر نا جائز چیز کو دوا کے لئے استعمال کریں تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ وہاں ہے کہ اس نا جائز کے سوا دوا نہ ملے اور یہ بات طبیب حاذق، مسلمان، غیر فاسق کے کہنے سے معلوم ہو جبکہ چین والے مسئلے میں دونوں ہی باتیں یعنی ایک تو یہ کہ چین زیور ہے اور دوسرا لا-یجوز دھات سے بنی ہوتی ہے، محقق و ثابت ہیں

علامہ شامی فرماتے ہیں

التختم و الصفر و النحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء

(فتاوی شامی، جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

واللہ تعالیٰ اعلم

ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی

دارالعلوم احسن البرکات، حیدر آباد

جامعہ غوثیہ رضویہ سکھر

الجواب:-

چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا مطلقاً و بلا کراہت جائز ہے۔

قال اللہ تعالی ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔

(سورۃ (۲) بقرۃ، آیت: ۲۹)

یعنی وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

و الحدید داخل فی العموم الذی فھم من "ما" فاستعمالہ جائز الا ما استثنی الشرع کالخاتم و غیرہ

یعنی لوہا (اسٹیل) اس آیت کے کلمہ ما کے عموم میں داخل نہیں۔ لہذا اس (گھڑی کی چین) کا استعمال جائز ہے سوائے ان اشیاء کے جن کا شریعت نے استثناء کیا ہے۔

و اللہ تعالیٰ اعلم

محمد ابراہیم فیضی

خادم دارالافتاء

جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر

الجواب صحیح۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

فقیر ابوالخیر محمد حسین قادری رضوی مصطفوی مہتمم: جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر

گھڑی کی چین کے جواز اور عدم جواز سے متعلق تفصیلی جوابات

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ :

دھات کی چین والی گھڑی باندھ کر نماز درست ہے یا نہیں ؟ قبل ازیں بھی یہی استفتاء پاکستان بھر کے چوٹی کے دینی مدارس کو روانہ کیا گیا تھا مگر مختلف بلکہ متضاد موقف سامنے آیا۔ مثلاً آپ (مفتی مدرسہ غوثیہ رضویہ سکھر) نے فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا مطلقاً بلا کراہت جائز ہے۔ جبکہ دیگر مدارس نے نا جائز، مکروہ یا حرام بتایا ہے۔

لہٰذا میں آپ کے فتویٰ سمیت تمام فتاویٰ کی نقول آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اور آپ سے درخواست ہے کہ آپ یا تو اپنے فتویٰ سے رجوع کریں یا قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مکمل جواب مرحمت فرمائیں تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے واضح ہو جائے۔

سائل: مقبول علی، بیراج کالونی، سکھر

جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر کا تفصیلی جواب:

الجواب:-

ہاتھ پر چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ جب تک کسی امر کے نا جائز ہونے پر دلیل شرعی قائم نہ ہو، اسے نا جائز نہیں کہا جا سکتا۔ چین والی گھڑی کے استعمال سے چونکہ شرع مطہرہ نے منع نہیں کیا، لہٰذا اس کا استعمال ممنوع نہیں۔

جن مدارس کے فتاویٰ کی نقول آپ نے ارسال کیں، ان میں کام کی کوئی ایک دلیل بھی موجود نہیں۔ بلکہ ان میں اکثر فتاویٰ اغلاط کثیرہ سے مملوء (بھرے ہوئے) ہیں۔ تقریباً تمام فتاویٰ میں ایک ہی دلیل پر زور دیا گیا ہے کہ چونکہ لوہے کی انگوٹھی پہننا منع ہے۔ لہٰذا لوہے کی چین بھی پہننا منع ہے۔ یہ دلیل اس لیے باطل ہے کہ جس طرح سونے چاندی میں اصل حرمت ہے۔ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام:

هذان محرمان علی ذکور امتی حلال للاناثهم

(ھدایہ اخیرین، کتاب الکراھیۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۴۵۵، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال۔
شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا:

ان الاصل فیہ التحریم و الاباحۃ ضرورۃ

(اخیرین، کتاب الکراھیۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۴۵۷، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی سونے میں اصل حرمت ہے اور ضرورتاً جواز ہے۔
لہٰذا سونے چاندی سے بنی ہوئی ہر شے کا استعمال حرام ہوگا ماسوا ان اشیاء کے جن کا استثناء شریعت میں وارد ہوا ہے۔ اسی طرح لوہے، تانبے اور پیتل وغیرھم دھاتوں میں اصل اباحت و حلت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

(سورۃ (۲) بقرۃ، آیت: ۲۹)

ترجمہ: وہی ہے، جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔
دوسرے مقام پر ارشاد پاک ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(سورۃ (۵۷) الحدید، آیت: ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے لوہا اتارا اس میں سخت آنچ اور لوگوں کے فائدے۔
مزید برآں فقہاء کا یہ طے شدہ اور مسلمہ اصول ہے کہ:

ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

یعنی اشیاء میں اصل اباحت و حلت ہے۔
لہٰذا ان دھاتوں کی بنی ہوئی ہر شے جائز الاستعمال ہوگی ماسوا ان اشیاء کے، جن کے استعمال سے شرع مطہرہ نے منع کیا۔
چونکہ حدیث پاک میں ان دھاتوں کی انگوٹھی پہننے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا صرف انگوٹھی مستثنیٰ ہوئی۔ انگوٹھی کے علاوہ دوسری اشیاء جیسے چین، خود، زرہ وغیرہ جائز ثابت ہوئیں۔
جس دلیل سے اور جس طرز سے دیگر مفتیان کرام نے استدلال کیا ہے اس سے تو خود گھڑی کا استعمال بھی حرام قرار پارہا ہے۔
اب ہر فتوی کا علیحدہ علیحدہ حال ملاحظہ فرمائیں۔
جامعہ نظامیہ کے فتوی میں چھوٹی بڑی غلطیاں کافی ہیں۔ چند موٹی موٹی غلطیاں ملاحظہ ہوں:
پہلی تو یہ کہ سائل نے چین کا جواز و عدم جواز پوچھا اور جواب یہ دے رہے ہیں کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا

نا جائز ہے۔ جواب کا سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ اس کی پہلی سطر میں کہا گیا ہے کہ مرد کیلئے چند ماشے کی ایک نگ والی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ تو کیا تولہ دو تولہ چار تولہ کی انگوٹھی پہننا بھی جائز ہے؟ حالانکہ چار تولہ بھی تو چند ماشے ہی ہیں۔

تیسری یہ کہ اس فتوی میں مثقال کا وزن سات ماشے بتایا گیا ہے۔ اس میں دو غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ مثقال کا وزن سات ماشے بتایا۔ حالانکہ مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشے ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ساڑھے چھ ماشے یعنی ساڑھے چار ماشے سے لے کر سات ماشے سے کم وزن تک کی انگوٹھی کا استعمال جائز ہے۔ حالانکہ چاندی کی انگوٹھی کا استعمال صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس کا وزن ساڑھے چار ماشے سے کم ہو۔ دیگر شرائط فقہ میں مذکور ہیں۔

حزب الاحناف کے فتوی میں بھی بڑی بڑی تین لغزشیں ہیں۔ ایک تو بدیہی بطلان دلیل۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ انھوں نے لکھا کہ تانبہ، پیتل، لوہا پہننا منع ہے۔ حالانکہ اس کی مطلقاً نفی محض غلط ہے کہ تانبہ، پیتل اور لوہے کی خود، زرہ اور گھڑی پہننا جائز ہے۔

تیسری غلطی یہ ہے، انھوں نے لکھا "فقہاء نے فرمایا: انگوٹھی مردانی ساخت کی ہو، صرف ایک نگ کی ہو اور ساڑھے تین ماشے سے کم ہو۔ فقہاء نے یہ کہاں فرمایا کہ تین ساڑھے تین ماشے سے کم ہو فقہاء فرماتے ہیں کہ مثقال یا مثقال سے کم ہو اور ایک مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشے ہے نا کہ تین ماشے یا ساڑھے تین ماشے۔

سراج العلوم گوجرانوالہ کی غلطی کہ ان کے فتوی میں جواب و دلیل کا سوال سے کچھ تعلق نہیں۔

احسن البرکات حیدر آباد کے فتوی میں غلطی ایک تو "تختم بالحدید" کی کراہت پر دلیل۔ دوم چین کے عدم جواز کی وجہ اس کا زیور ہونا بتایا۔ سوم یہ کہ چین کی ممانعت پر شامی کا حوالہ دیا۔ یہ تینوں امور باطل ہیں۔ تختم بالحدید کے عدم جواز پر قیاس کا جواب اوپر گزرا ہے۔ رہا یہ امر کہ چین زیور ہے اس لیے اس کا استعمال نا جائز ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ اولاً چین زیور نہیں کہ زیور وہ ہے، جس سے مقصود محض تزئین و آرائش ہو۔ جیسے عورتوں کے ہار، بندے، چوڑیاں وغیرہ۔ بخلاف چین کے کہ اصل مقصود اس سے گھڑی کی حفاظت اور اس کا کلائی پر قائم رکھنا ہے۔ ثانیاً اگر زیور ہی ہو تو مردوں کے زیور مطلقاً کب ممنوع ہیں؟ بعض زیور تو مردوں کے لیے حلال ہیں۔ جیسے چاندی کی انگوٹھی اور پیٹی وغیرہ۔ کہ یہ سب مرد کیلئے زیور ہیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ولا یتحلی الرجل بذهب و فضة الا بخاتم و منطقة و حلیة سیف منها

یعنی مرد سونے اور چاندی کا زیور کسی طرح نہیں پہن سکتا۔ ما سواء چاندی کی انگوٹھی، کمربند اور تلوار کی آراستگی کے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں اس کی شرح یہ فرمائی:

ان تختم بالفضة قالوا ان قصد به التجبر یکرہ و ان قصد به التختم و نحوہ لا یکرہ لکن سیاتی ان ترک التختم لمن لا یحتاج الی الختم افضل فظاہرہ انہ لا یکرہ للزینة بلا تجبر

(فتاوی شامی، جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اگر کسی نے انگوٹھی پہنی تو اگر بغرض تکبر ہے تو فقہاء نے کہا ہے کہ مکروہ ہے۔ اور کسی نے محض انگوٹھی ایسے ہی کسی ارادہ سے پہنی تو مکروہ نہیں ۔ تاہم اس کا ذکر ہم آگے بھی کریں گے کہ جسے مہر لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس کیلئے انگوٹھی نہ پہننا بہتر ہے جبکہ بظاہر تکبر سے خالی زینت کیلئے بھی مکروہ نہیں ۔

آگے چل کر " فصل فی البیع " کے ضمن میں علامہ شامی رقمطراز ہیں :

اذ لیس کل حلی حراماً علی الرجال بدلیل حل الخاتم و العلم و الثوب المنسوج بالذهب اربعة اصابع و حلیة السیف و المنطقة

(فتاوی شامی، جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی البیع، صفحہ: ۲۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی جبکہ انگوٹھی ، علم ، چار انگشت کی مقدار تک کے سونے کے ساتھ بنے ہوئے کپڑے ، تلوار کے زیور اور کمربند کے جواز کی دلیل سے ثابت ہے کہ ہر زیور بھی مردوں پہ حرام نہیں ۔

رہا شامی کا حوالہ ۔ اس پر بحث سے پہلے فتوی کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے فرماتے ہیں :

" اور چین خواہ سونے چاندی کی ہو کسی اور دھات کی ، مرد کیلئے تو اس کو گلے میں پہننا ، کاج میں لٹکانا یا کلائی پر باندھنا منع ہے "۔

حالانکہ شامی میں راقم کے خیال کے مطابق اس مسئلے کا نام و نشان نہیں ۔ اگر واقعی یہ مسئلہ شامی میں مذکور ہے تو نشاندھی کی جائے ۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس تھیلی کا حکم بیان فرمایا جس کو ریشم کا ڈورا ڈال کر گلے میں ڈال کر بٹن میں لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ فرماتے ہیں یہ جائز ہے ۔ بہر حال گھڑی کے ریشمی ڈورے کے کاج میں لگانے کو علامہ شامی جائز لکھ رہے ہیں اور مولانا اپنے فتوی میں فرماتے ہیں کہ علامہ شامی اسے نا جائز کہہ رہے ہیں ۔

(شامی، جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دوسری غلط بیانی یہ کہ علامہ شامی نے ریشمی ڈورے کی بات کی اور یہ ان کی طرف دھات کی چین کو منسوب کر رہے ہیں ۔ الحاصل چین والی گھڑی باندھنا اور باندھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ۔ آخر جب فقہاء چاندی کی پیٹی باندھنے کو جائز کہتے ہیں تو لوہے کی چین کیونکر نا جائز ہوگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ابراہیم القادری رضوی

دار الافتاء جامعہ غوثیہ رضویہ ، سکھر

دار العلوم امجدیہ کا تفصیلی فتویٰ

تعارفی تمہید:-

مقبول علی، ساکن بیراج کالونی، سکھر ! نے دھات کی چین والی گھڑی ہاتھ میں باندھ کر نماز کے جواز اور عدم جواز کے متعلق استفسار کیا۔ اور متعدد دیار الافتاء کو اپنا سوال ارسال کیا، جن کا ذکر سائل کے پہلے سوال میں ہے۔

متذکرہ (ذکر کردہ) سوال کے جواب میں تمام فتاویٰ عدم جواز کے آئے ہیں صرف جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر والوں نے بلا کراہت جواز کا فتویٰ دیا اور دوسرے فتاویٰ کو غلط قرار دیا۔ سائل نے جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر سمیت تمام دیگر مدارس کے فتاویٰ، دار العلوم امجدیہ کو اس استفسار کے ساتھ دوبارہ ارسال کئے کہ:

چونکہ حاصل کردہ فتاویٰ میں تضاد تھا اس لئے میری الجھن اور ذہنی کوفت مزید بڑھ گئی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ میں نے جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر! کو آپ کا فتویٰ اور دیگر مدارس سے حاصل کردہ فتاویٰ اور خود ان کے اپنے فتویٰ کی نقول ارسال کیں۔ اور ان سے گزارش کی کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں نظر ثانی کریں۔ یعنی یا تو اپنے فتویٰ سے رجوع کریں یا شریعت کے ٹھوس دلائل سے اپنے موقف کی وضاحت کریں۔

اس کے جواب میں انھوں نے چند صفحات پر مشتمل مدلل و مفصل فتویٰ دیا کہ چین والی گھڑی ہاتھ پر باندھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے بلکہ تمام مدارس کے جوابات کا رد کر دیا اور اس کی وجوہات بھی لکھ دیں۔

لہٰذا میں تمام فتاویٰ کی نقول آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اور آپ سے درخواست ہے کہ آپ یا تو اپنے فتویٰ سے رجوع کریں یا قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مکمل جواب مرحمت فرمائیں تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے واضح ہو جائے۔

اس پر ہمارے دار الافتاء سے دوبارہ اور تفصیلی جواب دیا گیا۔ وھو ھذا (اور وہ یہ ہے):

الجواب:-

گھڑی کی چین کے متعلق مفتی ابراہیم صاحب، مفتی جامعہ غوثیہ، سکھر، کا لکھا ہوا فتویٰ زیر مطالعہ آیا۔ اس کے متعلق مختصر جواب تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکام شریعت میں صاف صاف لکھ دیا

ہے کہ گھڑی کی زنجیر سونے کی ہو یا چاندی کی، مرد کیلئے حرام اور دیگر دھاتوں کی ممنوع (مکروہ) ہے۔ اور جو چیزیں شرعاً ممنوع قرار دی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(حصہ (۲) صفحہ: ۱۰۱، مسئلہ نمبر: ۶۳، اہلسنت برقی پریس، مراد آباد)

گھڑی کی چین سے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق ہمارے لئے کافی ہے۔

ہمیں تعجب مفتی محمد حسین صاحب (مہتمم جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر) کی تصدیق پر ہے۔ حالانکہ مفتی محمد حسین صاحب بریلی شریف میں مفتی اعظم ھند کی صحبت میں رہے ہیں اور محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں تعلیم حاصل کی ہے۔ دونوں بزرگوں کا عمل مفتی صاحب نے بارہا دیکھا ہوگا کہ یہ حضرات چین والی گھڑی پہننے سے سختی سے منع کرتے تھے اور ایسی گھڑی اتروا دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے مدرسے کے مفتی صاحب کے لکھے ہوئے فتویٰ پر کیسے تصدیق کردی۔

مفتی ابراہیم صاحب! نے اپنے فتویٰ میں قرآن کریم کی آیات درج کی اور اس سے چین کے بارے میں استدلال کیا۔ اولاً تو انہوں نے مفتی کے منصب اور فتویٰ لکھنے کے اصول پر عمل نہیں کیا۔ مفتی پر لازم ہے کہ وہ فقہ کی کتابوں سے عبارات نقل کرے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے الرد المحتار فی شرح الدر المختار میں لکھا:

وقد استقر رای الاصولیین علی ان المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کالامام علی وجه الحکایة

(جلد (۱) مقدمہ، مطلب رسم المفتی، صفحہ: ۵۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اصولیین کے نزدیک طے ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہے اور جو خود مجتہد نہیں، کسی مجتہد کے اقوال یاد کئے ہوئے ہے تو وہ مفتی نہیں۔ اس پر لازم ہے کہ جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ مجتہد، جیسا کہ امام اعظم ہیں، کا قول بطور حکایت بیان کرے۔

مفتی صاحب نے، جن آیات سے استدلال کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں آیات میں عموم کے ساتھ "جمیع ما فی الارض" (جو کچھ زمین میں ہے) کو انسان کیلئے پیدا کرنے اور ان میں علی العموم لوگوں کیلئے منافع کا تذکرہ ہے۔ چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ لہذا ان دھاتوں کی بنی ہوئی ہر چیز جائز الاستعمال ہوگی۔ سوائے ان چیزوں کے جن کے استعمال سے شرع مطہرہ نے منع کیا ہے۔ چونکہ حدیث پاک میں ان دھاتوں کی انگوٹھی پہننے کو حرام ٹھہرایا گیا، لہذا صرف انگوٹھی مستثنیٰ ہوئی اور انگوٹھی کے علاوہ اشیاء جیسے چین، گھڑی، خود، زرہ وغیرہ جائز ہوئیں۔

غالباً مفتی صاحب کے علم میں یہ ہوگا کہ قرآن کریم کے عموم میں تخصیص کیلئے خبر واحد کافی نہیں۔ صرف قرآنی آیت یا حدیث متواتر و مشہور سے ہی تخصیص ہو سکتی ہے۔ مفتی صاحب کو مخصص صرف انگوٹھی کے بارے میں

ملا اور وہ بھی خبر واحد ۔ جو مخصص بننے کے لائق نہیں ۔ گویا ان کے نزدیک اس عموم کی باعث لوہے کے تمام زیورات ، بیڑی ، ہتھکڑی اور گلے میں طوق وغیرہ سب مردوں کیلئے جائز ہیں ۔ اس لیے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے ۔ ان چیزوں کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں آئی ہے لہذا سب کا جواز مفتی صاحب کے فتوی سے ثابت ہے یا وہ قرآن کی آیت یا حدیث مشہور و متواتر اس کی مخصص دکھائیں ۔

اس کے علاوہ "مافی الارض" کے عموم میں تو کھانے ، پینے اور پہننے وغیرہ کی سب صورتیں جائز ہوں گی ۔ اس لیے کہ اس (مافی الارض) کی تخصیص قرآن کریم میں تو صرف خنزیر ، مردار ، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور ، اور بہنے والے خون تک محدود ہے ۔ ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی حرمت میں اکثر احادیث خبر واحد کے مرتبہ میں اور بعض مشہور مل سکیں گی ۔ اسی طرح لباس میں کوئی تخصیص یا کوئی ایسا مخصص مفتی صاحب نہیں دکھا سکیں گے ، جو قرآن کے عموم میں تخصیص کر سکے ۔

لہذا "مافی الارض" میں جب ہر چیز داخل ہے تو ہندوؤں کا جنیو ، زنار پہننا ، قشقہ لگانا ، سکھوں کا کڑا پہننا ، سر پر بالوں کا جوڑا رکھنا اور اس میں کنگھا لگانا ، عیسائیوں کی طرح صلیب لگانا وغیرہ وہ تمام امور جن کو ہمارے فقہاء و متکلمین نے کفریات میں شمار کیا ، سب جائز ہو جائیں گے ۔ بلکہ ان آیتوں سے مفتی صاحب کی طرح استدلال کرنے کے بعد فقہ کی کتب سے وہ تمام ابواب نکال دیئے جانے چاہئیں ، جن میں محرمات و مکروہات کا بیان ہے ۔ اس لیے کہ " جمیع مافی الارض " کے مباح ہونے کے بعد ہر حرام و مکروہ کے لیے ایسا مخصص ، جو شریعت میں معتبر ہو ، مفتی صاحب نہیں دکھا سکیں گے ۔

اس کے علاوہ مفتی صاحب اپنے فتوی میں لکھتے ہیں کہ :

" اگر زیور بھی ہو تو مردوں کے لیے مطلقاً زیور کب ممنوع ہے ؟ بعض زیور مردوں کے لیے حلال ہیں ۔ جیسے چاندی کی انگوٹھی اور پیٹی وغیرہ ۔ کہ یہ سب مرد کے لیے زیور ہیں ۔ در مختار میں ہے :

ولا یتحلی الرجل بذھب و فضۃ مطلقاً الا بخاتم و منطقۃ و حلیۃ سیف منھا

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحۃ ، فصل فی اللبس ، صفحہ : ۲۵۳ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی مرد سونے اور چاندی کا زیور نہیں پہن سکتا ۔ ماسواء چاندی کی انگوٹھی ، کمربند اور تلوار کے زیور کے "

اس عبارت کو نقل کرنے سے مفتی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح چاندی کے یہ زیورات مرد کے لیے جائز ہیں اسی طرح گھڑی کی چاندی کی چین بھی جائز ہے ۔

لیکن مفتی صاحب کی نظر در مختار کی اس عبارت پر تو پڑی لیکن اس عبارت پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ کے قول کو نہ دیکھ پائے ، جس میں وہ فرماتے ہیں :

یحال کون کل من الخاتم و المنطقۃ و الحلیۃ منھا ای الفضۃ لو ورد اثار اقتضت رخصۃ منھا فی ھذہ الاشیاء خاصۃ

یعنی اس صورت میں کہ انگوٹھی، کمربند اور (تلوار) کے زیور کا چاندی کا ہونا اس کا ثبوت آثار سے ہے اور (آثار) صرف ان ہی چیزوں کے لئے وارد ہیں۔

اس عبارت سے صراحتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت صرف ان تین چیزوں کے ساتھ مختص ہے۔ تو مفتی صاحب کا اس صراحت کے بعد بھی گھڑی کی چین کا جواز اس عبارت سے ثابت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہی مفتی صاحب اپنے فتویٰ میں یہ عبارت لکھ چکے ہیں کہ سونے چاندی میں اصل حرمت ہے اور تائید میں انھوں نے حدیث بھی لکھی جو کہ ہدایہ میں ہے:

"لقوله علیه الصلوٰة و السلام هذان محرمان علی ذکور امتی حلال لاناثهم

لہذا سونے چاندی سے بنی ہوئی ہر شے کا استعمال حرام ہوگا ما سوا ان اشیاء کے، جن کا استثناء شریعت میں وارد ہوا"۔

حالانکہ اس حدیث میں چاندی کا ذکر نہیں۔

انہوں نے ہدایہ سے حدیث نقل کی اور ہدایہ میں اس حدیث کے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں، جو ان کو نقل کرنے تھے مگر چھوڑ دیئے۔ جبکہ پوری حدیث اس طرح ہے:

ان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم خرج و باحدی یدیه حریر و بالاخری ذهب و قال هذان محرمان علی ذکور امتی حلال لاناثهم

(اخیرین، کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس، صفحہ: ۴۵۵، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم تھا اور دوسرے میں سونا۔ فرمایا یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال۔

حدیث میں تو ریشم اور سونے کا ذکر ہے جبکہ مفتی صاحب نے بد دیانتی کرتے ہوئے چاندی اور سونا بتا کر حدیث سے چاندی کی بھی حرمت ثابت کی۔ یہاں تک تو مفتی صاحب کی تحقیق پر اجمالی گفتگو تھی۔

اب اصل مسئلے کا جواب سمجھنے کے لیے چند مقدمات کا سمجھنا ضروری ہے:

(۱) زیور صرف عورتوں کے لیے جائز ہے۔ مرد کو کسی قسم کا زیور پہننا جائز نہیں۔ صرف چاندی کی ایک انگوٹھی چند شرائط کے ساتھ مرد کے لیے جائز ہے۔ قرآن کریم میں عورت کی صفات میں بیان فرمایا:

اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ

(سورۃ (۴۳) الزخرف، آیت: ۱۸)

اور کیا وہ جو گہنے میں پروان چڑھے؟

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

دلت الایة علی ان التحلی مباح للنساء و انہ حرام للرجال

یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ زیور عورتوں کے لئے جائز ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔

اسی آیت کے تحت تفسیر مدارک میں ہے:

وفیہ انہ جعل النشاة فی الزینة من المعائب فعلی الرجل ان یجتنب ذالک و یتزن بلباس التقوی

اور یہ کہ زینت میں پروان چڑھنا عیوب سے جانے پس مرد پر لازم ہے کہ اس سے بچے اور لباس تقوی سے زینت حاصل کرے۔

زیورات کا استعمال دو طرح کا ہوتا ہے۔ بدن کے کسی حصہ پر لٹکا کر یا کسی عضو پر لپیٹ کر۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے محرمات (جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے) کے جن اعضاء کی طرف نظر کرنا جائز ہے، کی بحث میں اللہ تعالیٰ کے فرمان پاک:

ولا یبدین زینتھن (سورۃ (۲۴) النور، آیت: ۳۱) اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو۔ اس آیت کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ جن جگہوں میں زیورات پہنے جاتے ہیں، وہ کلائی، کان، گردن، سینہ، پنڈلی اور بازو ہیں۔

(ہدایہ آخرین، صفحہ: ۴۵۸، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

مرد کو عورتوں سے مشابہت اور عورتوں کو مرد سے مشابہت کرنا ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء و المتشبھات من النساء بالرجال

(بخاری، جلد (۲) کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء و المتشبھات بالرجال، صفحہ: ۸۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کرتی ہیں۔

سونے چاندی کے گلاس سے پانی پینا یا سلائی سے سرمہ لگانا وغیرہ مرد اور عورت دونوں کے لیے حرام ہے اس کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ناجائز ہیں۔ شامی میں ہے:

و التختم بالحدید و الصفر و النحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء

(جلد (۵) کتاب الحظر و الاباحة، فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۵۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی لوہے، پیتل، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی پہننا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مکروہ ہے۔

گھڑی کی چین جو کلائی پر لگائی جاتی ہے وہ عورتوں کے کنگن اور چوڑی وغیرہ کے مشابہ ہے اور عورتوں سے مشابہت ناجائز ہے۔ لہذا زیور میں بھی مردوں کے لیے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

ان التعلیق یشبہ اللبس فحرم لذالک لما علم ان الشبھة فی باب المحرمات ملحقة بالیقین

(جلد (۵) کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، صفحہ: ۲۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کسی چیز کو لٹکانا پہننے کے مشابہ ہے، پس اس لیے وہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ محرمات میں شبہ بھی یقین کے حکم میں ہوتا ہے۔

علامہ شامی نے مذکورہ عبارت کی چند سطور کے بعد تحریر کیا:

ممافیہ انتفاع بدون لبس او مایشبہ اللبس (حوالہ بالا)

یعنی (ریشم سے) ان صورتوں میں نفع اٹھانا جائز ہے، جس میں پہننا نہ ہو اور پہننے کی مشابہت بھی نہ ہو۔

لہذا گھڑی کی چین جب عورتوں کے زیور سے مشابہ ہے، تو مکروہ ہے۔ اور اس کو پہن کر جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی مکروہ ہوگی۔ اسی بناء پر چین کے مکروہ ہونے کا فتویٰ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا ہے اور اہل سنت وجماعت کے علماء یہی فتویٰ دیتے ہیں اور چین باندھنے سے احتراز کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد وقار الدین غفرلہ، مفتی دار العلوم امجدیہ، کراچی

احکام تصویر

الاستفتاء:-

علمائے کرام اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ:

خانہ کعبہ کا عکس، جو کہ کاغذ پر چھپا ہوا ہوتا ہے اور اس میں انسانوں کی تصاویر بھی چھپی ہوئی ہوتی ہیں، تو وہ عکس مساجد یا گھر میں آویزاں کرنا کیسا ہے؟

الجواب:-

تصویر بنانا بہر حال حرام ہے۔ وہ کعبہ میں ہو یا کہیں اور۔ اور تصویر کو اعزاز کے ساتھ رکھنا اور لٹکانا بھی حرام ہے۔ جہاں لٹکائی گئی یا اعزاز کے ساتھ رکھی ہو وہاں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ کعبہ کے جو نقشے بنے ہوئے آتے ہیں، ان میں یہ دیکھنا ہوگا کہ چہرہ، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ نظر آتے ہیں یا نہیں۔ اگر نظر آتے ہیں تو یہ تصویر ہے اور اگر چہرہ نظر نہیں آتا بلکہ پیٹھ کی جانب سے انسانی شبیہہ نظر آتی ہے تو یہ تصویر نہیں ہے۔

پھر جب چہرہ نظر آتا ہو تو یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ تصویر کتنی بڑی ہے۔ اگر زمین پر رکھ دی جائے اور کھڑا ہوا آدمی اسے دیکھے اگر آنکھ، ناک اور کان اسے نظر آتے ہیں، تو اس تصویر کو لٹکانا ناجائز ہے۔ اور جہاں رکھی ہو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر اتنی چھوٹی ہے کہ کھڑے ہوئے آدمی کو ناک، کان اور آنکھ نظر نہیں آتے تو اس پر تصویر کے احکام نہیں لاگو ہوں گے۔ مگر مسجدوں میں ایسی شبیہ بھی آویزاں کرنے سے گریز کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ٹی وی کی تصویر کے احکام

الاستفتاء:-

مکرمی و محترمی جناب مفتی وقار الدین صاحب! السلام علیکم

قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ:

"وی سی آر اور ٹیلیویژن فی نفسہ غلط نہیں بلکہ آج کل ان کا استعمال غلط ہے"۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "آج کل ٹی وی اور وی سی آر پر جو تصویر آتی ہے اس پر تصویر کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وی سی آر کی کیسٹ پر تصویر پرنٹ نہیں۔ بلکہ یہ روشنی کی شعاعیں ہوتی ہیں اور جدید ٹیکنیکل آلات کے ذریعے یہ روشنی کی شعاعیں ٹی وی کے اسکرین پر آتی ہیں تو تصویر بن جاتی ہے۔ اگر یہ سسٹم بند کیا جائے یا بجلی چلی جائے تو ٹی وی کے پردہ پر کچھ نہیں رہتا اور فوٹو وہ ہوتا ہے، جو کہیں نہ کہیں پرنٹ ہوتا ہے اور مستقل قائم رہتا ہے۔ جبکہ کیسٹ پر صرف لہریں ہوتی ہیں، جن کو وی سی آر ٹی وی کے اسکرین پر پھینک دیتا ہے"۔ میں بذات خود ٹی وی نہیں دیکھتا۔ لیکن ایام حج میں، جو حج پروگرام آتا ہے، کیا اس کا دیکھنا جائز ہے؟

سائل: حبیب اللہ، پی اے ایف بیس مسرور

الجواب:-

ٹی وی پر جو پروگرام دکھائے جاتے ہیں، پہلے ان کی فلم بنتی ہے۔ اور اس عمل میں تصویر بنانے کا وہی طریقہ استعمال ہوتا ہے، جو ہر تصویر بنانے کا ہے۔ اور اسی طرح کے کیمرے استعمال ہوتے ہیں۔ تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے اور احادیث میں اس کی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ٹی وی پر جب فلم دکھائی جاتی ہے تو اس وقت جو تصویر نظر آتی ہے وہ تصویر نہیں، عکس ہے۔ لیکن عورت کا عکس بھی دیکھنا جائز نہیں۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

اگر پانی کے کنارے پر کوئی عورت کھڑی ہو اور پانی میں اس کا عکس نظر آ رہا ہو، تو اس عکس کو بھی اجنبی مرد نہیں دیکھ سکتا۔

(جلد (۵) کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی النظر والمس، صفحہ: ۲۶۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہذا ٹی وی پر عورت کا عکس نظر آئے اور گانا بجانا ہو تو دیکھنا ناجائز ہے۔ مرد کی تصویر کا عکس ہو یا مرد کی آواز میں کوئی پروگرام دکھایا جارہا ہو تو دیکھنا جائز ہے۔ لہذا ٹی وی پر آپ حج کا پروگرام دیکھ سکتے ہیں۔

خشک چرند و پرند کی تصویر اور نماز کی ادائیگی

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

اگر کسی کمرے میں ہرن کا سوکھا ہوا سر یا کسی پرندے کو خشک کر کے دیوار پر لگایا ہوا ہو تو کیا اس کمرے میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور گھر میں جانوروں یا پرندوں کو خشک کر کے آرائش کے لیے رکھنا کیسا ہے؟

سائل: محمد افضل

الجواب:-

کسی جانور یا پرندے کے مرنے کے بعد اس کے جسم کو خشک کر کے کمروں میں رکھنا یا بطور آرائش دیواروں پر لگانا ناجائز ہے۔ جس کمرے میں ایسی چیزیں رکھی ہوں یا دیواروں پر لگی ہوں، اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور یہی حکم صرف چہرے اور سر کا بھی ہے۔

تصویر اور قرآنی خوانی

الاستفتاء:-

میرے ایک دوست کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے تقریبِ سوئم اپنے مکان میں کروائی اور جس کمرے میں قرآن خوانی کی گئی، اس میں فلمی ایکٹرز کی بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ کیا قرآن پڑھ کر اس کی روح کو جو ثواب پہنچایا گیا وہ درست ہے؟ اور ایسی جگہ پر قرآن خوانی ہونی چاہیے یا نہیں؟

الجواب:-

صحاح کی تمام کتابوں میں حدیث ہے کہ:

جس گھر میں جاندار کی تصویر عزت کے ساتھ رکھی ہو یا دیوار پر لگائی گئی ہو، اس گھر میں رحمت کے

فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ جبریل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس لیے حاضر نہ ہوئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کھڑکی پر ایک ایسے کپڑے کا پردہ لٹکایا تھا جس پر جاندار کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جب وہ پردہ اتار دیا گیا تو حاضر ہوئے۔

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب اللباس، باب لاتدخل الملئکۃ بیتاً فیہ صورۃ، صفحہ: ۸۸۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

قرآن خوانی نزول رحمت کے لیے کی جاتی ہے اور اگر ایسی جگہ کی جائے، جہاں رحمت کے فرشتوں کے لیے دروازے خود ہی بند کر دیئے جائیں تو یہ فعل عقل کے خلاف ہے اور آداب قرآن کے بھی خلاف ہے۔

بزرگانِ دین کی تصاویر بنانا

الاستفتاء:-

محترم المقام واجب الاحترام وارث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے باہر کچھ لوگ سر راہ اور دوکان پر بزرگان کرام کی تصاویر بیچتے ہیں، جن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت داتا گنج بخش، حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصاویر شامل ہیں۔ ایک تصویر محفل غوث پاک پر مشتمل ہے، جس پر بیان کردہ اولیاء عظام کی تصاویر کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر بھی ہے۔ لاکھوں حضرات نے دور حاضر میں شیخ الاسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ لوگ شہادت دیں گے کہ تصویر شیخ الاسلام کی صورت اور سیرت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ بلکہ تمام تصاویر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

یہ خیالی تصویریں ہیں اور ہر مصور نے اپنے خیال کے مطابق تصویر کو خیالی رنگ دے رکھا ہے۔ مؤدبانہ گزارش ہے کہ از راہ کرم قرآن شریف، حدیث پاک، فقہ حنفی اور بزرگان دین کے ارشادات کی روشنی میں جملہ مسلمانوں اور عقیدت مندوں کی راہ نمائی کے لیے ارشاد فرمائیں کہ کیا ان تصاویر کو بنانا، خرید و فروخت کرنا، دوکانوں پر رکھنا باعث برکت سمجھنا تعظیم کرنا جائز ہے؟ آیا بنانے والے اور خرید و فروخت کرنے والے ثواب کے مستحق ہیں؟ اگر قرآن و سنت کی رو سے یہ عمل گناہ کے زمرے میں آتا ہے، تو انہیں روکنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

از راہ کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:-

کسی جاندار کی تصویر بنانا یا اس کا بنوانا، تصویر کی تعظیم کرنا اور کسی تصویر کو باعث خیر و برکات سمجھنا، سب حرام ہے۔ احادیث میں تصویر سازوں کیلئے سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

ان اشد الناس عذاباً عند الله المصورون

(جلد (۲) کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیمٰۃ، صفحہ: ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی بے شک اللہ کے یہاں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

دنیا میں شرک کی ابتداء ہی تصویروں سے ہوئی۔ صحاح ستہ کی احادیث میں، اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بزرگوں سے مسلمانوں کو عقیدت ہوتی ہے اس کی بناء پر وہ بزرگوں کی تصویروں کی بھی عزت کریں گے یہ اور زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لیے تمام تصویروں کے مقابلے میں بزرگوں کی تصویر بنانے کا گناہ زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حکومت سے سخت احتجاج اور مطالبہ کریں کہ اس ناجائز کام کو بند کیا جائے۔

علمائے کرام کا تصاویر بنوانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے مفتیانِ عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

ازروئے شریعت اپنی تصویر بنوانا کیسا ہے؟ اگر کوئی عالم دین اپنی تصویر بنوائے تاکہ اس کی تشہیر ہو تو اس عالم کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے عالم کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں؟ نیز ایسے مبلغ اسلام کے بارے میں کیا حکم ہے جو اپنے گھر کی خواتین کے ساتھ نا تمام لباس پہن کر تصویر بنواتا ہے۔

سائل: صابر احمد، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھچوانا حرام ہے۔ کوئی عالم کھنچوائے یا غیر عالم، سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ تفصیل کے لئے درج بالا فتاوی کا مطالعہ کریں۔

مقدس مقامات کی تصاویر پر پاؤں رکھنے کا حکم

الاستفتاء :-

ایسے مصلے اور جائے نماز ، جن پر کعبہ شریف اور مقامات مقدسہ کی تصویریں ہوتی ہیں ، اگر ان تصاویر پر کسی کا پاؤں پڑ جائے تو کیا حکم ہے ؟ نیز ایسی جائے نمازوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

سائل : زاہد علی زیدی ، زکریا کالونی ، ملتان

الجواب :-

کعبہ کے اندر جانا اور نماز پڑھنا جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے ۔ جب اصل کعبہ کی زمین پر پاؤں رکھنا جائز ہے ، تو تصاویر کعبہ پر پاؤں رکھنے میں کوئی حرج نہیں ۔ ویسے بھی تصویر کا حکم اصل شے کے حکم سا نہیں ہوتا ۔ نقش و نگار والی جا نمازوں پر نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے کہ توجہ ان کی طرف رہے گی اور خشوع و خضوع میں فرق آئے گا ۔

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ :

جائے نماز یعنی مصلے پر جو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی علی صاحبہا افضل الصلوات و التسلیمات کی تصویریں ہوتی ہیں ، ان پر نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں ؟

نیز ایسے مصلے پر بیٹھنا یا پاؤں رکھنا کیا حکم رکھتا ہے اور ان تصاویر کی تعظیم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں ، نوازش ہوگی ۔

سائل : حکیم شاہ صابری ، جامع مسجد حنفیہ ، سکندر آباد

الجواب :-

تصاویر اصل شے کا حکم نہیں رکھتیں ۔ لہٰذا ایسی جائے نمازوں پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب دھیان نہ بٹے ۔ اور اگر ایسی تصاویر پر پاؤں وغیرہ پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ اور تصاویر کی تعظیم بے سود ہے ۔

کعبہ کے عکس کے ساتھ طواف کرنے والوں کی تصویر

الاستفتاء :-

جناب مفتی صاحب !

اورنگی ٹاؤن میں واقع مسجد عمر فاروق میں ایک طغری ہے، جس میں کعبہ شریف اور روضہ رسول کی شبیہ ہے۔ کعبہ شریف کا طواف کرنے والوں کی تصاویر بھی ہیں لیکن ان کا چہرہ صاف نظر نہیں آتا۔ ایسے طغری کی وجہ سے نماز میں کوئی کراہت واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: علیم الدین، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

اگر آنکھ، کان اور ناک کے ساتھ چہرہ نظر آتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر تصویر کے احکام نافذ ہوں گے۔ اس کی خرید و فروخت نا جائز اور اس کا مسجد میں لگانا بھی نا جائز ہے اور اگر چہرہ اور اعضاء نظر نہیں آتے، صرف دھڑ نظر آتا ہے تو اس کے احکام تصویر کے نہیں ہوتے ہیں۔

کن اشیاء کی تصاویر جائز ہیں؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

تمام جانداروں اور بے جان چیزوں میں کون کونسی چیزیں ہیں، جن کی کیمرے کی مدد سے تصویر کشی کی جا سکتی ہے؟ براہ کرم اس سوال کا جواب وضاحت کے ساتھ عطا فرمائیں۔

الجواب:-

موجودات تین قسم کے ہیں: نباتات، حیوانات اور جمادات۔ حیوانات میں سے کسی کی تصویر بنانا جائز نہیں ہے۔ جمادات میں سے، ان چیزوں کی تصویر جائز نہیں، جن کی پوجا کی جاتی ہے جیسے "بت" وغیرہ۔ اس کے علاوہ سب چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے۔

مسجد میں روضئہ مبارک کی شبیہہ لگانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسجد میں کعبہ شریف ، روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ، مسجد اقصیٰ ، روضہ حضرت خواجہ اجمیری یا روضہ غوث اعظم کی شبیہہ لگانی جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

تمام متاخرین فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسجد کو مزین (آراستہ) کرنا اور دیواروں پر نقش و نگار بنانا ، چند شرائط کے ساتھ ، جائز ہے ۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دیواروں پر اتنی اونچائی پر نقش و نگار بنائے جائیں کہ نمازی کو قیام ، رکوع اور سجدہ میں "خاشعین" کی سی نماز پڑھتے ہوئے نظر نہ آئیں ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حلال مال سے بنائے یا متولی اس کام کے لیے الگ چندہ کرے اور نقش و نگار بنائے ۔ وقف کے مال یا عام چندے سے جو مسجد کیلئے کیا گیا ، یہ کام متولی نہیں کر سکتا ہے ۔ جیسا کہ معتبر و متداول کتب فقہ میں مذکور ہے : ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

ولا یکرہ نقش المسجد بالجص و ماء الذھب ، کذا فی التبیین ، وھذا اذا فعل من مال نفسہ ، اما المتولی یفعل من مال الوقف ما یرجع الی احکام البناء دون ما یرجع الی النقش حتی لو فعل یضمن

(جلد (۱) کتاب الصلوۃ ، الباب السابع ، فصل کرہ غلق باب المسجد ، صفحہ: ۱۰۹ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اور مسجد میں چونے یا سونے کے پانی سے نقش بنانا مکروہ نہیں ۔ جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے ۔ اور یہ اس وقت ہے جب کوئی اپنے مال سے یہ کام کروائے ۔ رہا معاملہ متولی کا تو وہ وقف کے مال سے وہی کام کروائے گا جن کا تعلق تعمیر سے ہو ۔ یہاں تک کہ اگر اس نے (مال وقف یا عام چندے سے) نقش و نگار بنوائے تو ضمان دے گا ۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

ولا باس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلی

یعنی محراب کو چھوڑ کر باقی کو منقش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ محراب اس لئے نہیں کہ وہ نمازی کو متوجہ و غافل کر دیتا ہے ۔

چند سطور کے بعد صاحب در مختار مزید لکھتے ہیں :

وظاھرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ

(بر حاشیہ شامی ، جلد (۱) کتاب الصلوۃ ، باب ما یفسد الصلوۃ و ما یکرہ فیھا ، مطلب فی احکام المسجد ، صفحہ: ۴۸۶ ، ۸۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی بظاہر محراب سے مراد دیوار قبلہ ہے۔
جبکہ اسی کی ذیل میں علامہ شامی نے چھت کا بھی استثناء کیا ہے اور وہ اس لیے کہ وہاں نقش ونگار پر نمازی کی نظر نہیں پڑتی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا نقش نگار بنا سکتے ہیں۔ البتہ جاندار کی تصویر نہیں بنا سکتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

فوٹو گرافر کی کمائی کا حکم

الاستفتاء:-

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب!
دارالعلوم امجدیہ، کراچی
السلام علیکم
بعد سلام مسنون۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ ایک شخص فوٹو گرافی کا کام کرتا ہے۔ اس کی ذاتی دوکان ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے میرا اس کے گھر جانا ہوتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ موصوف کے گھر کھانے پینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس کی ساری کمائی فوٹو گرافی کی ہے۔ سائل اس بارے میں کافی پریشان ہے۔ جواب ارشاد فرمائیں آپ کا مشکور ہوں گا۔

الجواب:-

فوٹو گرافی ! گناہ کبیرہ ہے۔ حدیثوں میں تصویر بنانے والوں کے لئے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ بخاری میں ہے:

ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون

(جلد(۲) کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیمۃ، صفحہ: ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)
یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔
ایک اور حدیث میں فرمایا گیا:
جس نے دنیا میں تصویر بنائی قیامت کے دن اسے کہا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے لیکن وہ نہ ڈال سکے گا۔

(بخاری ، جلد (۲) کتاب اللباس ، باب من لعن المصور ، صفحہ : ۸۸۱ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

معصیت پر اجرت بھی معصیت ہوتی ہے ۔ لہذا جس طرح تصویر بنانا حرام ہے ، اس کی مزدوری لینا بھی حرام ہے ۔ جس کی کمائی صرف تصویر بنانے سے حاصل ہو اس کی کوئی بھی چیز کھانا پینا جائز نہیں ہے اور اس سے دوستی و محبت بھی ناجائز ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

وڈیو کیسٹ تیار کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب ! دار العلوم امجدیہ ، کراچی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

بعد سلام عرض ہے کہ ہماری جماعت جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ بڑے ذوق و شوق اور جوش و خروش سے بڑے پیمانے پر منعقد کرتی ہے ۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس جلسے کی وڈیو کیسٹ بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد ابراہیم ، محمد موسیٰ

الجواب:-

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے ، جلوس اور اس جیسی دیگر دینی مجالس و محافل کی وڈیو فلمیں بنانا بھی ناجائز ہے ۔

ٹی وی پر گانا سننا اور دیکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ :

آج کل گھر گھر ٹی وی ، وی سی آر اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ موجود ہیں ۔ کیا قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا دیکھنا اور سننا جائز ہے ؟

اگر لوگوں کو اس برائی سے روکا جائے تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو تفریح ہے اور دیکھنے اور سننے میں کچھ حرج نہیں۔ ان کا اس طرح کہنا کیا ٹھیک ہے؟

اور اگر کوئی شخص ٹی وی وغیرہ دیکھتا ہے جبکہ اس پر ناچ گانا اور نا محرم کا دیکھنا عام ہے، تو کیا اسکا یہ عمل جائز ہے یا ایسے شخص کو امامت سے روکا جائے گا۔

برائے کرم تمام مسائل کا مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد یامین القادری، انجمن محمدی ینگ فورس، ڈرگ کالونی، کراچی

الجواب:-

گانا بجانا، عورت کی تصویر اور عورت کی آواز، جس طرح ٹی وی کے بغیر دیکھنا اور سننا ناجائز ہے، اسی طرح ٹی وی پر دیکھنا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ مرد کی تصویر دیکھنا جبکہ لہو و لعب کے طور پر نہ ہو بلکہ خبریں سنانے یا کوئی معلوماتی پروگرام دکھایا جا رہا ہو، تو اس کا دیکھنا جائز ہے۔ جو شخص سر عام ٹی وی میں گانا باجا سنتا ہے، اس کی امامت مکروہ ہے۔

فوٹو گرافر اور داڑھی مونڈھنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

آج کل بہت سے فوٹو گرافی کا کام کرتے ہیں اسی طرح حجام سر کے بال کاٹنے کے ساتھ داڑھی بھی مونڈھتے ہیں۔ اور دوسرے بہت سے ناجائز کام لوگ کرتے ہیں، جن کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ان ناجائز کاموں کو کرنے والا اگر انھیں حلال اور جائز سمجھ کر کرتا ہے تو کیا اس کو کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ امید ہے مدلل جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

سائل: حافظ نور محمد

الجواب:-

محرمات قطعیہ! کو یعنی جن کی حرمت دلیلِ قطعی و یقینی سے ثابت ہے، انھیں حلال جاننے والا کافر ہوتا ہے۔ داڑھی مونڈھنے اور تصویر بنانے کی حرمت، اس مرتبہ کی نہیں ہے۔ لہٰذا ان پر عمل کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے۔ یعنی دلیل ظنی سے حرام ہونے والے افعال پر عمل کرنے سے فاسق تو ہوتا ہے مگر انھیں حلال جانتے سے کافر نہیں ہوتا ہے۔ آخرت میں حرام قطعی اور حرام ظنی دونوں کے مرتکب کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

تعویذات ! لکھنے اور گلے میں ڈالنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

تعویذات کا لکھنا اور گلے میں ڈالنا اور استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں جواب سے سرفراز فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب:-

جن تعویذات میں کلمات کفریہ اور کوئی شرعی قباحت بھی نہ ہو، ان کا لکھنا اور گلے میں ڈالنا جائز ہے۔

ابو داؤد میں ہے:

وکان عبداللّٰہ بن عمرو یعلمھن مَن عقَل من بنیہ و من لم یعقل کتبہ فاعلقہ علیہ

(حصہ (۲) کتاب الطب، باب کیف الرقی، صفحہ: ۱۸۷، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر اپنے بالغ اولاد کو سکھاتے تھے اور نابالغوں کے گلے میں لکھ کر ڈال دیتے تھے۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں اس کے جواز سے متعلق لکھا:

و علی جواز عمل الناس الیوم و بہ وردت الآثار و لا باس بان یشد الجنب والحائض المتعاوید علی العضد اذا کانت ملفوفہ

اور تعویذات کا لکھنا لوگوں کے عمل جواز کے بناء پر ہے اور اس سلسلے میں بہت ساری روایات ہیں اور جب تعویذ کاغذ میں لپٹا ہو تو جنبی اور حائضہ کو بازو پر باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تعویذ پر اجرت لینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

تعویذات وغیرہ لکھنا اور ان پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

تعویذ کا معاوضہ لینا جائز ہے ۔ اس کو اجارہ کی حد میں داخل نہیں کر سکتے بلکہ بیع میں شمار کیا جائے گا ۔ مگر شرط یہ ہے کہ تعویذ ایسا ہو کہ اس میں شرعی قباحت نہ ہو ۔ مثلاً شرکیہ وکفریہ الفاظ پر مشتمل نہ ہو ۔ آیات قرآنیہ ، ادعیہ ماثورہ نیز ان کے اعداد یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر لکھا جائے تو یہ جائز ہے اور احادیث سے اس کا ثبوت ہے ۔

بخاری میں حدیث ہے :

عن ابن عباس ان نفراً من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مروا بماء فیھم لدیغ او سلیم فعرض لھم رجل من اھل الماء فقال ھل فیکم من راق ان فی الماء رجلا لدیغا او سلیما فانطلق رجل منھم فقرء بفاتحۃ الکتاب علی شاء فبرء فجاء بالشاء الی اصحابہ فکرھوا ذالک و قالوا اخذت علی کتاب اللّٰہ اجراً حتٰی قدموا المدینۃ فقالوا یا رسول اللّٰہ اخذ علی کتاب اللّٰہ اجراً فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللّٰہ

(جلد(۲) کتاب الطب، باب الشرط فی الرقیۃ بقیع من الغنم، صفحہ: ۸۵۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی گھاٹ سے گزرے اس گھاٹ پر رہنے والوں میں سے کسی کو سانپ یا بچھونے ڈس لیا تھا تو گھاٹ والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ گھاٹ پر ایک شخص کو سانپ یا بچھونے ڈس لیا ہے تو صحابہ میں سے ایک صاحب کچھ بکریوں کی شرط پر چلے گئے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو مریض اچھا ہو گیا ۔ وہ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو دیگر صحابہ نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی " یارسول اللہ ان صاحب نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے " تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جو تم اجرت لیتے ہو اس میں کتاب اللہ زیادہ حقدار ہے " ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تعویذ لکھنا یا دم کرنا جائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے ۔ لیکن اس کو کاروبار نہیں بنانا چاہیے ۔

دیوبندیوں کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

دیوبند خیال کے جو لوگ مسلمان ہیں۔ کیا ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حرام ہے تو اس پر واضح دلائل پیش کریں۔

سائل: صوفی مشتاق احمد قادری یوسفی، نائب تحصیلدار نال ضلع خضدار، بلوچستان

الجواب:-

اکابر علمائے دیوبند! قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی نے بالترتیب اپنی کتابوں تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ کی سخت توہین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیاء ہونا عوام کا خیال بتایا اور لکھا کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اگر کوئی نبی آجائے تو حضور کے خاتم النبیین ہونے میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔

(تحذیر الناس، صفحہ: ۳، مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس، سہارنپور ۱۳۰۹ھ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں شیطان کا علم زیادہ بتایا اور لکھا کہ شیطان کے علم کے لیے دلیل ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر کوئی دلیل نہیں۔

(براہین قاطعہ، صفحہ: ۵۱، مطبوعہ مطبع بلالی، ساڈھورہ ضلع انبالہ، بھارت)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی۔

(حفظ الایمان، صفحہ ۸۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دھلی

ان توہین آمیز عبارتوں کے لکھنے والے مذکورہ علمائے دیوبند پر علمائے حرمین، مصر، شام اور دوسرے ممالک کے علماء نے حکم کفر لگایا اور توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنے پر حکم کفر کو ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ لکھا ہے۔ علمائے حرمین کا فتوی "حسام الحرمین" کے نام سے مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

فقہ حنفی کے عظیم فقیہ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

من سب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فانہ مرتد وحکمہ حکم المرتد ویفعل بہ ما یفعل بالمرتد

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم فی حکم ساب الانبیاء، صفحہ: ۳۱۹، مکتبہ

یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی وہ یقیناً مرتد ہے اور گالی دینے والے کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے اور اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اور جو شخص مرتد کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے گا، وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے:

الکافر بسب نبی من الانبیاء فانہ یقتل حداً و لا تقبل توبتہ مطلقاً و من شک فی عذابہ و کفرہ کفر

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الجہاد، باب المرتد، مطلب مہم فی حکم ساب الانبیاء، صفحہ: ۳۱۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

انبیاء میں سے کسی نبی کو جو گالی دے وہ کافر ہے۔ اور بے شک اسے بطور سزا قتل کیا جائے گا۔ اور اسکی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو اس کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا دیوبندیوں میں جو لوگ اکابر علماء دیوبند کی عبارات جانتے ہوئے ان کو مسلمان مانتے ہیں وہ بھی ان ہی کی طرح کافر و مرتد ہیں۔ کافر کا ذبیحہ حرام ہے۔ در مختار میں ہے:

لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد

(بر حاشیہ شامی، جلد (۵) کتاب الذبائح، صفحہ: ۲۰۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

غیر کتابی یعنی بت پرست، مجوسی اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں۔

اور جو دیوبندی اپنے ان اکابر کی عبارات کو نہ جانتے ہوں۔ صرف ان کی شہرت اور پروپیگنڈہ کی وجہ سے، ان کے معتقد ہوں اور ان کو مسلمان سمجھتے ہوں صرف میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کا انکار کرتے ہوں اور توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ خود کرتے ہوں اور نہ توہین کرنے والوں کو مسلمان جانتے ہوں وہ کافر نہیں، ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بیماری میں کیکڑا کھانا کیسا ھے؟

الاستفتاء:-

بیماری میں کیکڑا کھانا کیسا ہے؟ جبکہ پورا یقین ہو کہ کیکڑا کھانے سے مرض دفع ہو جائے گا۔

الجواب:-

فقہائے احناف کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے اور کوئی جانور حلال نہیں ہے۔ لہٰذا کیکڑا حلال نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی: ۵۹۳ ھ نے ہدایہ میں لکھا:

ولا یؤکل من حیوان الماء الا السمک

(اخیرین، کتاب الذبائح، فصل فی ما یحل اکلہ و ما لا یحل، صفحہ: ۴۴۲، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

یعنی مچھلی کے علاوہ پانی کا کوئی جانور نہیں کھا سکتے۔

اور حدیث میں ہے:

لا شفاء فی الحرام

یعنی حرام چیز میں شفاء نہیں ہے۔

لہٰذا کیکڑا دوا کے طور پر بھی استعمال نہ کیا جائے طب اور ڈاکٹری ظنی علم ہے۔ اس سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا کہ فلاں دوا سے یہ بیماری اچھی ہو جائے گی۔

گھر کی بنیادوں میں جانور کا خون ڈالنا

الاستفتاء:-

کوئی شخص اپنے مکان کی تعمیر شروع کرتے وقت بنیاد میں بکرے یا کسی اور جانور کا خون ڈالے۔ از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

سائل: انیس احمد، علی بستی، گلبہار، کراچی

الجواب:-

مکان کی بنیادوں میں خون ڈالنا ایک لغو کام ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر صدقے کا جانور ذبح کر کے گوشت غریبوں میں تقسیم کر دیں، تو یہ اچھا ہے۔

سیاہ خضاب اور مہندی لگانے کا حکم

الاستفتاء:-

محترمی و مکرمی جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا داڑھی، مونچھوں اور سر کے بالوں پر خضاب یا مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا مہندی لگانا افضل ہے؟

سائل: شیخ غلام سرور، سرگودھا

الجواب:-

کالا خضاب! مردوں کے لئے ناجائز ہے۔ البتہ مہندی لگانا جائز ہے۔

فوجی کٹ کو "سنت" کہنا

الاستفتاء:-

حضرت قبلہ مفتی صاحب! دارالعلوم امجدیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید! کہتا ہے کہ "جو لوگ زلفیں رکھتے ہیں تو زلفیں رکھنے سے گردن کا مسح صحیح نہیں ہو سکتا"۔
پھر وہ اپنے بال دکھا کر (جو فوجی کٹ کی طرح تھے) کہتا ہے "اس طرح کے بال رکھنا سنت ہے"۔

سائل: عبد اللہ قادری

الجواب:-

زید! کا کہنا غلط ہے کہ زلفیں رکھنے سے گردن کا مسح صحیح نہیں ہوتا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زلفیں رکھنا ثابت ہے، کبھی کان کی لو تک، کبھی اس سے زیادہ مونڈھوں کے قریب تک ہونا، احادیث میں مذکور ہے۔

گردن کا مسح، زلفوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر کیا جا سکتا ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ مروجہ انگریزی کٹ بال رکھنا سنت ہے، محض افتراء ہے۔

مردوں کو سر کے بال کتنے لمبے رکھنے چاہئیں

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے میں کہ:

مردوں کو اپنے سر کے بال کتنے لمبے رکھنے چاہیں ؟ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں ۔

Aijaz

الجواب :-

مردوں کو زیادہ سے زیادہ اتنے لمبے بال رکھنا جائز ہے کہ کندھوں کے چھونے کے قریب ہو جائیں ۔ اس سے زیادہ لمبے بال رکھنا ناجائز ہیں ۔ اس سے زیادہ لمبے بال رکھنا عورتوں کے لیے ہے ۔ حدیث شریف میں فرمایا :

لعن النبی صلی اللہ علیہ و سلم المتشبھین من الرجال بالنساء و المتشبھات من النساء بالرجال

(بخاری، جلد(۲) کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء والمتشبھات بالرجال، صفحہ: ۸۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں ۔

لہٰذا جس طرح مردوں کے لئے لمبے بال رکھنا منع ہے اسی طرح عورتوں کو مردوں کی طرح بال رکھنا منع ہے ۔ عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنے والے کی امامت ناجائز ہے اور وہ فاسق ہے اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی وہ واجب الاعادہ ہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

فٹبال کھیلنے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

اھل سنت کے دار العلوم کے طلباء پینٹ شرٹ پہن کر فٹ بال کھیلتے ہیں جو کہ انگریزوں کا لباس ہے ۔ نیز جن کے ساتھ کھیلتے ہیں، ان کھلاڑیوں میں شیعہ طلبہ بھی شامل ہوتے ہیں ۔ ظاہر بات ہے جب آپس میں کھیلتے ہیں تو بات چیت سلام اور ایک دوسرے کے ساتھ کھانا پینا بھی پڑتا ہے ۔ تو آیا اس صورت میں فٹبال کھیلنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور سنی کا شیعہ کے ساتھ کھیلنا کیا حکم رکھتا ہے ؟

سائل : محمد اقبال ، سعودی عرب

الجواب :-

کوئی کھیل صرف کھیلنے کے لئے جائز نہیں ہے ۔ صحت کے لئے بطور ورزش کھیلنا جائز ہے ۔ جس میں کوئی دینی طور پر ناجائز وجہ نہ پائی جائے ۔ کھیل کے دوران ایسا لباس تو پہن سکتے ہیں ، مگر ستر عورت لازم ہے ، جو کہ مرد کے لئے ناف سے لیکر گھٹنے سمیت کا حصہ چھپانا فرض ہے ، اگر گھٹنہ کھول کر کھیلے گا تو ناجائز ہے ۔ شیعہ اور جتنے بد مذہب فرقے ہیں ، ان سے خلط ملط ہونا ، ملنا جلنا ، سلام و کلام اور ان کے ساتھ کھانا پینا حدیثوں سے منع ہے ۔ لہٰذا ان کے ساتھ کھیلنا بھی منع ہے ۔

تعلیمی اداروں کی دیواروں پر آیات قرآنی لکھنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک تعلیمی ادارے کی دیواروں پر کچھ آیات قرآنی اور احادیث ایک عرصے سے درج ہیں ۔ یہ دیواریں کچھ اس طرح واقع ہیں ، اسٹاف کلب کی دیوار کا بیرونی حصہ اب یہ کلب عرصہ سے بند ہے ، طلباء کینٹین کے دروازے کے سامنے والی دیوار ، اس دیوار کی پشت پر کسی زمانہ میں پیشاب خانہ تھا ، جو عرصہ پہلے بند کر دیا گیا ہے ، اور اب بھی بند ہے ۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح دیواروں پر قرآنی آیات کا لکھنا (تاکہ ان دیواروں پر کوئی غلط تحریر نہ لکھی جائے) جائز ہے یا ناجائز ؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس طرح دیوار پر قرآنی آیات کا لکھنا سوءِ ادب ہے ۔ اس لئے لکھی ہوئی آیات کو دیواروں سے کھرچ دیا جائے ۔ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں ۔

الجواب :-

قرآن و حدیث کو مسجد کی دیواروں یا دوسری دیواروں پر لکھنے کا صراحتاً تذکرہ نہیں ہے ، مگر شریعت کا ایک قانون ہے کہ " اشیاء میں اصل اباحت ہے " ، جبکہ کسی کام کی قرآن و حدیث سے حرمت ثابت نہ ہو وہ کام جائز رہتا ہے ۔ احادیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ناجائز نہ بتایا ہو وہ مباح ہے ۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ابو داؤد کی حدیث نقل کی گئی ہے :

عن ابن عباس قال : كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء و يتركون اشياء تقذراً فبعث الله

نبیہ و انزل کتابہ و احل حلالہ حرم حرامہ فما احل فھو حلال و ما حرم فھو حرام و ما سکت عنہ فھو عفو

(کتاب الصید و الذبائح ، باب ما یحل اکلہ و ما یحرم ، الفصل الثالث ، صفحہ : ۳۶۲ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

اور بعض کو کراہتاً چھوڑ دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کو مبعوث کیا اور ان پر اپنی کتاب (قرآن) نازل کی ، اور اسکے بیان کردہ حلال کو حلال ٹھرایا اور حرام کو حرام ۔ تو جو حلال کردیں وہ حلال ہیں اور جو حرام کردیں وہ حرام ہیں اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا وہ مباح ہے ۔

اور اس بات کو عالمگیر بادشاہ کے استاد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تفسیرات احمدیہ" میں بھی بیان کیا ہے ۔ اور اس کا عنوان رکھا "ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" یعنی چیزوں میں اصل اباحت (جائز ہونا) ہے ۔ لہٰذا اس اصول کی بناء پر آیات قرآنیہ کو دیوار پر لکھنا جائز ہے ۔ سینکڑوں برس سے مسجد نبوی کی دیواروں پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں ، جہاں دنیا بھر کے بڑے بڑے علماء اور بزرگان دین حاضری دیتے رہے ۔ مگر کسی سے اس بارے میں کوئی اعتراض منقول نہیں ہے ۔ مسجد کی دیواروں پر لکھنے کے بارے میں یہی دلیل کافی ہے ۔ جن فقہاء نے مسجد کی دیواروں پر لکھنا پسند نہیں کیا تھا ان کی دلیل یہ تھی کہ حروف کے زمیں پر گرنے سے ان کی توہین کا پہلو نکلتا تھا ۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب دیواروں پر مٹی سے لیپائی کی جاتی تھی ۔ اور وہ مٹی گر جایا کرتی تھی ۔ اب بھی اگر کہیں مٹی سے لیپائی ہوتی ہے تو اسی اصول کو اپنایا جائے گا ۔ مگر عام طور پر اب یہ طریقہ ختم ہو چکا ہے ۔ پتھروں پر کندہ کرا کر اس میں مصالحہ بھرا جاتا ہے ۔ اور ان کے گرنے کا احتمال نہیں ہوتا ۔ لہٰذا اب یہ شبہ ختم ہوچکا ۔ مسجد کی دیواروں کے علاوہ دوسری دیواروں پر لکھنے کے متعلق میں صراحتاً جواز موجود ہے ۔

علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ نے فتاوی قاضیخان میں لکھا :

و لو کتب القران علی الحیطان و الجدران بعضھم قالو یرجی ان یجوز ذالک

(بر حاشیہ عالمگیری ، جلد (۳) کتاب الحظر و الاباحۃ ، فصل فی التسبیح الخ ، صفحہ : ۴۲۴ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اگر دیواروں وغیرہ پر قرآن لکھا بعض نے کہا امید ہے یہ جائز ہے ۔

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

و لو محا لوحاً کتب فیہ القرآن و استعملہ فی امر الدنیا یجوز

(جلد (۵) کتاب الکراھیۃ ، الباب الخامس ، صفحہ : ۳۲۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اگر کسی ایسی تختی کو صاف کیا جس پر قرآن لکھا ہوا تھا اور اسے دنیوی کام میں استعمال کیا تو جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلیک بورڈ پر آیات قرآنی لکھنا جائز ہے، جیسا کہ اسکولوں میں تعلیم کے لئے لکھا جاتا ہے۔ لہذا حاصل جواب یہی ہے کہ کالج میں جن دیواروں پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں، انھیں لکھا رہنے دیا جائے تاکہ پڑھنے والے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

غنی کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اکثر یہاں احباب اہلسنت اپنے قریبی رشتہ دار اور والدین کی وفات پر سوئم کے دن قرآن خوانی اور نعت شریف کی محفل منعقد کرتے ہیں اور اس کے بعد کھانا ہوتا ہے۔ کیا یہ کھانا غنی کھا سکتا ہے۔

(۲) والدین کی روح کو ایصال ثواب کے لئے ماہانہ یا سالانہ فاتحہ اور کھانا کیا جاتا ہے۔ کیا وہ کھانا میزبان اور میزبان کے عزیز و اقارب کھاسکتے ہیں؟

سائل: محمد اقبال

الجواب:-

مرحومین کو ایصال ثواب کرنا احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے ثابت ہے۔ یعنی قرآن کریم، درود شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ نیز کسی بھی نیک کام کا ثواب مسلمان کو پہنچانا جائز ہے۔ زندہ لوگوں کے ایصال ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ سوئم، ماہانہ، چالیسواں اور سالانہ فاتحہ، یہ سب ایصال ثواب کی اقسام ہیں۔ ان میں یہ ضروری ہے کہ یہ اچھی نیت اور خلوص سے کئے جائیں۔ نام و نمود کی غرض سے نہ ہوں اور ان مواقع پر غریب، محتاج مسلمانوں کو کھانا کھلایا جائے۔ اور عزیز و اقارب میں غریب ہوں تو انھیں بھی کھلایا جا سکتا ہے۔ لیکن مال دار رشتہ داروں اور اغنیاء کو مدعو نہ کیا جائے۔ کہ یہ دعوت کا موقع نہیں۔ اور ایصال ثواب کا کھانا، کھانا اغنیاء کے لئے اچھا نہیں۔

مزید تفصیل کے لئے وقار الفتاوی، جلد اول، ایصال ثواب کی بحث ملاحظہ کیجئے۔

متفرق

امت محمدیہ کی وسعت

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں صرف مسلمان ہی داخل ہیں یا دیگر تمام مذاہب باطلہ والے بھی داخل امت ہیں ۔ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں ۔

سائل : مجلس انتظامیہ ، غوثیہ مسجد ، گلشن اقبال

الجواب :-

امت دو قسم کی ہے ۔ ایک امت اجابت دوسری امت دعوت ۔ امت اجابت میں وہ لوگ داخل ہیں ، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرلی اور مسلمان ہو گئے ۔ جب کہ امت دعوت میں تمام مخلوقات داخل ہیں ۔ قرآن مجید میں ہے :

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًاo

(سورہ (۲۵) الفرقان ، آیت : ۱)

یعنی جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو ۔

اور حدیث میں ہے :

بعثت الی الناس کافۃ

(بخاری، جلد (۱) کتاب الصلٰوۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً، صفحہ : ۶۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی میں تمام لوگوں کی طرف (رسول بناکر) بھیجا گیا ہوں۔
لہٰذا جو مسلمان نہیں ہوئے وہ امت دعوت میں داخل ہیں۔

اسماء حسنیٰ کو یاد کرنے کا ثواب

الاستفتاء :-

میں نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں سے کچھ نام یاد کئے ہیں، اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے بھی نام یاد کئے ہیں ان کو میں تسبیح پر پڑھتا ہوں اس کا ثواب کتنا ہے ؟

الجواب :-

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس نے ان کو خلوص سے پڑھا یا حفظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

(بخاری شریف، جلد (۲) کتاب الدعوات، باب للّٰہ تعالیٰ مائۃ اسم غیر واحد، صفحہ : ۹۴۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کے اسمائے گرامی کا پڑھنا بھی باعث خیر اور موجب برکت ہے۔

شب جمعہ میں طریقہ عبادت

الاستفتاء :-

کیا جمعرات کی رات اور جمعہ کی رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ متعین ہے ؟

الجواب :-

جمعرات اور جمعہ کی راتوں میں کوئی خاص طریقہ عبادت معین نہیں عام راتوں کی طرح ان میں بھی

عبادت کی جا سکتی ہے۔

کیا صلوٰۃ و سلام بارگاہ رسالت میں پہنچتا ہے؟

الاستفتاء:-

ہمارے علاقہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد، جس وقت سلام ہوتا ہے، اس دوران میں چند آدمی قرآن شریف لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہاں سے صلوٰۃ و سلام بارگاہ رسالت میں نہیں پہنچتا"۔ بتایئے ان کا یہ قول و فعل کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

سائل: محمد آفاق حسین صدیقی

الجواب:-

جو لوگ صلاۃ و سلام پڑھنے کے منکر ہیں وہ اس قسم کے حیلے بہانے کرتے ہیں اگر انہیں قرآن پڑھنا ہی ہے تو دو چار منٹ بعد پڑھیں تو کیا حرج ہے۔

مصافحہ کرنے کا طریقہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مصافحہ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

سائل: ابو سعید محمد فاروق

الجواب:-

مصافحہ کے معنی لغت میں ہتھیلی کا ہتھیلی سے ملانا ہے۔ محدث شہیر فقیہ نبیل علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھا:

المصافحة هي الافضاء بصفحة اليد الى صفحة اليد

(جلد (۹) کتاب الاداب، باب المصافحة والمعانقة، صفحہ: ۷۳، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

یعنی ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے کی ہاتھ کی ہتھیلی سے ملانا۔

مصافحہ کے دو طریقے منقول ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک کا ایک ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھ کے درمیان رہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ دوسرے کے دائیں ہاتھ سے اور بایاں بائیں سے ملائے اور انگوٹھے کو دبائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بدعت کا بیان

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
برائے مہربانی چند مسائل در پیش ہیں ان کے جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔
(۱) بدعت کسے کہتے ہیں؟
(۲) بدعت حسنہ کسے کہتے ہیں؟

سائل: الطاف احمد

الجواب:-

"بدعت" لغت میں "نئے کام" کو کہتے ہیں اور اسلام میں ایسے نئے کام کو کہتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا بعد میں کیا گیا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ احادیث میں ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجورھم شئی

(جلد (۲) کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ الخ، صفحہ: ۳۴۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا، اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اسکے بعد اس پر عمل کیا گیا، تو اس کے لئے عمل کرنے والے کے اجر کے مثل بھی لکھا جائے گا اور ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی۔

ہمارے فقہاء اور محدثین نے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

"ای صاحب بدعة"

یعنی بدعت کرنے والا

در مختار کی اس عبارت پر صاحب رد المحتار علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا :

ای محرمة و الا فقد تکون واجبة کنصب الادلة للرد علی اهل الفرق الضالة و تعلم النحو المفهم للکتاب و السنة و مندوبة کاحداث نحو رباط و مدرسة و کل احسان لم یکن فی الصدر الاول و مکروهة کزخرفة المساجد و مباحة کتوسع بلذیذ المآکل و المشارب و الثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تهذیب النووی و مثله فی الطریقة المحمدیة للبرکلی

(جلد (۱) باب الامامة، مطلب البدعة خمسة اقسام، صفحہ: ۴۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی بدعت کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں ۔

(۱) بدعت حرام ! وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جائے ۔ یعنی واجب مٹانے والا) ۔

(۲) بدعت واجب ! جیسے گمراہ فرقوں کی تردید کے لئے ادلہ (دلائل) کا قائم کرنا اور جیسے علم نحو کا سیکھنا کتاب اللہ اور سنت رسول کو سمجھنے کے لئے ۔

(۳) بدعت مستحب ! جیسے سرائے اور دینی مدارس کا بنانا اور ہر وہ اچھا کام جو قرن اول میں نہیں تھا ۔

(۴) بدعت مکروہ ! جیسے مساجد میں مینا کاری کرنا (جب وہ مال وقف سے ہو) ۔

(۵) بدعت مباح ! جیسے انواع و اقسام کے کھانے ، مشروبات اور کپڑے وغیرہ ۔

اسی طرح شرح جامع الصغیر للمناوی اور اسی کی مثل طریقہ محمدیہ للبرکلی میں بھی بیان کیا گیا ہے ۔

اصول یہ ہوا کہ وہ تمام کام جو قرن اول کے بعد شروع ہوئے اگر اس قسم کے ہوں ، جن کی ممانعت قرآن و حدیث میں ہے تو وہ " بدعت سیئہ " ہوتے ہیں اور اگر قرآن و حدیث میں ان کی ممانعت نہیں ہے تو وہ جائز و مباح ہیں ۔ اس کے متعلق حدیث میں ہے :

الحلال ما احل اللّٰه فی کتابه و الحرام ما حرم اللّٰه فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفی عنه

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الاطعمة، الفصل الثانی، صفحہ: ۳۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب (قرآن) میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس چیز کے بارے میں سکوت فرمایا وہ مباح ہے ۔

پھر ان مباح کاموں میں اگر نیت ثواب ہو یا کوئی دوسرا شرعی کام تو یہ مستحب اور واجب بھی ہو جاتے ہیں ، جیسا کہ بدعت کی اقسام سے معلوم ہوا اور سلف صالحین کے عمل سے مباح کام مستحب بن جاتے ہیں ۔ اس لئے در مختار میں مستحب کی تعریف یہ لکھی ہے :

ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ و ترکہ اخری و ما احبہ السلف

(بر حاشیہ شامی، جلد (۱) کتاب الطہارۃ، مطلب لا فرق بین المندوب والمستحب الخ، صفحہ: ۹۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی چھوڑ دیا اور وہ جس کو سلف نے محبوب جانا۔
ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا:

انما یتمسک بافعال اھل الدین

(جلد (۵) کتاب الکراھیۃ، الباب السابع عشر، صفحہ: ۳۵۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی متشرع افراد کے افعال سے (مستحب) کی دلیل لی جائے گی۔
اگر بدعت کی یہ تقسیم نہ کی جائے بلکہ ہر وہ کام جو قرون اولی میں نہ تھا اس کو بدعت و گمراہی قرار دے دیا جائے تو دین اور دنیا کے بہت سارے جائز کام گمراہی ہوں گے۔ مثلاً قرآن چھاپنا، اس پر اعراب لگانا، حدیث اور فقہ کی کتابیں چھاپنا، پڑھنا، مدارس قائم کرنا، انواع و اقسام کے کھانے کھانا اور کپڑے پہننا، آج کل کی سواریوں پر سوار ہونا، پختہ مکانات بنانا، مساجد کو مزین اور آراستہ کرنا وغیرہ۔ ان کاموں کو یہ کہہ کر بدعت سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ دنیاوی کام ہیں۔ لہٰذا ہر نئے کام کو ناجائز بتانے والے اس دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور جائز بتانے والے، ان کا حکم شرعی بتا کر انہیں بدعت یا مباح میں شامل کرتے ہیں۔

بد عقیدہ لوگوں کے تراجم والے قرآن رکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
ہماری مسجد میں بد عقیدہ علماء وغیرہ کے ترجمہ کیے ہوئے قرآن رکھے ہوئے ہیں۔ پڑھنے والوں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ وضاحت فرمائیں کہ ان کا کیا کیا جائے؟ کیا ان کو ٹھنڈا کرا دیا جائے؟
سائل: غلام یسین قادری، کتیانہ محلہ، گلستان مصطفی، کراچی

الجواب:-

ایسے مترجم قرآن شریف کسی مناسب جگہ دفن کر دیئے جائیں یا ٹھنڈے کر دیئے جائیں۔

داڑھی منڈوانے والے کس زمرے میں آتے ہیں

الاستفتاء:-

قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

داڑھی منڈوانے والا مسلمان کس زمرے میں ہے یعنی فاسق یا فاجر؟

الجواب:-

جو شخص داڑھی منڈوائے یا حد شرع سے کم رکھے، وہ فاسق و فاجر ہے۔

پنج وقتہ نمازی کا داڑھی نہ رکھنا

الاستفتاء:-

قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

پنج وقتہ نمازی اگر داڑھی صاف کرائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:-

ہر مسلمان کے لئے داڑھی نہ رکھنے کا ایک ہی حکم ہے۔

نبی کریم! اللہ تعالیٰ کے سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟

الاستفتاء:-

قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ :
جب جبرائیل علیہ السلام کہتے تھے کہ اللہ عزوجل نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے ۔ وضاحت فرمائیں ۔
المستفتی : ذوالفقار احمد

الجواب:-
اللہ تعالیٰ کے سلام کا مطلب سلامتی کی خبر دینا ہے ۔ اس سلام کا مطلب یہ نہیں ، جو مسلمان ایک دوسرے کو کرتے ہیں ۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کو سلام کرتے تھے ؟

الاستفتاء:-
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے وقت نمازیوں کو سلام کرتے تھے ؟
سائل : محمد طیب فاروق ، سعود آباد ، کراچی

الجواب:-
ایسے مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے ۔ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ جو لوگ مسجد میں قراءت و تسبیح میں مشغول ہیں یا انتظار نماز میں بیٹھے ہیں ان کو سلام نہیں کیا جائے گا ۔ اسی طرح جو لوگ کسی علمی گفتگو میں مشغول ہیں یا مجلس وعظ میں جو لوگ وعظ سن رہے ہیں ان کو بھی سلام نہ کیا جائے ۔ اور اگر کوئی آنے والا ان کو سلام کرے تو ان پر جواب دینا واجب نہیں ہے ۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

السلام تحیۃ الزائرین والذین جلسوا فی المسجد للقراءۃ والتسبیح او لانتظار الصلوٰۃ، ما جلسوا فیہ لدخول الزائرین علیھم فلیس ھذا، وان السلام فلا یسلم علیھم ولھٰذا قالوا لو سلم علیھم الداخل وسعھم ان لا یجیبوہ

(جلد (۵) کتاب الکراھیۃ، الباب السابع، صفحہ:۳۲۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی سلام تو ملنے کیلئے آنے والوں کی طرف سے درازی عمر کی ایک دعاء ہے ۔ اور جو لوگ تلاوت، ذکر و اذکار یا انتظار نماز میں بیٹھے ہوں ، لوگوں سے ملنے ہی کیلئے نہ بیٹھے ہوں کہ اس سے ہماری بحث ہی نہیں ، ان کو سلام

کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں حکم یہ ہے کہ انہیں سلام نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اگر آنے والے نے انھیں سلام کر ہی لیا تو انھیں اختیار ہے کہ وہ اس کا جواب نہ دیں۔

کسی شخص کا کہنا کہ قرآن و حدیث سے داڑھی کا ثبوت نہیں

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص یہ کہتا ہے کہ امامت کے لئے داڑھی کی شرط کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ داڑھی کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں باطن کو دیکھتا ہے۔

سائل: حافظ غلام رسول قادری، مسجد دار السلام

الجواب:-

داڑھی کا رکھنا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام کے واقعہ میں ہے:

لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي

(سورۃ (۲۰) طٰہٰ، آیت: ۹۴)

یعنی اے موسیٰ! میری داڑھی نہ پکڑو۔

داڑھی کا رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنت ہے اور صحیح ستّر (۷۰) احادیث مبارکہ سے اس کا ثبوت ہے۔ بخاری میں ہے:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین و فروا اللحی

(جلد (۲) کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار، صفحہ: ۸۷۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

بخاری کے اسی صفحہ پر حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت میں ہے:

انھکوا الشوارب و اعفوا اللحی

یعنی مونچھیں چھوٹی کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث شریف ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے :

احضوا الشوارب و اعفوا اللحی هذا حدیث صحیح

یعنی مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن دونوں کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اختصار کے پیش نظر چند احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مسمی "لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحی" کا مطالعہ کر لیا جائے۔

درس و تبلیغ کے لئے مناسب وقت

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب ! دار العلوم امجدیہ ، کراچی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ایک مسئلہ در پیش ہے۔ امید ہے کہ آپ وقت نکال کر جواب سے آگاہ کریں گے :

مساجد میں درس یا تبلیغ کس وقت کرنا چاہیے حالانکہ جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اس وقت بآواز بلند تلاوت بھی نہیں کرنی چاہیے۔

امید ہے کہ جلد جواب سے آگاہ فرمائیں گے۔ شکریہ

سائل : بابر

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے :

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(سورۃ (۷) الاعراف ، آیت : ۲۰۴)

یعنی اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

اسی لئے فقہاء نے فرمایا کہ جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں ، باتیں کر رہے ہوں ، اپنے کسی کام میں مشغول ہوں یا اجتماعی طور پر قرآن پڑھ رہے ہوں یعنی قرآن خوانی کر رہے ہوں ، تو ایسے وقت اور مواقع پر اگر کوئی بلند آواز سے قرآن بھی پڑھے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ لہٰذا درس بھی اسی وقت دینا چاہیے جب لوگ عموماً فرائض و

سنن و نوافل پڑھ کر فارغ ہو جائیں۔

مساجد اہلسنت میں قیام اقامت اور درود و سلام میں اختلاف

الاستفتاء:-

اہلسنت و جماعت (بریلوی) مسلک کی مساجد میں صلوٰۃ و سلام اور اقامت میں اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ یعنی بعض مساجد میں اقامت کے وقت سب لوگ امام کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الصلوٰۃ پر قیام کرتے ہیں۔ جبکہ بعض میں ابتداء ہی قیام کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت کی بعض مساجد میں اذان سے پہلے یا بعد اور بعد نماز جمعہ بعض میں صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے اور بعض میں نہیں۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اگر یہ اتنا ہی بڑا مسئلہ ہے تو سب جگہ پر یکسانیت کیوں نہیں کیونکہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے اور نہ پڑھنے پر جھگڑے بھی ہوتے ہیں اور نوبت قتل تک بھی جا پہنچتی ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام نہ پڑھنے والوں کو گستاخ رسول کہا جاتا ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب:-

بوقت اقامت امام و مقتدیوں کا بیٹھے رہنا اور "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ لیکن ایک مستحب کو ترک کرنے کی عادت بنالینا اور اس کے ترک پر اصرار کرنا، بہت برا ہے۔ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" سے پہلے نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ یہ فرض و واجب نہیں ہے کہ جس کے ترک کی وجہ سے گناہ لازم آئے تو جن مساجد میں اس پر عمل ہوتا ہے اچھا ہے اور جہاں نہیں ہوتا، گناہ نہیں ہے مگر فقہاء نے ابتداءً کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے۔

درود و سلام کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(سورۃ (۳۳) الاحزاب، آیت: ۵۶)

یہ حکم مطلق ہے، جس وقت چاہیں درود و سلام پڑھیں اذان سے پہلے، بعد یا بعد نماز جمعہ، بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہو کر۔ ان اوقات میں درود وسلام نہ پڑھنا گستاخی رسول نہیں ہے ہاں! صلوٰۃ و سلام سے روکنا، لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکانا، ضرور گستاخی رسول ہے۔ اور وہ لوگ، جو صلوٰۃ و سلام کے مخالف ہیں یقیناً گستاخ رسول ہیں۔ اور اسی قسم کے لوگ صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں سے دشمنی کرتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں جو بہت بڑا ظلم ہے اور مسلمانوں کو قتل کرنا موجب جہنم ہے۔

موئے زیر ناف مونڈنے کا حکم

الاستفتاء:-

زیر ناف بال مونڈنے کی شرعی حد کیا ہے کہ پوری سنت ادا ہو سکے ؟

سائل : محمد ابراہیم قادری ، پاکستان اسٹیل

الجواب:-

ناف سے نیچے خصیتین اور عضو تناسل کے ارد گرد کے بال صاف کرنا سنت ہے اور " دبر " کے بال صاف کرنا مستحب ہے۔

ارتداد اور اعمال کا ضائع ہونا

الاستفتاء :-

بلا ارادہ کوئی ایسی بات ہو جائے ، جس سے توبہ اور تجدید نکاح کا حکم ہو تو کیا اس کلمہ کی وجہ سے اعمال سابقہ اکارت (ضائع) ہو جاتے ہیں جیسے کہ مرتد کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

الجواب:-

جب کوئی بھی وجہ کفر پائی جائے اور اس پر " مرتد " کا حکم ہو جائے تو پچھلی تمام عبادات باطل ہو جاتی ہیں۔ جب وہ دوبارہ اسلام لائے تو عبادات کی قضاء نہیں۔ سوائے حج کے کہ اگر وہ غنی ہے تو اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ مرتد ہونے سے پہلے کی جو عبادات باقی تھیں ان کی قضا اس وقت بھی لازم تھی اور دوبارہ اسلام لانے کے بعد بھی ان کی قضا لازم رہے گی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

ویقضی ماترک من عبادۃ فی الاسلام لان ترک الصلوۃ و الصیام معصیۃ و المعصیۃ تبقی بعد الردۃ ما ادی منہا فیہ یبطل ولا یقضی من العبادات الا الحج لانہ بالردۃ صار کالکافر الاصلی فاذا اسلم و ہو غنی فعلیہ الحج فقط

(بر حاشیہ شامی، جلد (۳) کتاب الجہاد، باب المرتد، مطلب المعصیۃ تبقی بعد الردۃ، صفحہ: ۳۲، ۳۳۱، مکتبہ

اور ان عبادتوں کی قضا کرے گا جن کو حالت اسلام میں چھوڑا تھا کیونکہ نماز، روزہ کا ترک کرنا گناہ ہے۔
لیکن حج کے علاوہ کسی عبادت کی قضا نہ کرے کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے اصلی کافر کے مثل ہو گیا پس دوبارہ
اسلام لانے کے بعد اگر وہ مالدار ہے تو صرف حج قضا کرے گا۔